انگار
محمد فاروق انجم
PDFBOOKSFREE.PK

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پیش لفظ

انسان کا دل وہ زمین ہے جس پر جو بھی فصل اُگائی جائے گی وہی پروان چڑھے گی۔ محبت کے بیج سرسبز اور شاداب ایسی فصل کھڑی کریں گے کہ انسان کو انسان ہونے کا احساس ہوگا اور جب اسی زمین پر نفرت اور انتقام کے بیج بو دیئے جائیں گے تو یہی انسان شیطانیت کا روپ دھار لیتا ہے۔ یہی دل جب اپنے دامن میں پھول بھرتا ہے تو اس کی خوشبو ہر کوئی محسوس کرتا ہے اور اسی دل میں جب نفرت کے انگار بھر لئے جاتے ہیں تو پھر اس کی تپش سے راکھ اُڑنے لگتی ہے۔ زیر نظر ناول ''انگار'' بھی کچھ ایسے ہی جذبات پر مبنی کہانی پر مشتمل ہے۔ یہ ایک ایسے انتقام کی کہانی ہے کہ جب اس نے اپنے دل میں نفرت کے انگار بھرے تو پھر اس کی زد میں آ کر جو برباد ہوا وہ تو ہوا ہی، وہ خود اپنا دامن بھی اس آگ سے نہیں بچا سکا۔ انتقام کی اس آگ میں وہ اتنا آگے بڑھا کہ اپنوں کو بھی بھول گیا اور بس ایک ہی چیز یاد رکھی کہ اس نے انتقام لینا ہے۔

میرا یہ ناول ہفت روزہ اخبارِ جہاں میں چار ماہ تک قسط وار شائع ہوتا رہا۔ یہ ایک مقبول سلسلہ تھا۔ اس ناول میں بہت سے کردار ہیں لیکن کوئی بھی کردار ایسا نہیں ہے جو نگینے کی طرح اپنی اپنی جگہ دکھائی نہ دے۔ اس ناول کا مرکزی کردار علی گوہر انتقام کے انگار اپنے دل میں بھر کر شطرنج کی ایسی بساط سجاتا ہے کہ سب اس کے سامنے مہروں کی طرح خانوں میں کھڑے دکھائی دیتے ہیں اور وہ اپنی مرضی سے ہر مہرے کی چال چلتا ہے اور جس کو جب چاہتا ہے مات دے دیتا ہے۔ اپنے انتقام کے لئے وہ اپنی محبت کو بھی ایک مہرہ ہی سمجھتا ہے اور ضرورت پڑنے پر اس کی چال بھی چل دیتا ہے۔ ایک طرف نفرت کے انگار سے سب کو مات دینے کی فکر میں ہے تو دوسری طرف کہانی کا دوسرا کردار فلک شیر ہے جو سب کچھ محبت اور پیار سے جیتنا چاہتا ہے۔ دونوں اپنی اپنی راہوں پر چلتے رہتے ہیں اور دونوں کو وہی ملتا ہے جس فصل کی آبیاری دونوں کرتے ہیں۔ یہ محبت، نفرت، جدائی، چالبازی اور خلش کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایسی داستاں ہے جو مدتوں آپ کو یاد رہے گی۔

ایک عرصے سے میری خواہش تھی کہ میرا ناول ''القریش پبلی کیشنز'' جیسے بڑے ادارے سے شائع ہو۔ جناب محمد علی قریشی صاحب سے جب میری پہلی ملاقات ہوئی تو وہ ملاقات میرے دل سے بہت دن تک محو نہیں ہوئی تھی۔ وہ واقعی ایک اچھی شخصیت کے مالک ہیں۔ میں ان کا شکر گزار ہوں کہ انہوں نے میرا یہ ناول اپنے ادارے سے اپنی خصوصی توجہ کے ساتھ شائع کیا۔

اپنے اس ناول کی اشاعت پر مجھے امید ہے کہ میرے پڑھنے والے اسے پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھیں گے اور قیمتی آراسے بھی نوازیں گے۔

محمد فاروق انجم

تانگہ کچی سڑک پر دوڑ رہا تھا۔

بھاگتے گھوڑے کے پیر جہاں بھی پڑتے تھے اس جگہ کی مٹی دُھول بن کر اپنی جگہ چھوڑ دیتی تھی' اور تانگے کے پیچھے دُھول کا بادل سا معلق دکھائی دیتا تھا۔ کچی سڑک کے دائیں بائیں ہوا کے ساتھ جھومتی فصلیں تھیں' کھیت تھے اور قطار در قطار ایستادہ درخت تھے' جن کی شاخوں پر اگر ایک پرندہ آکر بیٹھتا تھا تو دوسرا اُڑتا ہوا دکھائی بھی دیتا تھا۔ دور تک نیلا آسمان دکھائی دے رہا تھا۔ نیلے آسمان کے نیچے آباد یہ گاؤں سینکڑوں کچے پکے مکانوں پر مشتمل تھا۔ جہاں ہر طرح کے لوگ آباد تھے۔ پورے گاؤں میں کئی زمینوں' جانوروں' نوکروں' اور بہت بڑی حویلی کا مالک چوہدری میر تاج تھا۔ جو اس وقت دوڑتے ہوئے تانگے کے آگے اپنی ایک ٹانگ کے اوپر دوسری ٹانگ جمائے براجمان اپنی نگاہیں کبھی دور اور کبھی پاس دوڑا رہا تھا۔ اُس کے ایک ہاتھ میں اس کی چھڑی تھی۔ سر پر سفید پگڑی تھی جس کا شملہ کسی سانپ کے پھن کی طرح ایستادہ تھا۔ اُس کے چہرے پر ایک تمکنت تھی۔ اُس کے بیٹھنے سے لگتا تھا جیسے وہ اس ریاست کا بادشاہ ہے اور ہوا خوری کے لئے تانگے کی سواری کر رہا ہے۔

وہ تانگہ بوڑھے لالو کا تھا۔ جو کہ اپنے دونوں پیر پائیدان پر ٹکائے بانس پر بیٹھا ہوا تھا۔ جبکہ تانگے کے پیچھے دیتو بیٹھا تھا۔

چوہدری میر تاج کا خاص اور پُر اعتماد آدمی' اُس کا منشی' رازداں وہ دیتو ہی تھا۔ جس کی عمر پینتیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اس سے قبل اسی جگہ پر دیتو کا باپ ہوا کرتا تھا جس کی موت کے بعد وہ جگہ دیتو کو ملی تھی۔ اس عمر میں دیتو سب جانتا تھا کہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میر تاج کا ملازم بن کر کیسے رہنا ہے۔اُس کے باپ نے ہر گُر اُسے بتا دیا تھا۔

میر تاج کی اس گاؤں میں جو زمین اور جائیداد تھی وہ اُن کا مالک تو تھا ہی لیکن وہ یہ بھی خیال کرتا تھا کہ اس گاؤں میں ہر بسنے والے کا بھی وہی چارہ گر ہے۔ چھوٹے سے لے کر کسی بھی بڑے مسئلے تک گاؤں کا ہر فرد اس کی حویلی کا ہی رُخ کرتا تھا۔ اس علاقے میں تعینات ہونے والا تھانیدار بھی پہلے میر تاج کی حویلی میں حاضری دیتا تھا اور اس کے بعد وہ تھانے جاتا تھا۔میر تاج کے پاس سب کچھ تھا' پیسہ اور اُس سے بھی بڑھ کر طاقت۔اور ان کے بل بوتے پر اُس کا غرور اور تکبر تھا۔ میر تاج کا دل سخت تھا۔اُس کی آنکھیں کبھی بھی کسی بھی وقت بدل سکتی تھیں۔اُسے کسی کی پرواہ نہیں ہوتی تھی۔

میر تاج کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں تھیں۔سب سے بڑا بیٹا منظور احمد خان تھا۔ اُس کا قد باپ کی طرح نکلا ہوا اور جسم چوڑا تھا۔چہرے پر مونچھیں ایسی تھیں کہ عام آدمی پہلی نظر میں دیکھ کر اُسے اپنے جسم میں خوف سا سرایت ہوتا محسوس ہوتا تھا۔ منظور احمد اپنی مرضی' اور ضد کا مالک تھا۔اس کے لہجے اور دل میں باپ کی جھلک بھی نمایاں ہوتی تھیں۔

منظور احمد سے چھوٹا فرزند علی تھا۔وہ باپ کے بعد اپنے بڑے بھائی کی عزت اور احترام کرتا تھا۔اس کے بعد تیسرا بیٹا یاور حیات تھا جس پر اپنے باپ اور دونوں بھائیوں کی عزت واجب تھی۔یہ دونوں بھائی بھی اپنے باپ اور بڑے بھائی جیسی ہی جھلک رکھتے تھے۔لیکن کسی میں کچھ زیادہ تھی اور کسی میں کم تھی۔

میر تاج نے اپنی دو بیٹیوں کی شادی کر دی تھی۔اس کے لئے اُس نے بہت اونچے گھرانے تلاش نہیں کئے تھے۔بلکہ اُس کی نگاہ ایسے گھرانوں پر گئی تھی جو دوسرے گاؤں کے تھے اور کم حیثیت کے مالک تھے۔شادی کے بعد میر تاج نے اُن کی امداد کی' کچھ زمینوں کا مالک بنا دیا تا کہ اس کے داماد ہمیشہ نگاہ نیچی کر کے ہی اس کے سامنے کھڑے ہوں۔اور ایسا ہی ہوتا تھا کہ اس کی بیٹی کا سسر بھی کسی کمی کی طرح اُس کے سامنے بات کرتا تھا۔ایک تو میر تاج کا رعب دبدبہ اور دوسرا میر تاج اُنہیں ہمیشہ اپنی اوقات کسی نہ کسی بہانے یاد کراتا رہتا تھا۔

اس حویلی میں اگر کسی کا دل روئی کی طرح نرم اور زبان شہد کی طرح شیریں تھی تو وہ میر تاج کی بیوی جنت بی بی کی تھی۔

جنت بی بی ایک نیک خاتون تھی۔وہ وقت پر نماز کی ادائیگی کرتی تھی' گاؤں کی کوئی مجبور عورت اُس کے پاس آ جاتی تو وہ خدا ترسی بھی کرتی تھی۔یہ بات میر تاج کو پسند تو نہیں تھی لیکن وہ جنت بی بی کو اس سے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔یہ ایک عجیب بات تھی کہ وہ جنت بی بی کو دبا کر نہیں رکھتا تھا۔خدا نے میر تاج کے دل میں جنت بی بی کی عزت ڈالی تھی یا کچھ اور بات تھی' وہ جنت بی بی کی کوئی بات رَد نہیں کرتا تھا۔اور نہ ہی وہ اپنے بچوں کو ایسا کرنے کی اجازت دیتا تھا۔وہ کیسا بھی تھا لیکن شوہر بہت اچھا تھا۔وہ جنت بی بی کا ہر طرح سے خیال رکھتا تھا اور اُس کی کوئی بھی کہی ہوئی بات پوری کرنے کے لئے ہر ممکن کوشش کرتا تھا۔اس میں شک نہیں تھا کہ وہ اپنی بیوی سے پیار کرتا تھا۔اور اُسے ہر ممکن خوش رکھنے کی کوشش کرتا تھا۔

جنت بی بی شوگر اور دل کے عارضہ میں مبتلا ہو کر بستر سے جا لگی تھی۔وہ اچھی بھلی ہوتی تھی اور دوسرے پل وہ جیسے موت کے کنارے جا لگی ہو' کہ حویلی میں ایک ہلچل سی برپا ہو جاتی تھی۔جنت بی بی کے لئے میر تاج نے ایک ملازمہ دن رات مامور کی ہوئی تھی جو اُس کی دیکھ بھال اور خدمت کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتی تھی۔

میر تاج کی حویلی کی بلندی اتنی تھی کہ وہ دور سے ہی دکھائی دینے لگتی تھی۔اُس کے آس پاس کے گھر بونے لگتے تھے۔تانگے میں براجمان میر تاج کی نگاہ جیسے ہی اپنی حویلی پر پڑی اُس کی گردن اور بھی اکڑ گئی' اُس نے خوش ہو کر اپنی مونچھوں کو تاؤ دیا اور لالو کی طرف دیکھ کر بولا۔

''اوئے......لالو روز کتنے چکر لگاتا ہے اِدھر سے اُدھر تک؟''

''جی چوہدری صاحب یہ تو سواری کے آنے اور جانے پر ہے۔''لالو نے میر تاج کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔اس کے لہجے میں ایسی عاجزی تھی جیسی کسی حاکم وقت کے سامنے عام آدمی کی ہو۔

''پھر بھی......ایک دو' چار کتنے؟''میر تاج نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

استفسار کیا۔اُس کے ہاتھ کی اُنگلیاں اپنی مونچھوں کو تاؤ بھی دے رہی تھیں۔

''کبھی دو لگ جاتے ہیں اور کبھی اس سے زیادہ بھی چکر لگ جاتے ہیں چوہدری صاحب۔''لالو کی نگاہیں سامنے تھیں۔

میر تاج نے اپنی چھاتی پھیلاتے ہوئے پوچھا۔''جب بھی تُو اِدھر سے گزرتا ہوگا حویلی پر تو تیری نظر دور سے ہی پڑ جاتی ہوگی؟''

''چوہدری صاحب آپ کی حویلی بھی تو اس گاؤں کی سب سے اُونچی چیز ہے۔کون ہے جی جس کی نظر سب سے پہلے حویلی پر نہیں پڑتی۔کسی دوسری جگہ سے اس گاؤں میں کوئی مہمان آئے تو وہ حویلی کو دیکھتے ہی پوچھتا ہے کہ یہ کس کی حویلی ہے۔''لالو نے کہتے ہوئے اپنی نگاہیں سامنے ہی رکھی تھیں۔اُس نے ایک بار بھی میر تاج کی طرف نہیں دیکھا تھا جیسے دیکھنے سے اُس سے ایسی گستاخی ہوجائے گی کہ جس کی سزا اُسے پھر کچھ بھی دیکھنے سے محروم کردے گی۔

میر تاج اُس کی بات سن کر ہنسا اور بولا۔''او......دیتو سُنی تُو نے لالو کی بات؟''

''ہاں جی سنی ہے۔لالو ٹھیک کہہ رہا ہے۔اپنے غلام نبی کے گھر جب شہر سے مہمان آئے تھے تو اُنہوں نے مجھ سے پوچھا تھا کہ یہ محل کس کا ہے۔''دیتو نے تعریف میں اپنی طرف سے جھوٹ کی آمیزش کرتے ہوئے اپنے دانت نکالے۔وہ ایسی باتیں اپنی طرف سے موقع محل کے مطابق شامل کرلیا کرتا تھا۔

دیتو کی بات سن کر میر تاج کی ہنسی میں تمکنت عیاں تھی۔اُس کے چہرے سے لگ رہا تھا جیسے وہ ان دونوں کی باتوں کا چپ کرکے مزہ لے رہا ہے۔

''چوہدری صاحب......''اچانک لالو نے ہولے سے کہا۔

''کیا بات ہے لالو۔''میر تاج نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔جب سے آپ میرے تانگے پر بیٹھے ہیں ایک سوال کسی کیڑے کی طرح میرے جسم میں چلتا ہی جارہا ہے۔''لالو نے اُسی عاجزی سے کہا۔

''پوچھ کیا پوچھنا چاہتا ہے لالو۔''میر تاج نے یوں کہا جیسے وہ اپنے دربار میں آئے کسی سوالی کو فراخ دلی سے کچھ بھی کہنے اور پوچھنے کی اجازت دے رہا ہو۔

لالو نے ایک بار اپنا گلا صاف کیا اور پوچھا۔''چوہدری صاحب آپ شہر سے آئے اور اپنی جیپ سے نکل کر میرے تانگے میں سوار ہوگئے۔مجھے یہ بات سمجھ نہیں آئی۔''لالو نے اپنی دانست کے مطابق معصومیت سے سوال تو کرلیا تھا لیکن لگتا تھا جیسے وہ سوال کرکے ڈر رہا ہو کہ میر تاج کہیں اُس کے لات رسید کرکے تانگے سے نیچے ہی نہ گرا دے کہ تم کون ہوتے ہو یہ پوچھنے والے'میری مرضی میں اپنی جیپ سے اُتر کر پیدل چل پڑوں یا تمہارے تانگے میں سوار ہوجاؤں۔

لالو کی سوچ کے برعکس میر تاج ہنسا اور پھر بولا۔''شہر سے آئے تو تیرا تانگہ کھڑا نظر آیا۔میں نے دیتو سے کہا کہ چل آج تانگے میں بیٹھ کر حویلی تک جاتے ہیں۔ہفتے گزر گئے تانگے میں بیٹھے ہی نہیں۔''میر تاج نے جواب دینے کے بعد خاموش لالو کی طرف دیکھ کر پوچھا۔''کچھ اور پوچھنا ہے تو پوچھ لے۔آج تیرا چوہدری بہت خوش ہے۔''

''نہیں چوہدری صاحب۔''لالو نے پھر عاجزی سے جواب دیا۔

تانگہ بھاگتا ہوا میر تاج کی حویلی کے بڑے لکڑی کے گیٹ کے سامنے رک گیا۔میر تاج تانگے سے نیچے اُترا اُس نے دائیں بائیں دیکھا اور بے نیازی سے دیتو سے بولا۔''دیتو......لالو کو کچھ دے دینا۔''

میر تاج حویلی کے اندر چلا گیا۔لکڑی کا بڑا گیٹ عبور کرتے ہی وسیع جگہ تھی۔ایک طرف دائیں بائیں کرسیوں کی قطار کے سرے پر بڑی چارپائی بچھی ہوئی تھی جس پر گاؤ تکیے پڑے تھے۔یہاں وہ لوگ آتے تھے جو میر تاج کے بہت ہی خاص لوگ ہوتے تھے۔جن کا شمار اُس کے دوستوں میں تھا۔گاؤں کے مسئلے مسائل اور پنچائیت کے لئے الگ ڈیرہ تھا۔

سامنے حویلی کا مین دروازہ تھا۔ملازموں کی فوج حویلی کے باہر اور اندر ہر وقت رہتی تھی۔میر تاج جیسے ہی مین دروازہ عبور کرکے اندر گیا'منظور احمد ایک طرف سے آتا ہوا بولا۔

''ابا جی آپ لالو کے تانگے میں بیٹھ کر آرہے تھے؟''

''تجھے کیسے پتہ چلا۔''میر تاج نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"میں نے اوپر سے دیکھا تھا۔آپ اُس کمی کمین کے تانگے میں کیوں آئے ہیں۔ جیپ خراب ہوگئی تھی تو ڈرائیور کو وہاں سے بھجوا دیتے۔دوسری گاڑی آپ کو لینے کے لئے چلی جاتی۔"منظور احمد کو اچھا نہیں لگا تھا کہ میر تاج وہاں سے حویلی تک لالو کے تانگے میں بیٹھ کر آیا ہے۔

"پتر جی کبھی کبھی بندے کو وہ بھی کر لینا چاہئے جو اس کا دل کہے۔میرا دل چاہا اور میں جیپ سے اُتر کر تانگے میں بیٹھ گیا۔رہی لالو کی بات تو وہ میرے پیروں میں بیٹھ کر تانگہ چلا رہا تھا۔"میر تاج نے کہا۔

"اماں کی طبیعت پھر خراب ہوگئی ہے۔"منظور احمد نے بتایا۔

میر تاج نے رک کر اُس کی طرف دیکھا اور تشویش سے پوچھا۔"ڈاکٹر کو بلایا۔"

"ابھی ابھی دیکھ کر گیا ہے۔کہتا ہے کہ شوگر بہت بڑھ گئی ہے۔ابا جی کیا خیال ہے اماں کو شہر ہسپتال میں نہ لے جائیں۔"منظور احمد نے سوالیہ نگاہوں سے میر تاج کی طرف دیکھا۔

"تیری ماں جتنی بار بھی ہسپتال گئی ہے وہ ہم سب کی زبردستی سے گئی ہے۔ورنہ وہ کسی ہسپتال میں جانا ہی نہیں چاہتی۔تم سب پھر ایک کوشش کر کے دیکھ لو۔"میر تاج نے کہا۔

"ہم سب کہہ رہے ہیں لیکن وہ مان نہیں رہی ہیں۔"منظور احمد نے کہا۔

"آؤ دیکھتے ہیں۔"میر تاج نے کہا اور وہ اُس کے ساتھ اُس کمرے میں چلا گیا جہاں جنت بی بی بستر پر لیٹی ہوئی تھی۔اُس کے پاس شیر دل اور یاور حیات بیٹھے تھے۔میر تاج کو دیکھ کر وہ اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔میر تاج نے پاس جا کر جنت بی بی کو دیکھا اور پھر اپنے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ سجا کر بولا۔"مجھے تو یہ اچھی بھلی لگ رہی ہے۔بیمار تو کہیں سے لگ ہی نہیں رہی ہے۔"

جنت بی بی نے میر تاج کی آواز سنی تو اس کی طرف دیکھا اور اپنی لاغر آواز میں بولی۔"آپ کب آئے؟"

"ابھی آیا ہوں۔"میر تاج کہتے ہوئے پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گیا۔اُس کے

تینوں بیٹے میر تاج کے پیچھے کھڑے تھے۔

"اچھا ہوا کہ آپ آگئے ۔مجھے لگتا ہے کہ میں اَب زیادہ دن جی نہیں سکوں گی۔"جنت بی بی نے کہا۔اُس کی آنکھوں میں اُداسی آگئی تھی۔

"مجھے لگتا ہے کہ تمہارے جینے کے دن اَب شروع ہو رہے ہیں۔"میر تاج نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے حوصلہ دینے کے انداز میں کہا۔

جنت بی بی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد پھر میر تاج کی طرف دیکھا اور کہا۔"میں ایک ضروری بات کرنا چاہتی ہوں۔"

"ہاں کرو۔"میر تاج نے جلدی سے کہا۔

جنت بی بی نے منظور احمد کی طرف دیکھا اور پھر اپنی نگاہیں میر تاج کے چہرے پر جماتے ہوئے بولی۔"میں چاہتی ہوں کہ منظور احمد کی شادی ہو جائے۔"

"پتر کے سر پر سہرا سجا دیکھنا چاہتی ہو تو سجاؤ کس نے روکا ہے۔"میر تاج نے مسکراتے ہوئے کہا۔منظور احمد کے ساتھ ساتھ فرزند علی اور یاور حیات بھی ہولے سے مسکرائے

"منظور......میرے پاس آؤ۔"جنت بی بی نے کہا اور منظور احمد جلدی سے جنت بی بی کے قدموں کی طرف چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"جی حکم اماں۔"منظور احمد نے سعادت مندی سے کہا۔

"کرے گا شادی؟"جنت بی بی نے پوچھا۔

منظور احمد مسکرا کر بولا۔"جیسے آپ کا حکم۔"

"میری بات مانے گا۔جہاں میں کہوں گی وہاں شادی کرنے سے انکار تو نہیں کرے گا؟"جنت بی بی اُس کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

میر تاج فوراً بولا۔"یہ انکار کرے گا تو حویلی کے دروازے اس کے لئے بند نہیں ہو جائیں گے۔"

"آپ کی بات کا انکار نہیں کروں گا۔جہاں کہیں گی وہاں رضا مندی ہوگی اماں۔"منظور احمد نے کہا۔"لیکن ابھی آپ چنگی بھلی ہو جائیں پھر شادی بیاہ کی بات بھی کرلیں گے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم وعدہ کرو کہ تم اُسی لڑکی سے شادی کرو گے جہاں میں تجھے شادی کے لئے کہوں گی۔" جنت بی بی اُس کی بات نظر انداز کرتی ہوئی بولی۔

منظور احمد اپنے بھائیوں اور پھر باپ کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔ "اماں تو ضد میں ہی پڑ گئی ہیں۔ اماں وعدہ جہاں کہے گی وہاں شادی کرلوں گا۔"

"سن رہے ہیں آپ؟" جنت بی بی نے اپنی نگاہیں گھما کر میر تاج کے چہرے پر مرکوز کردیں۔

"ہاں......ہاں سن رہا ہوں۔" میر تاج نے کہا۔

"منظور احمد......"

"جی اماں۔"

"تُو سکھاں سے شادی کرے گا۔" جنت بی بی نے اپنا فیصلہ سنا دیا۔ سکھاں کا نام سن کر منظور احمد کے چہرے پر یکدم متانت عود کر آگئی۔ میر تاج بھی چپ ہوگیا جبکہ اُس کے بھائی بھی ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔ منظور احمد نے اپنی ماں کا چہرہ کچھ دیر دیکھا اور پھر اُس جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔ سکھاں کا نام سن کر اُس کے چہرے سے لگتا تھا جیسے منہ میں کڑوی گولی آگئی ہے اور لاکھ کوشش کے باوجود اپنے چہرے کے تغیر سے یہ بات چھپا نہیں سکا ہے۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔ جبکہ جنت بی بی کی نگاہیں منظور احمد کے چہرے پر تھیں۔

✿✪✿

جنت بی بی کا ایک ہی بھائی تھا۔

گاؤں میں اُس کی تھوڑی سی زمین تھی۔ چھوٹا سا گھر تھا۔ جہاں وہ اپنی بیوی اور بیٹی سکھاں کے ساتھ رہتا تھا۔ ایک دن وہ کام کے سلسلے میں شہر گیا تو ویگن کی زد میں آکر جان بحق ہوگیا۔ اُس کی بیوی نے اپنے شوہر کی ناگہانی وفات کو اس قدر اپنے دل سے لگایا کہ وہ بھی تین ماہ کے اندر سکھاں کو دنیا میں اکیلی چھوڑ کر چل بسی۔

اسی گاؤں میں سکھاں کا ایک تایا رہتا تھا۔ وہ سکھاں کو اپنے گھر لے گیا۔ اُس نے سکھاں کو اپنے گھر میں بہت اچھی طرح سے رکھا' اُس کے گھر والوں کا سلوک بھی سکھاں کے ساتھ بہت ہی اچھا تھا۔ سکھاں کا تایا اندر ہی اندر سکھاں کے باپ کی

زمین اور اُس کے مکان کو اپنے نام کروانے کی کوشش میں تھا۔ جیسے ہی وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوا اُس کی ہی نہیں اُس کے گھر والوں کی نگاہیں بھی سکھاں سے ایسے پھر گئیں کہ جیسے وہ سکھاں کو خرید کر لائے ہوں۔ اُن سب کا سلوک سکھاں کے ساتھ مالک اور ملازمہ والا ہوگیا تھا۔

سکھاں عجیب لڑکی تھی۔ وہ شروع سے ہی کم گو تھی۔ صابر تھی۔ اپنے اندر کی کیفیت کو اپنے چہرے سے کرب کی خفیف سلوٹ سے بھی عیاں نہیں ہونے دیتی تھی۔ کوئی بھی تکلیف پہنچتی تو اُسے اندر ہی اندر برداشت کرتی تھی۔ اور معصومیت کا پیکر بنی رہتی تھی۔ وہ بہت خوبصورت نہیں تھی لیکن اس کے چہرے کی معصومیت میں عجیب کشش تھی۔

جنت بی بی کو سکھاں کے بارے میں علم نہیں تھا کہ اُس کے تایا نے سکھاں کو اپنے گھر میں کس حال میں رکھا ہوا ہے۔ سکھاں کا تایا اور اُس کے گھر والوں کو سکھاں کی صورت میں ملازمہ مل گئی تھی' جس نے باورچی خانے کا سارا کام سنبھالا ہوا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں ذائقہ تھا۔ وہ پکانا جانتی تھی۔ گھر کے تمام افراد کے منہ کو سکھاں کے ہاتھ کا ذائقہ لگ گیا تھا۔

سکھاں کے ننھیال والے ساتھ والے گاؤں میں رہتے تھے۔ وہ زمیندار اور سیاسی لوگ تھے اُنہیں اپنے ہی کاموں سے فرصت نہیں تھی اُن کے لئے سکھاں کا وجود ہونا یا نہ ہونا ایک ہی برابر تھا۔ ایک جنت بی بی ہی تھی جو سکھاں کے لئے اپنے دل میں تڑپ رکھتی تھی۔ اور چاہتی تھی کہ وہ اس کی حویلی میں آکر رہے۔

سکھاں کو اپنی حویلی میں ہمیشہ کے لئے لانے کا جنت بی بی کے پاس ایک یہ راستہ تھا کہ وہ اُسے بیاہ کر اپنی حویلی میں لے آئے۔ جہاں اُسے سکھ بھی ملے اور منظور احمد کی صورت میں شوہر بھی مل جائے۔ اُسے اپنی زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ اُس کی سانسوں کی لڑی ٹوٹنے سے پہلے سکھاں بہو کی شکل میں اس کی حویلی میں آجائے۔ اسی لئے جنت بی بی نے سکھاں کی بات کرنے میں کسی تغافل سے کام نہیں لیا تھا۔

جنت بی بی بات کرنے کے بعد منظور احمد کا چہرہ تک رہی تھی۔ اُس کی آنکھوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ایک مضطرب سی کیفیت تھی جو جواب جاننے کی بے چینی میں ہوتی ہے۔منظور احمد چپ کھڑا تھا۔ماں کی بیماری کا بھی احساس تھا اور سکھاں کو نہ اپنانے کا جواب بھی زبان کی نوک پر پھڑ پھڑاتے پرندے کی طرح تھا۔

جب منظور احمد کچھ نہ بولا تو جنت بی بی نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"کیا بات ہے فرزند تم چپ کیوں ہو گئے ہو۔"

منظور احمد نے چونک کر اپنی ماں کی طرف دیکھا اور کوئی جواب نہ پا کر بولا۔

"میں سوچ رہا ہوں اماں۔"

"میری کہی ہوئی بات پر تو سوچے گا؟" جنت بی بی نے سوالیہ انداز میں اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"تم نے میرے ساتھ وعدہ کیا ہے۔"

"منظور انکار نہیں کرے گا۔" یکدم میر تاج بولا۔منظور احمد نے چونک کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔میر تاج نے اُٹھ کر منظور احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اُسے دبایا اور جنت بی بی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"ویسا ہی ہوگا جیسا تم چاہو گی۔"

میر تاج کی بات سن کر جنت بی بی کے چہرے پر پہلی بار مسکراہٹ عیاں ہو گئی اور اُس نے کہا۔"تو پھر آپ شادی کی تیاری کریں۔میں جلدی ہی سکھاں کو بیاہ کر اس حویلی میں لانا چاہتی ہوں۔"

❀✪❀

منظور احمد کا منہ بنا ہوا تھا۔وہ ہی کیا گاؤں کے بہت سے لوگ جانتے تھے کہ سکھاں اپنے تایا کے گھر میں ایک ملازمہ کی حیثیت سے بڑھ کر نہیں ہے۔اُس کے تایا کی بیوی اور بچے اُسے ایسے ہی بلاتے ہیں جیسے کسی کمین کو بلایا جاتا ہے۔یہ بات اُنہوں نے جنت بی بی سے اس لئے مخفی رکھی تھی تاکہ وہ اس کے غم میں اور بیمار نہ ہو جائے۔منظور احمد سوچ رہا تھا کہ وہ ایک ایسی لڑکی کا خاوند بنے گا جو اُس کی اپنی حویلی میں کام کرنے والی ملازمہ سے زیادہ نہیں ہے۔

منظور احمد اُس وقت حویلی کے باہر اُس جگہ بیٹھا ہوا تھا جہاں میر تاج اپنے دوستوں کے ساتھ محفل جماتا تھا۔میر تاج اپنے دونوں بیٹوں کے ساتھ اُس کے پاس آ گیا اور وہ تینوں اُس کے پاس ہی بیٹھ گئے۔

"کیا سوچ رہا ہے منظور احمد؟" میر تاج نے منظور احمد کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

منظور احمد نے میر تاج کی طرف دیکھا اور کہا۔"آپ جانتے ہیں کہ میں کیا سوچ رہا ہوں۔"

"سوچنا چھوڑ دے۔پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" میر تاج نے لاپروائی سے کہا۔

"یہ آپ کہہ رہے ہیں ابا جی۔اَب ایک ایسی لڑکی اس حویلی میں آ کر آپ کی بہو کہلائے گی جو ہماری ایک ملازمہ جیسی ہے۔جس کی حیثیت کچھ نہیں ہے۔" منظور احمد کے لہجے میں غصہ تھا۔لیکن باپ کے سامنے بات کرتے ہوئے اُس کی کوشش تھی کہ اس کے غصے کی وجہ سے اُس کی آواز اُونچی نہ ہو۔

میر تاج نے فرزند علی اور یاور حیات کی طرف دیکھا اور کہا۔"اسے سمجھاؤ اوئے۔یہ ایسا نہ سوچے۔"

"ہم کیا سمجھائیں ابا جی۔اماں کا یہ فیصلہ مناسب نہیں ہے۔" فرزند علی نے کہا۔

"او پترو......تمہاری اماں دل کی مریضہ ہے۔اُس کی بات کو رَد مت کرو۔منظور احمد تم چپ چاپ سکھاں سے شادی کر لو۔" میر تاج کے چہرے پر کوئی فکرمندی نہیں تھی۔

"ابا جی میں سکھاں سے شادی نہیں کروں گا۔" منظور احمد نے دوٹوک کہہ دیا۔

"یہ بات تم اپنی اماں سے کہہ سکو گے؟" میر تاج نے اپنی گردن آگے بڑھا کر منظور احمد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

منظور احمد چپ ہو گیا۔وہ جانتا تھا کہ وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔اماں کو انکار کرنے کی کسی میں بھی جرأت نہیں تھی۔جب وہ چپ رہا تو میر تاج نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔"تم تینوں اپنی اماں کی بات کا انکار نہیں کر پاؤ گے۔اور میں بھی یہی چاہتا ہوں کہ تم انکار مت کرو۔اور یہ بات یاد رکھو کہ تم نے اپنی ماں کی خواہش کو پورا کرنا ہے۔تم زمینوں کے مالک ہو دولت کی کمی نہیں ہے۔ایک شادی اگر تم اپنی ماں کی مرضی سے کر لو گے تو قیامت نہیں آ جائے گی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا مطلب ہے آپ کا؟" منظور احمد نے میر تاج کی طرف دیکھا۔

"مطلب صاف ہے ۔ایک شادی ماں کی مرضی سے کرلو...... تین بھلے تم اپنی مرضی سے کرلینا۔" میر تاج نے کہا اور اُس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا۔

منظور احمد نے میر تاج کی طرف دیکھا اور پھر اُس کی نگاہیں اپنے بھائیوں کی طرف چلی گئیں۔اُس کے بھائیوں نے بھی اشارہ کیا کہ وہ ویسا ہی کرے جیسے اماں اور ابا جی کہتے ہیں۔منظور احمد نے بھی سوچا کہ اماں کی بات مان لینے بھی کوئی حرج نہیں ہے۔موقعہ ملتے ہی وہ وہی کرے گا جو اُس کی مرضی ہوگی۔

❀✪❀

سکھاں کے رشتے کی بات کرنے کے لئے جب میر تاج اپنے بیٹے فرزند علی کے ساتھ اُس کے تایا کے گھر پہنچا تو وہ یہ بات سنتے ہی اُنگشت بدنداں رہ گیا۔اُس نے تو کبھی کسی فضول سے خیال میں بھی یہ نہیں سوچا تھا کہ میر تاج اپنے بیٹے کے لئے سکھاں کا رشتہ مانگے گا۔

اُس کے سامنے اپنی ٹانگ پر دوسری ٹانگ جمائے ایک ہاتھ سے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتا ہوا میر تاج براجمان تھا،اُس کے ساتھ فرزند علی بیٹھا تھا جبکہ اُن کے سامنے سکھاں کا تایا اور تائی بیٹھے ہوئے تھے۔میر تاج کی شخصیت کا رعب سکھاں کے تایا کی زبان کو جیسے الفاظ سے محروم کررہا تھا۔وہ کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اُس کی زبان ساتھ ہی نہیں دے رہی تھی۔

سکھاں کے تایا نے ہمت کرکے کہا۔"ہم سوچ کر آپ کو بتاتے ہیں۔"

"کیا سوچ کر بتاتے ہو؟" میر تاج نے اُس کے چہرے پر اپنی آنکھیں جماتے ہوئے پوچھا۔

"آپ نے جو ابھی بات کی ہے اس کے بارے میں سوچ کر ہم آپ کو بتاتے ہیں۔کل بتادیں گے۔" سکھاں کے تایا نے وضاحت کی۔

"ہاں کل ہم بتادیں گے۔" سکھاں کی تائی نے بھی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بات میں لقمہ دیا۔وہ ایک منہ پھٹ عورت تھی جو غصے میں سامنے والے کو بھول جاتی تھی۔

"میں تم دونوں کی نہ یا ہاں سننے کے لئے یہاں نہیں آیا۔نہ ہی میں نے تم سے سکھاں کا رشتہ اپنے بیٹے کے لئے مانگا ہے۔بلکہ تم دونوں کو آگاہ کیا ہے کہ سکھاں کی پھوپھی نے یہ فیصلہ کیا ہے سکھاں اس کی حویلی میں اُس کی بہو بن کر جارہی ہے۔ہم کب بارات لے کر آرہے ہیں یہ ہم ایک دو دن میں بتادیں گے۔" میر تاج نے ایک ایک لفظ کو دبا کر ادا کرتے ہوئے کہا۔

میر تاج کے لہجے کا تغیر دیکھ کر دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور سکھاں کا تایا اٹکتے ہوئے بولا۔"آپ یہ بھول رہے ہیں کہ وہ میری بھتیجی ہے۔میں اس کا تایا ہوں اور وہ بھی سگا۔"

اُس کی بات سن کر میر تاج کو غصہ آگیا۔ایسی بات سننے کی اُسے عادت نہیں تھی۔وہ تو اپنے سامنے اثبات میں ہلتی گردن دیکھنے کا عادی تھا'ہاں جی' سننے کے لئے ہی اُس کے کان تھے۔

میر تاج نے فرزند علی سے کہا۔"فرزند علی......باہر کھڑے آدمی کو حویلی بھیجو اور اُسے کہو کہ وہ تمہاری ماں اور منظور احمد کو لے کر آجائے۔نکاح ابھی ہوگا۔مولوی کو بھی بلالو۔"

فرزند علی سنتے ہی اپنی جگہ سے اُٹھا اور باہر نکل گیا۔دونوں میاں بیوی نے ایک دوسرے کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھا اور پھر سکھاں کا تایا بولا۔"یہ آپ کیا کررہے ہیں؟"

"کیا کررہا ہوں؟" میر تاج نے اُس کی طرف آنکھیں نکال کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اس طرح کیسے نکاح ہوسکتا ہے۔" سکھاں کے تایا نے کہا۔

"ابھی تُو دیکھے گا کہ کیسے نکاح ہوسکتا ہے۔" میر تاج نے اطمینان سے کہا۔

سکھاں کی تائی یکدم اُٹھ کھڑی ہوئی اور غصے سے بولی۔"سکھاں کا نکاح منظور احمد سے نہیں ہوگا۔ہم انکار کرتے ہیں۔"

میر تاج نے سکھاں کی تائی کی طرف دیکھا اور اطمینان سے سکھاں کے تائے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"اپنی گھر والی سے کہہ کہ میرے سامنے اتنی اونچی آواز میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات نہ کرے۔عورت کو میں اپنے پاؤں کے نیچے روند کر چلنے کا عادی ہوں۔"

"تُو چپ کر۔" سکھاں کے تایا نے اپنی بیوی سے کہا۔وہ میر تاج کا لب ولہجہ دیکھ کر ڈر گیا تھا۔لیکن اُس کی بیوی غصے میں تھی اور میر تاج کے غصے کی پروا کئے بغیر تیز لہجے میں بولی۔

"اگر عورت کو پاؤں تلے روند کے چلتے ہو تو اپنی بیوی کا فیصلہ لے کر ہمارے پاس بھیک مانگنے کیوں آ گئے ہو؟ اُسے یہ کیوں نہیں کہا میں اپنی بہو ایک نوکرانی کو نہیں بناؤں گا۔"

سکھاں کا تایا ششدر اپنی بیوی کا منہ دیکھے جا رہا تھا۔وہ چرب زبان تھی۔کسی کی پروا نہیں کرتی تھی' یہ اُس کا خاوند جانتا تھا لیکن وہ میر تاج کے سامنے بھی اسی طرح بول دے گی اس کی اُسے اُمید نہیں تھی۔وہ اس کی بات سن کر خوف سے کانپ کر رہ گیا تھا۔

میر تاج چاہتا تو اسی وقت اپنا بھاری بھرکم ہاتھ گھماتا اور سکھاں کی تائی کے منہ پر مار دیتا۔وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور سکھاں کی تائی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دانت پیس کر بولا۔"ایک جنت بی بی ہی ہے جس کی کبھی میں نے کوئی بات ماننے سے انکار نہیں کیا۔وہ سکھاں سے بھی کمتر لڑکی سے شادی کے لئے کہتی تو تب بھی میں اُس کی بات کا انکار نہ کرتا۔" پھر وہ سکھاں کے تایا کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔"تمہاری بیوی نے میرے سامنے زبان دراز کی ہے۔اس کی سزا اسے تیری گردن کٹ جانے کی شکل میں نہ مل جائے۔"

میر تاج کے کہنے کا انداز ایسا زہریلا تھا کہ سکھاں کا تایا تو ڈر کر سانس لینا بھی بھول گیا تھا' اُس کی بیوی کی آنکھیں بھی خوف سے اُبل پڑی تھیں۔میر تاج کی آنکھوں میں وحشت اُتر آئی تھی۔سکھاں کے تایا کی بیوی کو پہلی بار احساس ہوا کہ اُس نے غصے اور جذبات میں آ کر جو بھی بولا ہے' اس کا نتیجہ خطرناک بھی ہو سکتا ہے۔دوسروں کے ساتھ اسی لب ولہجے میں بات کرنے کی عادت نے اُسے یہ بھلا دیا تھا کہ اُس کے سامنے کون کھڑا ہے۔

میر تاج نے پھر کہا۔"میں سوچ کر کچھ اور آیا تھا لیکن اَب مجھے اپنی سوچ بدلنی

پڑی ہے۔"

اسی اثنا میں فرزند علی اندر آ گیا۔اُس نے میر تاج کو اس طرح کھڑے دیکھا تو پوچھا۔"کیا ہوا ہے ابا جی؟"

میر تاج کی زہر آلود نگاہیں سکھاں کی تائی کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور اُس نے پوچھا۔"شیر دل......خالی ہاتھ ہے کہ تیرے پاس کچھ ہے۔"

فرزند علی نے ایک نظر سکھاں کے تایا اور پھر تائی کی طرف دیکھ کر اپنے کندھے پر رکھی چادر کے نیچے سے ریوالور نکال کر میر تاج کی طرف بڑھا دیا۔ریوالور دیکھ کر سکھاں کی تائی اور تایا کی سانس گلے میں ہی پھنس گئی تھی۔خوف سے اُن کا جسم کانپنے لگا تھا۔میر تاج کی نگاہیں بدستور اُسی کے چہرے پر تھیں۔اُس نے فرزند علی کی طرف دیکھے بغیر اپنا ہاتھ بڑھا کر ریوالور پکڑا اور سکھاں کے تایا کے ماتھے پر رکھ دیا۔

سکھاں کے تایا کے جسم میں جیسے رعشہ اُتر آیا ہو۔خوف اُس کے چہرے سے مترشح ہونے لگا تھا۔میر تاج کی اُنگلی ریوالور کے گھوڑے پر جم گئی تھی۔شیر دل چپ کھڑا سب دیکھ رہا تھا۔سکھاں کی تائی یکدم آگے بڑھی اور اپنے دونوں ہاتھ میر تاج کے سامنے جوڑ کر رونے والے انداز میں بولی۔

"مجھے معاف کر دیں......مجھے معاف کر دیں......مجھ سے غلطی ہو گئی۔جو آپ کہیں گے ہم ویسا ہی کریں گے۔اس کی جان بخش دیں......ہمیں معاف کر دیں......اسے کچھ نہ کہیں......"

سکھاں کی تائی ہاتھ جوڑے جیسے دیوانگی کے عالم میں کہہ رہی تھی۔میر تاج نے ریوالور اُس کے ماتھے سے الگ کیا اور بولا۔"بھیک مانگنا اسے کہتے ہیں۔میر تاج کو چھیننے کی عادت ہے۔جا تیرے گھر والے کی جان بھیک میں تجھے دی۔"

میر تاج نے ریوالور فرزند علی کو واپس کر دیا۔دونوں میاں بیوی سہم کر ایک طرف کھڑے ہو گئے۔میر تاج اپنی جگہ پر پھر اُسی انداز میں بیٹھ گیا۔اور اُن دونوں سے بولا۔"جب تک میں نہ کہوں تم دونوں کو اپنے ہی گھر میں بیٹھنے کی اجازت نہیں ہے سمجھے۔"

دونوں نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جب جنت بی بی منظور احمد، یاور حیات اور دوسرے ملازمین کے ساتھ سکھاں کے تایا کے گھر آئی تو وہ بہت خوش دکھائی دے رہی تھی۔لگتا تھا جیسے اُس کی بیماری ختم ہوگئی ہے۔دوسرے کمرے میں وہ سکھاں کو اپنے گلے لگا کرلی۔اور اُسے اپنے پاس بیٹھا لیا۔سکھاں نے سب کچھ دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو کر سنا تھا۔

منظور احمد نے متحیر ہو کر میر تاج سے پوچھا۔"یہ کیا......آپ بات کرنے کے لئے آئے تھے اور نکاح کر کے لے جا رہے ہیں۔"

"میر تاج کو اس بات سے ضد ہو جاتی ہے جب کوئی اُسے چیلنج کرتا ہے۔" میر تاج نے کہا۔وہ دونوں میاں بیوی اسی جگہ کھڑے تھے۔سکھاں کی تائی کا سارا جوش معدوم ہو گیا تھا۔اور وہ بھیگی ہوئی چڑیا کی طرح کھڑی تھی۔

کچھ دیر کے بعد منظور احمد اور سکھاں کا نکاح ہو گیا۔منظور احمد نے بے دلی سے نکاح کے الفاظ ادا کئے تھے۔سکھاں کی تائی اور تایا نے میر تاج کے کہنے پر سکھاں کو اپنے گھر سے رخصت کیا اور یوں سکھاں...... جنت بی بی کی بہو بن گئی۔

❀✪❀

سکھاں کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ وہ میر تاج کی حویلی میں بہو کی حیثیت سے جائے گی۔اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔وہ سوچتی تھی کہ اس بات پر وہ خوشی سے روئے یا چیخ چیخ کر سارے گاؤں کو بتائے کہ جسے اپنے سگے تایا اور تائی کی نوکرانی کہا جاتا تھا وہ اس گاؤں کے سب سے بڑے گھرانے اور طاقت ور لوگوں کی بہو بن گئی ہے۔اُسے اپنے ماں باپ کی وفات کے بعد پہلی بار اپنی زندگی پر اپنے آپ پر رشک آیا تھا۔وہ جتنی خوش تھی اس سے بھی کہیں زیادہ خوشی سے سرشار جنت بی بی تھی۔

میر تاج کی حویلی میں آئے سکھاں کو چار دن ہو گئے تھے لیکن اُسے لگنے لگا تھا جیسے وہ بیاہ کر اس حویلی میں نہیں آئی ہے بلکہ وہ اپنے تایا کے گھر سے یہاں منتقل ہوئی ہے۔فرق اتنا تھا کہ اُسے اس حویلی میں کوئی کام کرنا نہیں پڑتا تھا۔وہ خود کسی بھی ملازمہ کو آواز دے کر کوئی کام کہہ سکتی تھی، اپنی مرضی سے سو سکتی تھی، جاگ سکتی تھی، کھا سکتی تھی، اچھا لباس پہن سکتی تھی، لیکن جس کی بیوی بن کر وہ اس حویلی میں آئی تھی اُس

نے ایک بات بھی اُس کے ساتھ نہیں کی تھی۔اُس کی طرف دیکھا بھی نہیں تھا، کوئی کام بھی نہیں کہا تھا، وہ اکیلی کمرے میں سوتی تھی۔اکیلی یا پھر جنت بی بی کے ساتھ کھاتی تھی۔

سکھاں کی خوشی معدوم ہو گئی تھی۔وہ اُداس رہنے لگی تھی۔وہ پہلے ہی کم بولتی تھی اور بھی چپ ہو گئی تھی۔اُسے اس کی قسمت نے منظور احمد کی بیوی کیسے بنا دیا، وہ خود ہی اس بارے میں اپنے آپ سے سوال کرتی رہتی تھی۔جس کا جواب اس کے پاس نہیں تھا۔اُسے کچھ خوف بھی آنے لگا تھا۔اتنی بڑی حویلی میں جنت بی بی کا دم تھا کہ وہ گم ہونے سے بچی ہوئی تھی۔

سکھاں کو اس حویلی میں آئے ساتواں دن تھا۔

جنت بی بی کی طبیعت دوپہر سے پھر خراب ہو گئی تھی۔سب ہی جنت بی بی کے اردگرد ہی رہے تھے۔عشاء کے بعد جنت بی بی کی طبیعت کچھ ٹھیک ہوئی تو ڈاکٹر نے تسلی کا اظہار کیا اور آرام کے لئے نیند کا ایک ٹیکہ لگا دیا۔تب جنت بی بی کے پاس دو ملازمہ کو رہنے کی ہدایت کرنے کے بعد میر تاج بھی باہر نکل گیا، فرزند علی اور یاور حیات بھی ڈیرے کی طرف چلے گئے۔منظور احمد جانے کے لئے دروازے کی طرف بڑھا تو اُس کی نگاہ سکھاں پر پڑی۔

اُس وقت سکھاں عشاء کی نماز سے فارغ ہوئی تھی۔اُس نے اپنا سر اور ماتھا دوپٹے سے ایسے ڈھانپا ہوا تھا کہ خوبصورتی اور کشش اس کے چہرے پر اُتری ہوئی تھی۔اُس کا چہرہ اور بھی معصوم لگ رہا تھا۔اُس نے اپنے ہی دھیان میں جاء نماز ایک طرف رکھا اور اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔منظور احمد نے پہلی بار اتنے غور سے سکھاں کو دیکھا تھا۔اتنی نظر بھر کر پہلے اُس نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔منظور احمد نے ایک نظر باہر جاتے دروازے کی طرف دیکھا......لیکن دوسرے ہی لمحے اُس کے قدم سکھاں کے کمرے کی طرف اُٹھ گئے۔

❀

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دوسرے دن دوپہر کے بعد ایک بار پھر جنت بی بی کی طبیعت بگڑ گئی اور اس بار ڈاکٹر کی مسلسل کوشش کے باوجود اُس کی طبیعت سنبھل نہ سکی تو ڈاکٹر نے مشورہ دیا کہ اَب انہیں شہر ہسپتال لے جائیں۔فوراً جنت بی بی کو ہسپتال لے جانے کے لئے گاڑیاں دروازے کے ساتھ آ لگیں۔لیکن جنت بی بی کے سانس کی لڑی ٹوٹ گئی۔

جنت بی بی کے چلے جانے سے ایک حویلی ہی نہیں پورا گاؤں سوگوار ہوگیا تھا۔پورے گاؤں نے میر تاج کو پہلی بار اتنا غمگین اور افسردہ دیکھا تھا۔جنت بی بی سے میر تاج کتنی محبت کرتا تھا' اس کا اندازہ جنت بی بی کی موت پر ہوا تھا۔یہ غم اور افسردگی کئی دن تک حویلی اور گاؤں میں رہی تھی۔اور پھر رفتہ رفتہ ہر چیز معمول پر آنے لگی تھی۔میر تاج دوستوں کی محفل میں بیٹھنے لگا تھا۔اُس کے بیٹے رات کو ڈیرے پر جانے لگے تھے۔زندگی کی بھاگ دوڑ پھر سے شروع ہوگئی تھی۔

اُس رات میر تاج اپنے تینوں بیٹوں کے ساتھ حویلی کے مخصوص کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔اُن کے ساتھ دیتو بھی تھا۔جو ابھی تازہ چلم بھر کر لایا تھا۔اس کمرے میں صرف دیتو کو ہی آنے جانے کی اجازت تھی۔چلم حقے پر رکھنے کے بعد دیتو جانے لگا تو میر تاج نے اُسے روک لیا۔وہ پاس ہی ایک طرف ہو کے بیٹھ گیا۔

میر تاج نے کہا۔"جنت بی بی سے جب میری شادی ہوئی میری قسمت ہی بدل گئی تھی۔اتنا پیسہ اور زمین مجھے میرے باپ سے نہیں ملی تھی جتنی کہ جنت بی بی کے آنے سے مجھے ملی۔اتنا کچھ ملا۔وہ قسمت کی ملکہ تھی۔میں نے کبھی اُس کی کہی ہوئی کوئی بھی بات نہیں ٹالی' خواہ وہ میرے مزاج کے خلاف ہی کیوں نہ تھی۔اس لئے

میں نے منظور احمد کی شادی بھی سکھاں سے کرنے میں کوئی انکار نہیں کیا۔سچ تو یہ تھا کہ میں بھی نہیں چاہتا تھا کہ منظور احمد کی شادی سکھاں سے ہو۔"میر تاج کہنے کے بعد چپ ہوگیا۔اُس کے تینوں بیٹے خاموش اپنی اپنی جگہ براجمان باپ کی بات سن رہے تھے۔کمرے میں خاموشی چھا گئی۔میر تاج نے حقے کی نَے اپنے منہ میں لے کر دو تین کش لئے اور پھر کہا۔

"اب میں شیر دل اور یاور حیات کی بھی شادیاں کرنا چاہتا ہوں۔بہت جلدی۔اور ساتھ منظور احمد سے یہ بھی کہتا ہوں کہ اَب وہ چاہے تو جہاں اور جس لڑکی پر اُنگلی رکھے گا میں اُس سے شادی کراؤں گا۔"میر تاج نے کچھ توقف کے بعد منظور احمد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"سکھاں کو رکھنا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی......چھوڑ دینا چاہتے ہو تو حویلی سے اُسے جب چاہو باہر کا دروازہ دکھا دو۔"

منظور احمد نے اپنی گردن اُٹھا کر اپنے باپ کی طرف دیکھا۔اور کہا۔"میں سکھاں کو رکھنا نہیں چاہتا ہوں۔"

"نہ رکھو۔جانے دو اُسے۔اُس کے ایک ہاتھ میں طلاق کا کاغذ رکھو اور دوسرے ہاتھ میں کچھ نوٹ دے دو کہ وہ جہاں چاہے چلی جائے۔"میر تاج نے اطمینان سے کہا۔اس وقت میر تاج کا وہ روپ دکھائی دے رہا تھا جو ہمیشہ جنت بی بی سے مخفی رہا تھا۔جس کا کبھی اُس نے جنت بی بی کے سامنے خفیف اظہار بھی نہیں کیا تھا۔لیکن اَب وہ اپنے آپ کو آزاد محسوس کر رہا تھا۔میر تاج نے منظور احمد کی طرف دیکھ کر پوچھا۔"تیرا کیا خیال ہے منظور احمد؟"

"آپ ٹھیک کہہ رہے ہیں ابا جی۔"منظور احمد نے باپ کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"اوئے دیتو۔"میر تاج نے ہولے سے دیتو کو پکارا۔

"جی چوہدری صاحب۔"دیتو نے مستعدی سے اپنی جگہ سے اُٹھ کر میر تاج کے پاس جاتے ہوئے کہا۔

"وکیل صاحب کو فون لگا۔وہ منظور احمد کی طلاق کے کاغذات تیار کر دے۔"میر تاج نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پر چوہدری صاحب......وہ تو اسلام آباد گئے ہوئے ہیں۔اُن کی واپسی پرسوں ہے۔جب وہ تعزیت کے لئے آئے تھے تو اُنہوں نے اپنے جانے اور آنے کی تاریخ بتائی تھی۔" دیتو نے کہا۔

میر تاج اُس کی بات سن کر مسکرایا اور بولا۔"دیتو تیری یہ ہی بات اچھی ہے کہ تُو ہر چیز یاد رکھتا ہے۔کوئی بات نہیں پرسوں تک رک جاتے ہیں۔یاد سے تُو وکیل کو فون کر دینا۔"

"بہت بہتر چوہدری صاحب۔" دیتو نے کہا۔

❀ ✪ ❀

میر تاج صبح کے ساڑے نو بجے اپنے معمول کے مطابق جب دیتو کے ساتھ سیر کر کے واپس آیا تو اُس وقت لیڈی ڈاکٹر حویلی کے مین دروازے سے باہر نکل رہی تھی۔میر تاج نے اُس کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھا اور پھر دیتو سے بولا۔"لیڈی ڈاکٹر صبح صبح حویلی میں کیا کرنے آئی ہے؟"

"ابھی پتہ کرتا ہوں چوہدری صاحب۔" دیتو بھاگ کر اندر چلا گیا اور میر تاج اسی جگہ سے واپس ہو کر باہر ہی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔اُس کے چہرے پر گہری سوچ کے اُتار چڑھاؤ واضح دکھائی دے رہے تھے۔

کچھ ہی دیر کے بعد دیتو بھاگتا ہوا آیا اور میر تاج کے پاس کھڑا ہو کر بولا۔

"سکھاں بی بی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔لیڈی ڈاکٹر صاحبہ آئیں۔اُنہوں نے دیکھا اور کہا ہے گھبرانے کی بات نہیں ہے۔" دیتو کہتے کہتے چپ ہو گیا جبکہ میر تاج اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔وہ پھر بولا۔"لیڈی ڈاکٹر صاحبہ نے کہا ہے کہ سکھاں بی بی ماں بننے والی ہیں۔"

میر تاج کے چہرے پر گہری متانت آ گئی۔دیتو کے بتانے سے پہلے ہی اُس کی سوچ کے تانے بانے اسی جگہ ختم ہوتے تھے۔کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد میر تاج نے کہا۔

"منظور جاگ گیا ہے؟"

"معلوم نہیں چوہدری صاحب۔" دیتو نے کہا۔

"جاؤ دیکھو اور اُسے یہ خبر دے دو۔" میر تاج نے کہا اور اُٹھ کر اندر چلا گیا۔دیتو کے قدم اسی جگہ سے منظور احمد کے کمرے کی طرف اُٹھ گئے۔

منظور احمد جاگ رہا تھا۔اور اپنے کمرے میں لسی کا بڑا گلاس پکڑے پی رہا تھا۔دیتو اجازت ملتے ہی اندر چلا گیا۔

"کیا بات ہے دیتو۔ابا جی نے بھیجا ہے۔کوئی کام ہے؟"

"وہ سکھاں بی بی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی۔" دیتو نے کہا۔

"تو پھر......؟" منظور احمد نے لاپروائی سے کہا اور لسی کا گلاس منہ سے لگا کر باقی لسی اپنے حلق سے نیچے اتارنے لگا۔

"لیڈی ڈاکٹر صاحبہ دیکھنے کے لئے آئی تھیں۔" دیتو نے کہا۔

"مجھے کیوں بتا رہے ہو۔" منظور احمد نے کہا اور خالی گلاس میں جگ سے لسی ڈالنے لگے۔دیتو نے اپنی نگاہیں لسی کی دھار پر رکھتے ہوئے کہا۔

"لیڈی ڈاکٹر صاحبہ کہہ کر گئی ہیں کہ......سکھاں بی بی ماں بننے والی ہیں۔"

منظور احمد نے جیسے ہی سنا اُس نے جگ سیدھا کیا اور دیتو کی طرف دیکھنے لگا۔کچھ دیر اُسے دیکھتے رہنے کے بعد بولا۔"اس خبر کا پتہ ابا جی کو چل گیا ہے؟"

"اُنہوں نے ہی مجھے بھیجا ہے۔" دیتو نے بتایا۔

منظور احمد نے کچھ توقف کیا' سوچا اور لسی کا گلاس منہ سے لگا کر غٹا غٹ پینے کے بعد اطمینان سے کہا۔"تم جاؤ۔"

دیتو کمرے سے باہر نکل گیا۔

❀ ✪ ❀

میر تاج نے منظور احمد کو اپنے کمرے میں بلا لیا۔منظور احمد کے چہرے پر نہ تو اس بات کو سن کر خوشی ہوئی تھی اور نہ ہی کوئی ایسا تاثر اُس کے چہرے سے عیاں ہوتا تھا کہ جس سے یہ پتہ چل سکے کہ بچے کا باپ بننے کی بات سن کر اُس کے اندر ایسا تغیر پیدا ہو گیا ہے کہ سکھاں کے لئے پیار کی بوند اُس کے دل پر ٹپکی ہو۔اُس کا حال اُس پیاسے کی طرح ہی تھا جس نے اپنی پیاس بجھائی اور اپنی راہ چل دیا ہو۔

میر تاج کمرے میں اپنی کرسی پر براجمان تھا۔اُس کے سامنے منظور احمد کھڑا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تو اُس نے کہا۔"بیٹھ جاؤ۔"

منظور احمد ایک طرف بیٹھ گیا۔میر تاج نے اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔"اَب کیا کہتے ہو؟"

"کس بارے میں؟"منظور احمد نے پوچھا۔

"اپنے ہونے والے بچے اور سکھاں کے بارے میں؟"میر تاج نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے وضاحت کی۔

"مجھے ان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"منظور احمد نے دوٹوک کہا۔اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔اُس کا دل کسی بھی احساس سے عاری تھا۔"میں سکھاں کو طلاق دے کر شادی کرنا چاہتا ہوں۔کسی ایسے خاندان میں جو ہماری برابری کا ہو۔اور میری بیوی کے روپ میں آنے والی لڑکی کی کوئی حیثیت ہو۔"

"تمہارا یہی فیصلہ ہے؟"میر تاج نے اُس کی طرف گہری نگاہوں سے دیکھا

"ہاں ابا جی میرا یہی فیصلہ ہے۔مجھے نہ تو سکھاں کی پرواہ ہے اور نہ......کسی اور کی۔"منظور احمد نے کہا۔

میر تاج نے متانت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"مجھے تمہارے فیصلے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔لیکن میری ایک بات مان لو۔"

منظور احمد نے میر تاج کی طرف دیکھا اور پوچھا۔"وہ کیا بات ہے ابا جی؟"

"میں تم تینوں بھائیوں کی شادیاں ایک کے بعد ایک کرنا چاہتا ہوں۔ڈھائی ماہ کے بعد الیکشن ہو رہے ہیں۔ہم اپنے آدمی کی جیت کے لئے مصروف ہو جائیں گے۔شادیاں الیکشن کے بعد ہی ہوں گی۔تب تک سکھاں اسی حویلی میں رہے گی۔"میر تاج نے کہا۔

"وہ کیوں اس حویلی میں رہے گی۔"منظور احمد نے جلدی سے پوچھا۔

میر تاج اپنی جگہ سے اُٹھا تو اس کے ساتھ ہی منظور احمد بھی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔میر تاج نے کہا۔"اس حویلی کو مردوں کی ضرورت ہے۔میری خواہش تھی کہ میری بیٹیوں کی جگہ بھی بیٹے ہوں۔بیٹے طاقت ہوتے ہیں۔سر کا شملہ ہوتے ہیں۔"میر تاج نے کہتے ہوئے اپنی گردن کھڑی کر لی تھی۔"سکھاں تمہارے بچے کو اسی حویلی

میں جنم دے گی۔لڑکا پیدا ہوا تو ہم اُسے اپنی حویلی میں رکھ لیں گے۔لڑکی ہوئی تو سکھاں کے ساتھ وہ بھی اس حویلی کی دہلیز پار کر جائے گی۔"

منظور احمد نے میر تاج کی طرف دیکھا۔کچھ توقف کے بعد میر تاج نے اپنا ہاتھ منظور احمد کے کندھے پر رکھتے ہوئے کہا۔"بیٹا ہماری طاقت ہوگا۔اُسے پالنا مشکل نہیں ہوگا۔وہ تمہارا بیٹا ہوگا۔سکھاں کا نہیں۔ہم سکھاں کو بیٹی تو دے سکتے ہیں لیکن اپنا بیٹا نہیں دے سکتے۔اپنی طاقت اُس کے حوالے نہیں کر سکتے۔"میر تاج کی زبان پر پتھر کے زمانے کی سوچ عود کر آئی تھی۔اور وہ خود بھی کسی پتھر کا بنا ہی لگ رہا تھا۔

منظور احمد سوچنے لگا۔میر تاج ٹھیک کہہ رہا تھا۔بیٹا اس حویلی کی شان ہوگا۔پہلی بار منظور احمد کے دل میں اپنی ہونے والی اُولاد کے لئے احساس کی ایک بوند ٹپکی اور بیٹا ہونے کے خیال نے اُس کی گردن کھڑی کر دی۔اور منظور احمد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

منظور احمد کے بھائیوں نے بھی اپنے باپ کی بات کو سراہا تھا۔سکھاں کو حویلی کے اُس حصے میں منتقل کر دیا تھا جو حویلی سے الگ بنا ہوا تھا۔سکھاں کی دیکھ بھال کے لئے ایک ملازمہ ہر وقت اُس کے ساتھ رہتی تھی۔سکھاں ہر روز منظور احمد کے آنے کی آہٹ کی اُمید سے دن اور رات کو کئی بار دروازے کی طرف دیکھتی تھی کہ شاید ابھی منظور احمد اُس کے پاس آئے'اُس کی طرف مسکرا کر دیکھے'اور اُسے مبارک باد دے۔وہ روز کئی بار اپنے آنسو آنکھوں ہی میں دبا کر رہ جاتی تھی۔منظور احمد کی قربت شاید ایک بار ہی اُس کے نصیب میں تھی'جب اُس نے خیال کیا تھا کہ اَب منظور احمد نے اُسے اپنی بیوی کے روپ میں تسلیم کر لیا ہے۔لیکن یہ محض اس کا خیال تھا۔

میر تاج اور اُس کے بیٹے الیکشن میں مصروف تھے۔رات گئے تک وہ جلسوں میں مصروف رہتے تھے'دن بھر اُن کی حویلی کا بیرونی حصہ لوگوں سے بھرا رہتا تھا۔اس بھاگ دوڑ میں کسی کو بھی سکھاں کا ایک لمحے کے لئے بھی خیال نہیں آیا تھا کہ وہ اس حویلی کی بہو ہوتے ہوئے ایک طرف قیدی سی زندگی گزار رہی ہے۔

الیکشن ہو گئے'میر تاج نے جو اپنا آدمی کھڑا کیا تھا'وہ کامیاب ہو گیا۔کئی دن اُس کی کامیابی کا جشن چلتا رہا۔اور اس کے بعد حالات پھر معمول پر آنے لگے تو میر تاج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کے ایک دوست نے خود منظور احمد کا رشتہ مانگ لیا۔

اُس کا تعلق دوسرے گاؤں سے تھا۔وہ ایک بڑا زمیندار تھا۔اُس سے منظور احمد کی سکھاں کے ساتھ شادی مخفی نہیں تھی۔میر تاج نے اُسے بتایا تھا کہ سکھاں کو منظور احمد نے طلاق دے دی ہے۔اور سکھاں سے شادی محض منظور احمد کی ماں کا ایک حکم تھا۔جہاں دولت' زمین جائیداد کے اونچے پہاڑ کھڑے ہوں وہاں ایسی باتیں دب جایا کرتی ہے۔منظور احمد کی نوربانو سے دھوم دھام سے شادی ہوگئی۔سکھاں اپنے شوہر کی بارات اُس ایک کمرے کی جگہ سے کھڑکی کے ساتھ لگ کر کسی قیدی مینا کی طرح اپنے سے کچھ فاصلے پر اپنی کسی قیمتی چیز کے چھن جانے کا تماشا خود اپنی آنکھوں سے دیکھتی رہی۔وہ صابر تھی۔وہ محض دیکھتی ہی رہی۔اُس نے اپنی آنکھ سے ایک بھی آنسو بہنے نہیں دیا۔

منظور احمد' نوربانو سے شادی ہوجانے پر بہت خوش تھا۔وہ مطمئن تھا کہ اَب اُسے اپنے برابر کی بیوی ملی ہے۔شادی کو دس دن گزر گئے تھے۔لیکن اُسے اس بات کی بھنک بھی نہیں پڑی تھی کہ سکھاں اَب بھی اُس کی بیوی کی حیثیت سے اس حویلی کے ایک حصے میں موجود ہے۔

چار ماہ کے بعد فرزند علی کی بھی شادی ہوگئی۔اُس کی بیوی بھی کھاتے پیتے گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔فرزند علی کی بیوی کا نام بخت جہاں تھا۔اور سبھی اُسے بختاں کہتے تھے۔

نوربانو میں اپنا ہی ناز نخرہ تھا۔نئی دلہن ہونے کی وجہ سے اُس نے ابھی اپنا وہ روپ نہیں دکھایا تھا جو اُس کا اصل تھا۔اُسے اپنے مزاج کے خلاف ایک بھی بات پسند نہیں تھی۔لیکن اس حویلی میں آ کر اُس نے وہ بھی برداشت کیا تھا جو اُسے اچھا نہیں لگا تھا۔جسے دیکھتے ہی اُس نے اپنی عادت کے مطابق اپنی ناک چڑھائی تھی۔لیکن وہ ابھی سے اپنے غصے کا اظہار نہیں کرنا چاہتی تھی۔جبکہ بختاں اُس سے کچھ مختلف تھی۔وہ اپنی پسند اور ناپسند کو دیکھ کر اپنی ناک نہیں چڑھاتی تھی۔اور نہ ہی دل ہی دل میں کسی کو بُرا بھلا کہتی تھی۔

میر تاج کی حویلی میں رونق لگ گئی تھی۔اَب وہ چاہتا تھا کہ یاور حیات کی بھی

شادی کر دے۔اس کے لئے اُس نے ایک جگہ بات بھی چلا دی تھی۔

✿✪✿

رات کا آخری پہر تھا جب میر تاج کے کمرے پر دیتو نے دستک دی تھی۔میر تاج نے کمرے کا دروازہ کھولا تو سامنے دیتو کو دیکھ کر اُس نے اُسے اندر آنے کے لئے راستہ چھوڑ دیا۔میر تاج نے دیتو کے بولنے سے پہلے ہی پوچھا۔"سکھاں کے بارے میں کوئی خبر ہے؟"

"جی چوہدری صاحب......بیٹا پیدا ہوا ہے۔" دیتو نے بتایا۔

یہ سنتے ہی میر تاج کی گردن اکڑ گئی۔تکبر کا پہاڑ جیسے اُس کے قدموں میں آ گیا ہو۔اُس نے پوچھا۔"سکھاں کو بتایا تو نہیں۔"

"نہیں چوہدری صاحب۔بیٹا جیراں کے حوالے کر دیا ہے۔وہی اُسے سنبھال رہی ہے۔سکھاں کو بتا دیا ہے کہ بچے کی سانس ٹھیک نہیں ہے اُسے ہسپتال لے گئے ہیں جہاں وہ چند دن رہے گا۔" دیتو نے بتایا۔

"ٹھیک ہے۔خیال رکھنا۔میرے بیٹوں کے علاوہ کسی کو پتہ نہیں چلنا چاہئے۔" میر تاج نے تاکید کی اور دیتو چلا گیا۔

✿✪✿

سکھاں کو تو یہ بھی نہیں بتایا گیا تھا کہ بیٹا ہوا ہے یا بیٹی۔بس اس کے علم میں یہ ہی تھا کہ بچے کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔منظور احمد خود اُسے شہر ہسپتال لے گیا ہے۔سکھاں جہاں بچے کے لئے تڑپی تھی ایک اطمینان اور اُمید کی کرن یہ پیدا ہوگئی تھی کہ شاید اَب منظور احمد بچہ لے کر اُس کے پاس آ جائے اور بچہ اُس کی گود میں رکھتے ہوئے مبارک کے الفاظ کہے اور وہ منظور احمد کو سب کچھ معاف کر دے۔

ایک ہفتہ اسی طرح تڑپ اور کرب میں گزر گیا۔سکھاں کی اُمید پوری نہ ہوئی البتہ اُسے طلاق مل گئی۔سکھاں یہ سنتے ہی سکتے کے عالم میں آ گئی۔آنکھیں اُس سمندر کی طرح دکھائی دیں جو تا حدِ نگاہ پانی سے بھرا ہوا ہو لیکن کناروں تک آنے سے ڈرتا ہو۔شام ہوتے ہی اُسے ایک بیگ تھما دیا گیا۔جس میں اُس کے کچھ کپڑے اور پیسے تھے۔رات کے اندھیرے میں سکھاں کسی زندہ لاش کی طرح ایک ملازمہ کے ساتھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جیپ میں بیٹھی، وہ جیپ دیتو چلاتا ہوا سڑک تک لے گیا۔ آخری بس جو شہر کی طرف جانے کے لئے یہاں سے گزرنے والی تھی، اُس کے انتظار میں دیتو نے جیپ ایک طرف کھڑی کرلی تھی۔ سکھاں غم میں چُور بے بس اور لاچار جو چیخ بھی نہیں سکتی تھی، کوئی فریاد اور کوئی التجا بھی اپنی زبان کی نوک پر نہیں لاسکتی تھی، گم صم بیٹھی ہوئی تھی۔ سوچوں کا گرداب جانے اُسے کس کرب سے گزار رہا تھا۔

دور سے بس آتی دکھائی دی۔ دیتو نے دائیں بائیں دیکھا۔ اُس وقت بس میں سوار ہونے کے لئے وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔ اس آخری بس میں کہیں جانے کے لئے شاذ ہی کوئی یہاں کھڑا ہوتا تھا۔ البتہ چند سواریاں اُترتی ضرور تھیں۔

"دیکھو بس آرہی ہے۔ تمہارے بیگ میں پیسے بھی ہیں۔ اور چوہدری صاحب کا یہ کہنا ہے کہ یہ بس شہر کی طرف جائے گی۔ راستے میں کئی گاؤں آتے ہیں۔ تمہاری مرضی ہے کہ تم جہاں چاہو اتر سکتی ہو۔ لیکن کبھی بھی اس گاؤں کا رخ نہ کرنا ورنہ یہ اچھا نہیں ہوگا۔" دیتو نے اُسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

بس قریب آئی اور رک گئی۔ چند سواریاں نیچے اُتریں اور گاؤں کی طرف جانے والے راستے پر چل پڑیں۔ دیتو اُن کے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔ جیسے ہی بس آگے بڑھنے لگی۔ دیتو نے جیپ سے اپنا ہاتھ باہر نکال کر بس کو رکنے کا اشارہ کیا۔ بس رک گئی۔ ملازمہ نے سکھاں کو باہر نکالا، دوسرے ہاتھ میں اُس کا بیگ پکڑا اور کنڈیکٹر کی مدد سے سکھاں بس میں سوار ہوگئی۔ سیٹ پر بٹھانے کے بعد ملازمہ بس سے نیچے اُتر آئی۔ بس پھر چل پڑی۔ دیتو نے ملازمہ کو جیپ میں بٹھایا، اُسے گھمایا اور گاؤں کی طرف جانے والے کچے رستے پر چل پڑا۔

بس تیزی سے جارہی تھی۔ سکھاں گم صم سیٹ پر بیٹھی تھی۔ میر تاج کا گاؤں دور ہوتا جارہا تھا۔ دور اور دور...... اور پھر سامنے طویل سڑک تھی اور سکھاں کے لئے انجانا راستہ تھا

❀✪❀

ایک بے سہارا، لاچار، اور کمزور سکھاں پر ظلم کا پہاڑ توڑنے کے بعد بھی میر تاج اور اُس کے بیٹوں کے چہروں پر کوئی ملال اور اضطراب نہیں تھا کہ اُنہیں اس احساس

کی ہلکی سی چبھن محسوس ہوتی۔ وہ سب اپنی اپنی جگہ مطمئن اور خوش و خرم تھے جیسے اُنہوں نے کچھ نہیں کیا اور اس حویلی میں کچھ نہیں ہوا۔ سب کچھ معمول کے مطابق ہو رہا تھا۔

منظور احمد کے بیٹے کا نام میر تاج نے فلک شیر رکھا تھا۔ اُس کی پرورش کی ساری ذمہ داری جیراں پر تھی۔ جیراں اور بچے کو حویلی سے ملحق ایک دوسرے مکان میں منتقل کردیا تھا۔ جو اس کمرے سے بہت ہی بہتر تھا۔ اس مکان کا ایک دروازہ حویلی کے عقب کی طرف کھلتا تھا۔ اس دروازے سے اس مکان میں حویلی کی اس طرف سے بھی جایا جاسکتا تھا۔

منظور احمد نے اپنے بیٹے کو اُٹھا کر پیار بھی کیا تھا اور سینے سے بھی لگایا تھا۔ اُولاد کے لئے محبت خود بخود دل میں پیدا ہوجاتی ہے۔ میر تاج نے بھی اپنے پوتے کا ماتھا چوما تھا۔ اور منظور احمد کے بھائیوں کے دل میں بھی بھتیجے کی محبت پیدا ہوگئی تھی۔ سب ہی بچے کو پیار بھری نگاہوں سے دیکھ رہے تھے، کسی کے دل و دماغ میں یہ بات نہیں آئی تھی کہ اسے جنم دینے والی عورت کہاں اور کس حال میں ہوگی؟ اُس عورت سے میر تاج نے پوتا لے کر اس کی گود کانٹوں سے بھری اور اُسے یوں بے دخل کردیا کہ جیسے منظور احمد سے اُس کی ماں کی خواہش پر ہونے والا نکاح سکھاں کے لئے کالے پانی کی سزا تھی۔

منظور احمد کا جب بھی دل چاہتا تھا وہ اپنے بچے کو دیکھنے کے لئے چلا جاتا تھا۔ غیر متوقع طور پر منظور احمد کو اپنے بچے سے کچھ زیادہ ہی پیار ہوگیا تھا۔ اس کی اُسے خود بھی اُمید نہیں تھی۔ اس معاملے میں وہ خود کو بے بس محسوس کرتا تھا۔

بچہ کچھ بڑا ہوگیا تھا۔ منظور احمد کی بیوی نور بانو بھی ماں بننے والی تھی۔ منظور احمد چاہتا تھا کہ وہ اپنے بچے کو حویلی میں لے آئے۔ اُس نے سوچا کہ فلک شیر اس حویلی کا سپوت ہے، وہ ایک ملازمہ کے ساتھ اُس مکان میں کیوں رہے۔ اس احساس نے منظور احمد کو مضطرب کردیا تھا۔ ایک دن اُس نے اس بات کا اظہار میر تاج سے بھی کردیا۔

میر تاج اس وقت فرزند علی اور یاور حیات کے ساتھ اپنے ڈیرے پر بیٹھا ہوا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔گاؤں کے کچھ لوگ کچھ دیر قبل ہی اپنے کسی مسئلے کو بیان کر کے وہاں سے رخصت ہوئے تھے۔دیتو بھی وہاں موجود تھا۔

منظور احمد کی بات سن کر میر تاج نے پہلے کچھ سوچا اور پھر اپنے دونوں بیٹوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''میرا خیال ہے کہ بچے کا حویلی میں آجانا غلط نہیں ہے۔وہ ہمارا بیٹا ہے۔ہماری طاقت ہے۔اُس کی پرورش اس حویلی میں ہونی چاہئے۔''

''غلط تو نہیں ہے لیکن......نور بانو بھابی اُسے قبول کر لے گی؟''فرزند علی نے میر تاج اور منظور احمد کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے اپنا اندیشہ عیاں کیا۔

میر تاج اس کا جواب منظور احمد سے لینا چاہتا تھا۔اس لئے اُس نے سوالیہ نگاہوں سے منظور احمد کی طرف دیکھا۔منظور احمد نے اکڑ کر کہا۔''جب تک ہماری ماں زندہ تھیں اُن کی مرضی اس حویلی میں چلتی رہی۔ماں کے بعد ہم صرف ابا جی کا حکم مانتے ہیں اور ان کی کہی ہوئی بات کو اہمیت دیتے ہیں۔ہمیں کسی اور کی کوئی پروا نہیں ہے۔''

منظور احمد کی بات سن کر میر تاج کے ہونٹوں پر تمکنت سے بھرپور مسکراہٹ عیاں ہوگئی تھی۔اُس نے اپنی مونچھوں پر ہاتھ پھیرا اور کہا۔''تم آج ہی اپنے بیٹے کو حویلی میں لے آؤ۔اُس کی پرورش حویلی میں ہی ہوگی۔کچھ چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔''

منظور احمد خوش ہوگیا۔اور تینوں بھائی اس جگہ سے اُٹھ کر باہر نکل گئے۔اُن کے جانے کے بعد میر تاج کے چہرے پر گہری متانت آگئی اور اُس نے ہولے سے پکارا۔''اُوئے دیتو۔''

''جی چوہدری صاحب۔''دیتو ہر وقت مستعد کھڑا رہتا تھا۔اُس میں اور اس کے مرحوم باپ میں کوئی فرق نہیں تھا۔میر تاج اُسے کئی بار کہہ چکا تھا کہ مجھے لگتا ہی نہیں ہے کہ تیرا باپ مر گیا ہے۔مجھے یہ ہی محسوس ہوتا کہ وہی میرے پاس کھڑا ہے۔

میر تاج نے کہا۔''دو بیٹوں کی شادیاں ہوگئی ہیں۔ایک کی رہتی ہے۔اُس کی بھی جلدی شادی کر دینا چاہتا ہوں۔''

''جی چوہدری صاحب۔''دیتو نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''جب تک جنت بی بی زندہ رہی میں نے اُسی سے پیار کیا۔اور اُسے کوئی دکھ، غم اور تکلیف دینے کی کبھی کوشش نہیں کی۔''میر تاج جیسے دور کہیں خیالوں میں تھا۔

''بالکل چوہدری صاحب بالکل۔''دیتو نے پھر کہتے ہوئے اپنی گردن اُسی طرح ہلائی۔

''میں نے اُس کام کو کرنے کے بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں جس سے جنت بی بی ناراض ہو سکتی تھی۔''میر تاج نے کہا۔

''ہاں جی......ہاں جی چوہدری صاحب۔''دیتو کی گردن یوں دائیں بائیں ہل رہی تھی جیسے اُس میں سپرنگ ہو۔

کچھ توقف کے بعد میر تاج نے کہا۔وہ دور سوچوں میں کھویا ہوا تھا،لیکن اچانک وہ واپس آگیا تھا۔''لیکن اَب میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔''

''حکم کیجئے چوہدری صاحب۔''دیتو نے جلدی سے اپنی گردن کچھ آگے نکالتے ہوئے کہا۔

میر تاج نے دیتو کی طرف دیکھا اور کہا۔''دیتو......یاور حیات کی شادی کرنے کے بعد......میں اس حویلی میں پھر سے چوہدرانی لانا چاہتا ہوں۔''

دیتو کے لئے یہ بات بڑی حیران کن تھی۔وہ سن کر چونک گیا تھا۔میر تاج کی عمر اَب نئی شادی کی متحمل نہیں ہو سکتی تھی۔لیکن اُس کے باپ نے یہ گُر اُسے دیا تھا کہ مالک کچھ بھی کہے اُس پر حیرانگی کا اظہار کرنے کی بجائے اُسے بھی سراہنا ہے۔اُس کی بھی تائید کرنی ہے۔دیتو نے بھی ایسا ہی کیا اور کہا۔''چوہدری صاحب......یہ بڑا اچھا فیصلہ ہے۔آپ کون سے بوڑھے ہو گئے ہیں۔''

میر تاج نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے اُسے اپنے ہاتھ سے گھمایا اور کہا۔''لیکن یہ چھڑی تو مجھے یہ ہی بتاتی رہتی ہے کہ میں اَب بوڑھا ہو گیا ہوں۔اس کے سہارے کے بغیر چل نہیں سکتا۔''

''چوہدری صاحب......چھڑی کو اپنے ہاتھ میں لینے کی تو آپ نے عادت بنالی ہے۔ورنہ اس کی ضرورت تو نہیں ہے۔''دیتو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

میر تاج نے اپنے ہاتھ میں پکڑی چھڑی کو غور سے دیکھا اور اُسے ایک طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پھینک دیا۔ اپنی جگہ سے اُٹھا اور چار قدم چل کر رک گیا۔ اُس نے دیتو کی طرف دیکھا اور مسکراتے ہوئے کہا۔ ''اُوئے دیتو...... تُو ٹھیک کہتا ہے۔ میں نے چھڑی کو ہاتھ میں لینے کی عادت بنا لی ہے۔''

''آپ ٹھیک چل سکتے ہیں۔ آپ کو ابھی ایسی چھڑی کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔'' دیتو کا لہجہ خوشامدانہ تھا۔

''اور جس دوسرے سہارے کی بات میں نے کی ہے؟'' میر تاج نے مسکراتے ہوئے اُس کی طرف دیکھا۔

''وہ تو آپ کے لئے بہت ضروری ہے چوہدری صاحب۔'' دیتو نے تائید میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''دیتو......!'' میر تاج نے مخاطب کیا۔

''جی چوہدری صاحب۔'' دیتو بولا۔

''ابھی اس بات کا ذکر کسی سے نہ کرنا۔ ابھی میں نے یاور حیات کی شادی کرنی ہے۔ لیکن تم اچھا خاندان اپنی نگاہ میں رکھنا۔ یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔ لیکن اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔ سال ڈیڑھ سال تو ایسے ہی گزر جائے گا۔'' میر تاج نے کہا اور چھڑی کے بغیر ڈیرے سے باہر نکل گیا۔ اس کے پیچھے دیتو بھی چل پڑا۔

❀✪❀

حویلی کی نشست گاہ میں فرزند علی، اُس کی بیوی بختاں، یاور حیات، نور بانو اور جیراں بچے کو گود میں لئے بیٹھے ہوئے تھے۔ منظور احمد اُن سب کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ سب کو بتا چکا تھا کہ فلک شیر اُس کا بیٹا ہے۔ سکھاں کو طلاق دینے کے بعد اُس نے اس بچے کو الگ نہیں ہونے دیا تھا اور اَب یہ اس حویلی میں پرورش پائے گا۔ منظور احمد نے زیادہ تفصیل میں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کی تھی۔ وہ جس قدر اختصار سے بہت سی باتوں کو مخفی رکھ کر بتا سکتا تھا اُس نے بتا دیا تھا۔ کہیں سچ تھا تو کسی جگہ اُس نے جھوٹ شامل کر دیا تھا۔

فرزند علی اور یاور حیات تو اس حقیقت سے پہلے ہی واقف تھے۔ نور بانو اور بختاں کے لئے اس حقیقت کا منکشف ہونا حیران کُن تھا۔

نور بانو نے پوری بات بڑے اطمینان سے سنی تھی۔ اُس کی نگاہیں بات کرتے ہوئے منظور احمد کے چہرے پر مسلسل جمی ہوئی تھیں۔ اُس نے ایک بار بھی جیراں کی گود میں کھیلتے ہوئے بچے کی طرف نہیں دیکھا تھا، جبکہ بختاں کی نگاہیں بچے پر مرکوز تھیں اور وہ زیرِ لب بچے کی طرف دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔

جب منظور احمد اپنی بات مکمل کر چکا تو اس سے پہلے کہ نور بانو کچھ کہتی، عین وقت پر میر تاج، دیتو کے ساتھ آ گیا۔ میر تاج اپنی مخصوص کرسی پر براجمان ہو گیا۔ دیتو اُس کے پیچھے ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا۔ نشست گاہ میں خاموشی کا راج رہا۔ پھر نور بانو نے میر تاج کی طرف دیکھا اور تُنک کر بولی۔

''اچھا ہوا کہ آپ عین وقت پر آ گئے ہیں۔ سات ماہ ہو گئے ہیں مجھے اس حویلی میں آپ کی بہو بن کر آئے ہوئے، اور مجھے آج پتہ چل رہا ہے کہ میرے شوہر کا پہلی بیوی سے ایک بچہ بھی ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ ایک دن اس بچے کی ماں بھی حویلی کے کسی کونے کھدرے سے نکل کر سامنے آ جائے گی اور مجھے کہہ دیا جائے گا کہ سکھاں کو طلاق نہیں دی تھی۔'' اُس کا لہجہ طنزیہ بھی ہو گیا تھا۔

''میں سکھاں کو طلاق دے چکا ہوں اور اُس کا اس حویلی سے کوئی تعلق نہیں ہے۔'' منظور احمد نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''اُسے طلاق دی ہے تو اسے کیوں رکھا ہے۔ اُس کی نشانی ہے یہ؟'' نور بانو سیخ پا ہو کر بولی۔ اُس کی آواز پہلی بار اتنی بلند ہوئی تھی۔

''یہ میرا بیٹا ہے۔ اور ہم اپنے بیٹوں کو اپنے سے الگ نہیں ہونے دیتے۔'' منظور احمد نے کہا۔

''میں اس حویلی کی بہو ہوں۔ اس حویلی پر اَب میرا بھی حق ہے۔ میں اس بچے کو اس حویلی میں برداشت نہیں کروں گی۔'' نور بانو کا لہجہ پہلے سے بھی زیادہ درشت ہو گیا تھا۔

''یہ بچہ اس حویلی میں رہے گا۔ اس کی دیکھ بھال جیراں اس حویلی میں رہ کر کرے گی۔'' منظور احمد نے فیصلہ کُن انداز میں کہا۔

''اوہو...... اَب اس حویلی کی مالکوں کے ساتھ کمی کمین بھی برابری کریں گی۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نور بانو نے منظور احمد کے سامنے ہاتھ نچاتے ہوئے کہا۔''ہمارے برابر کے کمرے میں ذات کی نوکرانی بھی رہے گی۔''

''ٹھیک ہے جیراں حویلی میں نہیں رہتی۔ بچے کو تم اپنی گود میں لے لو۔''منظور احمد نے اطمینان سے کہا۔

''سکھاں کے بچے کو میں اپنی گود میں لوں؟''نور بانو نے اُس کی طرف استہزائیہ انداز میں دیکھا اور نفرت سے کہا۔''ہماری حویلی میں جا کر دیکھو' جس سکھاں کو تم اپنی بیوی بنا کر اس حویلی میں لے کر آئے تھے اُس سے بھی اچھی ہماری نوکرانیاں ہیں۔ سکھاں کے بچے کو میں اپنی جوتی بھی نہیں لگاتی۔''

''یہ میرا بیٹا ہے۔ حد سے بڑھو گی تو......''منظور احمد نے اُس کی طرف زہر آلود نگاہوں سے دیکھا۔ وہ یکدم چیخا تھا۔

''تو کیا ہوگا؟''نور بانو کو بھی اپنے باپ اور بھائیوں کا زُعم تھا۔ وہ بھی اس جیسی ہی حویلی سے آئی تھی۔ منظور احمد کے سامنے اکڑ کر کھڑی ہوگئی۔

میر تاج نے جب دیکھا کہ بات آگے بڑھتی جا رہی ہے تو اُس نے پہلی بار مداخلت کرتے ہوئے کہا۔''بس بہت ہوگیا۔ بند کرو یہ کچ کچ۔ اس حویلی میں جنت بی بی کا حکم چلا ہے اور اب وہ ہوگا جو میں کہوں گا۔ فلک شیر اس حویلی کا بیٹا ہے۔ وہ اسی حویلی میں رہے گا۔ اور اس حویلی کا میں مالک ہوں۔''

نور بانو نے میر تاج کی طرف دیکھا اور اپنی آواز کو نیچی رکھتی ہوئی بولی۔''اچھا ہوتا جس بچے کی رگوں میں سکھاں کا خون ہے اُسے بھی اُس کے ساتھ ہی حویلی سے نکال دیا جاتا۔''

منظور احمد کو غصہ آ گیا۔ اُس نے دانت پیس کر کہا۔''جس دن تجھے بھی اس حویلی سے نکالنا پڑا' تب بھی بیٹے اس حویلی میں ہی رہیں گے۔''

نور بانو نے منظور احمد کی طرف دیکھا اور گردن کھڑی کر کے کہا۔''وہ سکھاں تھی...... میں نور بانو ہوں۔ حویلی سے گئی تو بیٹے بھی میرے ساتھ جائیں گے۔''

نور بانو نے کہا اور اس جگہ سے چلی گئی۔ منظور احمد اُسے جاتی ہوئی دیکھتا رہا۔ اُس کی آنکھوں میں غصہ سمندر میں دوڑتی لہروں کی طرح تھا' لیکن وہ چپ رہا۔ کچھ

دیر کی خاموشی کے بعد میر تاج نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا۔

''فلک شیر کی دیکھ بھال اسی حویلی میں ہوگی۔ اگر کسی نے اعتراض کیا تو اس کے لئے اس حویلی سے جانے کا دروازہ کھلا ہے۔''میر تاج نے تحکمانہ لہجے میں کہا اور دیتو کے ساتھ اس جگہ سے چلا گیا۔

✽

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میر تاج کی حویلی میں فلک شیر ملازمہ کی گود میں ایک الگ کمرے میں پرورش پانے لگا تھا۔نور بانو کا اپنا ہی مزاج تھا۔وہ میر تاج کے سامنے اگر اپنی زبان دراز نہیں کرتی تھی تو منظور احمد کے سامنے فلک شیر کے لئے جو نفرت اُس کے دل میں سلگتی لکڑی کی طرح تھی' اس کا اظہار کبھی دبے' کبھی طنزیہ اور بعض اوقات کھلے لفظوں میں کرنے سے اجتناب نہیں کرتی تھی۔بات کرنے کا موقعہ مل جاتا تو ٹھیک' ورنہ وہ بات کرنے کا موقع نکال ہی لیتی تھی۔منظور احمد پہلے تو اس کی بات کا غصہ کرلیتا تھا۔لیکن پھر اُس نے نور بانو کی ان باتوں کو اس کی عادت سمجھ کر انہیں نظرانداز کرنا شروع کردیا تھا۔

نور بانو کے ہاں جب پہلا بیٹا پیدا ہوا تو میر تاج کا سر اور بھی فخر سے بلند ہوگیا تھا۔تب میر تاج کے زُعم کا کوئی پیمانہ نہیں رہا تھا جب فرزند علی بھی ایک بیٹے کا باپ بن گیا۔حویلی میں جشن کا سماں ہوگیا تھا۔اس جشن میں یاور حیات کی شادی بھی ہوگئی۔

یاور حیات کی بیوی کا نام سکینہ تھا۔اُس کا تعلق بھی ایک بڑے خاندان سے تھا۔اُس کا باپ کئی زمینوں کا مالک تھا۔سکینہ کا مزاج میر تاج کی دونوں بہوؤں سے اس لئے مختلف تھا کہ وہ بہت کم کسی بات کا غصہ کرتی تھی۔اُنہیں اتنا زُعم نہیں تھا جتنا کہ نور بانو کی ناک پر ہر وقت براجمان رہتا تھا۔

میر تاج کی حویلی میں اس کا خاندان اَب بڑھنے لگا تھا۔وہ بہت خوش تھا۔لیکن اُس وقت اس کی خوشی ماند پڑ گئی جب یاور حیات کی پہلی اُولاد بیٹی ہوئی۔

میر تاج نے اپنی ناخوشی کا اظہار کسی سے نہیں کیا تھا۔بلکہ جب اُس نے یاور

حیات کی بیٹی کو پہلی بار دیکھا تو اتنا خوش اپنے چہرے سے دکھائی دینے لگا تھا جیسے واقعی اُسے حقیقی خوشی ملی ہے۔نور بانو بار بار میر تاج کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

نور بانو نے ملازم کو بھیج کر پانچ کلو مٹھائی منگوائی اور پلیٹ میں سجا کر خود میر تاج کے پاس لے گئی۔اپنے سامنے مٹھائی کی پلیٹ دیکھ کر میر تاج نے نور بانو کی طرف دیکھا اور پوچھا۔"یہ مٹھائی کیوں؟"

"ابا جی......ہماری حویلی میں تو بیٹی کی پیدائش پر بھی منہ میٹھا کیا جاتا ہے۔"نور بانو نے کہا۔

"ہاں......ہاں......کیوں نہیں۔"میر تاج مسکرایا اور ہاتھ بڑھا کر گلاب جامن اُٹھالیا۔اور کھانے لگا۔

"ابا جی......"نور بانو نے میر تاج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔اُس کا لہجہ ایسا شائستہ تھا کہ جیسے وہ واقعی میر تاج کو اسی لہجے میں بلانا پسند کرتی ہے۔

"ہاں بولو۔"میر تاج نے گلاب جامن کھانے کے بعد ہاتھ رومال سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کتنے خوش ہیں۔اس کا اندازہ مجھے ہورہا ہے۔"نور بانو کے لہجے میں چھپا ہوا طنز کا وہ تیر تھا جو میر تاج نے محسوس کیا تھا۔

میر تاج نے گہری نگاہوں سے نور بانو کی طرف دیکھا اور کہا۔"اسی لئے تو تُو میرا منہ میٹھا کرانے کے لئے مٹھائی لے کر آئی ہے۔تیرے اس میٹھے میں کتنی اپنائیت ہے یہ میرے اندازے سے بھی باہر نہیں ہے۔"

نور بانو مسکرائی۔"شکر ہے آپ کو پتہ چل گیا۔"نور بانو نے کہا اور مٹھائی کی پلیٹ لے کر وہاں سے چلی گئی۔میر تاج کو نور بانو پر اس قدر غصہ آیا تھا کہ اگر وہ منظور احمد کی بیوی نہ ہوتی تو وہ اس کی گردن تن سے جدا کردیتا۔

"یہ جانتی نہیں ہے کہ میرے ساتھ ٹکر لینے کا انجام کیا ہوسکتا ہے۔"میر تاج نے نفرت سے کہا۔اس کا لہجہ اس قدر خوفناک ہوگیا تھا کہ ایک لمحے کے لئے دیو بھی ڈر گیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میرتاج نے کئی سال پہلے ہاتھ میں چھڑی لینے کی عادت بنالی تھی' حالانکہ اس کی صحت ایسی نہیں تھی کہ اُسے کسی ایسے سہارے کی ضرورت پیش آتی۔وہ روزانہ پیدل چلنے کا عادی تھا' صبح سویرے اپنی زمینوں پر سیر کرنے کے لئے جاتا تھا۔جب سے اُس نے چھڑی پھینکی تھی' تو اُسے چھڑی کے بغیر چلنے کی عادت ڈالنا پڑی تھی ورنہ اُسے چلنے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی تھی۔جیسے جیسے حویلی میں خوشیاں بڑھ رہی تھیں' میرتاج جوان ہوتا جارہا تھا۔لگتا تھا جیسے اُس کی صحت پہلے سے بھی اچھی ہوگئی ہے۔شاید اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ حویلی میں پوتے اور پوتیاں بھاگنے لگی تھیں۔فلک شیر کے ساتھ نور بانو نے کبھی بھی اپنے بچوں کو کھیلنے کی اجازت نہیں تھی' اُس سے اُس کی نفرت بڑھتی ہی جارہی تھی۔میرتاج سب دیکھ رہا تھا لیکن اُسے اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔اُس کا خیال تھا کہ وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہوجائے گا۔وہ بے فکری کی زندگی گزار رہا تھا۔

وہ اپنی عادت کے مطابق صبح سویرے اپنی زمینوں پر سیر کے لئے نکلا ہوا تھا۔اس کے ساتھ دیتو تھا۔دن کا اُجالا نکل چکا تھا۔گاؤں کی تازہ اور جسم و جان میں توانائی بھر دینے والی ہوا چل رہی تھی۔اس ہوا میں مختلف فصلوں کی خوشبو کی آمیزش تھی۔

اچانک کچھ فاصلے پر میرتاج کی نگاہ پڑی تو اُس کے چلتے قدم اُسی جگہ رک گئے اور نظریں اُسی جگہ ٹھہر گئی تھیں۔دیتو نے پہلے میرتاج کے چہرے کی طرف دیکھا اور پھر اُس سمت دیکھا' جہاں نگاہیں جا کر پلٹنا بھول گئی تھیں۔

کچھ فاصلے پر ایک پگڈنڈی تھی۔اس پگڈنڈی پر دولڑکیاں قدم جماتی ہوئی ایک دوسرے سے باتیں کرتی اور مسکراتی ہوئی چل رہی تھیں۔میرتاج ایک لڑکی کو تو جانتا تھا' لیکن اُس کے ساتھ والی لڑکی جو خوبصورت اور قد کاٹھ میں پہلی سے زیادہ پُرکشش تھی' اُسے میرتاج پہلی بار دیکھ رہا تھا۔

دونوں لڑکیاں چلتی ہوئیں اور پاس آئیں اور نزدیک کی پگڈنڈی سے گزرتی' میرتاج کے سامنے سے آگے چلی گئیں۔میرتاج کی نگاہیں اُس لڑکی کے تعاقب میں دور تک رہی تھیں۔

''اُوئے دیتو......'' میرتاج نے بدستور اُس طرف دیکھتے ہوئے اپنے انداز میں دیتو کو مخاطب کیا' حالانکہ وہ لڑکی اَب کافی دور چلی گئی تھی۔

''جی چوہدری صاحب۔'' دیتو نے جلدی سے کہا۔

''اُوئے یہ کڑی کون تھی۔'' میرتاج نے اپنا چہرہ دیتو کی طرف گھماتے ہوئے پوچھا۔

''ایک تو برکت دین کی بہن تھی۔'' دیتو کہہ کر چپ ہوگیا۔

''اسے تو میں جانتا ہوں۔ابھی پچھلے سال اس کا بیاہ ہوا ہے۔دوسری کون تھی جو اس کے ساتھ چل رہی تھی۔'' میرتاج نے پوچھا۔

دیتو کچھ ہچکچایا۔اس گاؤں میں برکت دین ہی ایک تھا جو دیتو کا دوست تھا۔جب بھی اُسے فرصت ہوتی یا کوئی موقعہ ملتا' وہ برکت دین کے پاس چلا جاتا تھا۔اور پھر ڈھیروں اُس کے ساتھ باتیں ہوتی تھیں۔دونوں کی عمروں کا کوئی خاص فرق نہیں تھا۔دونوں ایک دوسرے کے پکے دوست تھے۔

دیتو نے بتایا۔''دوسری چوہدری صاحب...... برکت دین کی سالی ہے۔''

میرتاج نے معنی خیز انداز میں دیتو کی طرف دیکھا اور کہا۔''یہاں آئی ہوئی ہے۔خوبصورت ہے۔بیاہ ہوا ہے اس کا؟''

''منگنی ہوئی ہے چوہدری صاحب۔'' دیتو کے منہ سے نکلا۔اور وہ میرتاج کا چہرہ دیکھ کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

میرتاج نے ایک بار پھر اُس جانب دیکھا جہاں سے وہ گزر کر گئی تھی۔اُس نے پوچھا۔''اس کا نام کیا ہے؟''

''جی اس کا نام......ثریا ہے۔'' میرتاج کے ہر سوال کا جواب دینا اس کی مجبوری تھی۔وہ باپ کی طرح نمک حلال تھا۔لیکن برکت دین اس کا دوست تھا' میرتاج کی نیت وہ پہلی ہی نظر میں بھانپ گیا تھا۔اس لئے وہ کچھ ہچکچاہٹ کا بھی شکار تھا۔وہ جانتا تھا کہ برکت دین اور اُس کا سسرال انتہائی شریف لوگ ہیں۔اگر میرتاج نے اس طرف کا رُخ کیا تو شاید برکت کے لئے اچھا نہ ہو۔

''ہوں۔'' میرتاج نے مسکرا کر کہا۔لگتا تھا جیسے اُس نے بھی ثریا کا نام زیرلب لیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔وہ بولا۔"دیتو.....ثریا چوہدرانی کے روپ میں کیسی لگے گی؟"

"جی.....چوہدری صاحب اس کی منگنی ہوچکی ہے اور ......" دیتو نے اٹکتے ہوئے کہا۔دیتو کو خیال آیا کہ اپنی شادی کی بات تقریباً ڈیڑھ سال قبل میر تاج نے کی تھی۔اس کے بعد وہ مختلف کاموں میں مصروف رہا تھا اور اُس نے کبھی دوبارہ اس بات کا ذکر دیتو سے نہیں کیا تھا۔اس کی دانست میں میر تاج نے دوبارہ شادی کرنے کا خیال اپنے دل سے نکال دیا تھا۔لیکن آج وہ اُس کی بات سن کر حیران ہوا تھا۔اور سوچنے لگا' یہ بڑھے لوگ بھی کتنے ٹھنڈے کھلاڑی ہوتے ہیں۔سب کچھ اپنی دسترس میں سمجھتے ہوئے جب چاہتے ہیں کوئی بھی فیصلہ کر لیتے ہیں۔

"منگنی ہوئی ہے بیاہ ہوکر سسرال تو نہیں رہتی۔منگنی کا کیا ہے۔اُوئے اسے جوڑنے میں دیر لگتی ہے۔توڑنے میں کوئی دیر نہیں لگتی۔" میر تاج نے اُس کی بات کاٹ کر کہا۔"برکت دین کو جا کر کہہ کہ وہ مجھے حویلی میں آ کر ملے۔"

"جی چوہدری صاحب۔" دیتو نے مریل سے لہجے میں کہا۔زندگی میں پہلی بار دیتو کا دل چاہا کہ وہ میر تاج کے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دے۔لیکن وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔وہ ایک بڑے چوہدری کا ملازم تھا' رازداں تھا' باپ کی گدی اس نے سنبھالی تھی۔یہ گدی ہی تھی کہ پورا گاؤں اس کی بھی عزت میر تاج کی طرح ہی کرتا تھا۔سارے گاؤں کو پتہ تھا کہ چوہدری میر تاج سے اچھا تعلق رکھنا ہے تو پہلے دیتو سے بہتر تعلق کا ہونا بہت ضروری ہے۔دیتو انکار کر کے گاؤں کے کسی بے حیثیت بندے کی طرح نہیں رہنا چاہتا تھا۔

✿ ✪ ✿

دیتو سیدھا برکت دین کے گھر چلا گیا تھا۔

برکت دین کی تھوڑی سی زمین تھی' گاؤں سے باہر کمرشل مارکیٹ میں کریانے کی بڑی دکان بھی اُسی کی تھی۔جہاں وہ صبح سے لے کر شام تک کام کرتا تھا۔اُس کی بیوی نسرین تھی اور اُس کے تین بچے تھے۔دو لڑکے تھے اور ایک لڑکی تھی۔بچے ابھی چھوٹے تھے اس لئے سارا کام برکت دین کو خود ہی کرنا پڑتا تھا۔

دیتو جب اُس کے گھر پہنچا اُس وقت وہ اپنی دکان کی طرف جانے کے لئے نکل

رہا تھا کہ دیتو کو دیکھتے ہی وہ رک گیا۔اُسے دیتو کو اس وقت دیکھ کر حیرت ہو رہی تھی۔

"دیتو خیریت تو ہے۔سویرے سویرے؟" برکت دین نے اپنی بے چینی کے سبب پوچھا۔

"چوہدری صاحب نے تجھے حویلی بلایا ہے۔" دیتو نے کہا۔"دکان پر جانے سے پہلے حویلی جا کر اُن کی بات سن لو۔"

"خیر تو ہے؟" برکت دین نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔"چوہدری صاحب نے مجھے حویلی کیوں بلایا ہے۔"

"یار.....یہ تو مجھے نہیں بتایا بس اتنا کہا کہ میں تجھے ابھی بلا لاؤں۔" دیتو نے اُس سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی یار تجھے تو سب پتہ ہوتا ہے۔" برکت دین شریف آدمی تھا' وہ اس وقت میر تاج کے بلانے پر پریشان ہو گیا تھا۔

دیتو چاہتا تو اپنے دوست کو اندر کی بات بتا کر اُسے ذہنی طور پر پہلے ہی تیار کر سکتا تھا۔اس سے یہ ہوتا کہ وہ اپنی عقل اور دیتو کے مشورے سے میر تاج کو کیسے اور کن الفاظ میں جواب دینا ہے' سوچ لیتا۔لیکن دیتو نے ایسا کرنے سے اجتناب کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے اس بات کا پتہ نہیں ہے۔اچانک مجھے حکم دیا کہ میں تجھے بلا کر لاؤں اور میں بھاگتا ہوا تمہارے پاس آ گیا۔میں تو خود حیران ہوں۔" دیتو نے ہوشیاری سے بات پر پردہ ڈالتے ہوئے کہا۔

برکت دین اُس کے ساتھ ہی چل پڑا۔وہ اپنی دکان پر سائیکل پر جاتا تھا۔اُس نے سوچا کہ وہ چوہدری میر تاج کی بات سن کر وہیں سے اپنی دکان کے لئے نکل جائے گا۔دونوں پیدل ہی چل رہے تھے۔دیتو نے چلتے ہوئے کوئی اور ہی موضوع شروع کر لیا تھا۔وہ دل ہی دل میں سوچ رہا تھا کہ برکت دین سے اصل بات چھپا کر کیا اُس نے ٹھیک کیا ہے؟ بتا دینے میں کیا حرج تھا؟ پھر اُس نے سوچا کہ اپنے آپ کو محفوظ رکھ کر چلنا ہی دانشمندی ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

حویلی کے مخصوص کمرے میں میر تاج کھڑکی کے پاس کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔سورج کی روشنی کھڑکی کے شیشوں سے اندر آ رہی تھی۔اُس کے پاس ہی چھوٹا میز پڑا تھا جس پر ایک بڑا لسی کا جگ اور دو گلاس رکھے ہوئے تھے۔برکت علی جب دیتو کے ساتھ کمرے میں گیا' پہلے اُس نے بڑی عاجزی سے سلام کیا اور کھڑا ہو گیا۔

"بیٹھ جاؤ برکت دین۔" میر تاج نے اپنے سامنے رکھی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

برکت دین نے پہلے کرسی کی طرف دیکھا اور پھر میر تاج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"کوئی بات نہیں چوہدری صاحب میں ٹھیک ہوں۔آپ نے یاد کیا تو میں حاضر ہو گیا۔"

"بیٹھ جاؤ...... برکت دین۔" میر تاج نے پھر کہا۔برکت دین جھجکتے ہوئے اُس کرسی پر بیٹھ گیا۔یہ پہلا موقعہ تھا کہ برکت دین' میر تاج کے کمرے میں اُس کے سامنے اُسی جیسی کرسی پر بیٹھا تھا۔اُس کا دل خود بخود دھڑکنے لگا تھا۔

میر تاج نے دیتو کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا اور دیتو نے فوراً آگے بڑھ کر دونوں گلاس لسی سے بھرے' ایک میر تاج کو دے دیا اور دوسرا برکت دین کی طرف بڑھا دیا۔برکت دین نے اپنے کانپتے ہاتھ سے لسی کا گلاس پکڑ لیا۔اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اتنی عزت افزائی کیوں کی جا رہی ہے۔

"لسی پیو برکت دین۔" میر تاج نے کہا۔برکت دین نے اپنے ہونٹوں پر پھیکی سی مسکراہٹ عیاں کی جو دوسرے ہی لمحے معدوم ہو گئی تھی اور لسی کا گلاس اپنے ہونٹوں کو لگا لیا۔تین سانس میں اُس نے لسی کا گلاس ختم کر دیا اور خود ہی اپنی جگہ سے اُٹھ کر خالی گلاس میز پر جیسے ہی رکھنا چاہا' دیتو نے اُس سے گلاس لے لیا۔

میر تاج نے چند گھونٹ لسی کے لئے اور گلاس میز پر رکھ دیا۔دیتو دونوں کے درمیان کھڑا تھا۔میر تاج نے برکت دین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"برکت دین...... میں نے تجھے کیوں بلایا ہے جانتا ہے کیا؟"

"نہیں......" برکت دین نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے جواب دیا۔وہ میر تاج کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔" میر تاج نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"میں نے اسی لئے تجھے بلایا ہے۔"

"آپ حکم کیجئے چوہدری صاحب۔" برکت دین نے جلدی سے کہا۔"جو بھی ہو سکا میں حاضر ہوں۔"

"میں نے جس چیز کی خواہش کی ہے اُسے پانے کے لئے پھر کسی بھی حد تک جانے سے گریز نہیں کیا۔انکار سننے کی مجھے عادت نہیں ہے۔ان دو باتوں کو ذہن میں رکھ کر کچھ بھی کہنے کی ہمت کرنا برکت دین۔" میر تاج نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے متانت سے برکت کو پہلے ہی خبردار کرتے ہوئے کہا۔

میر تاج کی بات سن کر برکت دین گھبرا گیا تھا۔اُسے لگا بات کچھ ایسی ہے کہ وہ ہاں اور ناں کے بیچ معلق ہو کر رہ جائے گا۔اُس نے ایک نظر دیتو کی طرف دیکھا۔اُس کی نگاہیں نیچی تھیں۔لگتا تھا کہ وہ کھڑا کھڑا ہی سو گیا ہے۔برکت دین سوالیہ نگاہوں سے میر تاج کی طرف دیکھنے لگا۔

میر تاج کچھ توقف کے بعد بولا۔"میں پھر سے اس حویلی میں چوہدرانی لانا چاہتا ہوں۔" میر تاج اتنا کہہ کر چپ ہو گیا۔برکت دین اس انکشاف پر متحیر و خیرہ نگاہیں میر تاج کے چہرے پر مرکوز کئے اُسے دیکھے جا رہا تھا۔اور سوچ رہا تھا کہ میر تاج کی شادی کا اُس سے کیا تعلق؟

جب برکت دین نے کوئی سوال نہ کیا تو میر تاج نے پوچھا۔"پوچھو گے نہیں برکت دین کہ میں شادی کس سے کرنا چاہتا ہوں؟"

"ک...... کس سے شادی کرنا چاہتے ہیں آپ چوہدری صاحب؟" برکت دین کو جیسے کسی نے نیند سے یکدم جگا دیا ہو۔اور اُس نے چونک کر پوچھا۔اُس کے لہجے میں معصومیت اور سادگی تھی۔

میر تاج نے یکدم کہا۔"تیری سالی ثریا سے۔"

برکت دین کا یہ سننا تھا کہ اس کی حیرت میں دو چند اضافہ بھی ہو گیا اور اُس کا دل دھک سے رہ گیا۔آنکھیں جیسے پھٹ گئی ہوں اور چہرہ ہکا بکا ہو گیا تھا۔ایسی غیر متوقع بات اُس کے کانوں نے سنی تھی کہ برکت دین کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اُس نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

یہ ہی سنا ہے جو میر تاج نے کہا۔اُس نے سننے میں کوئی دھوکہ تو نہیں کھایا۔

میر تاج نے جب دیکھا کہ برکت دین جیسے پتھر کا ہوگیا ہے اور بس اُسے ہی دیکھے جارہا ہے تو اُس نے کہا۔''برکت دین......اس حویلی میں وہ عیش کرے گی۔کسی ملکہ کی طرح رہے گی۔اپنے سسرال میری بات کر اور مجھے کل تک اس بارے میں بتا۔''

''اُ......س......کی......منگ......نی......ہوچکی ہے۔''برکت دین کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔اُس کا حلق خشک ہوگیا تھا۔

''منگنی ہی ہوئی ہے۔شادی تو نہیں ہوئی۔چل جا اور مجھے کل تک بات کرکے بتا۔لیکن یاد رکھنا مجھے انکار سننے کی عادت نہیں ہے۔دوسری بات یہ کہ یہ بات گاؤں میں اُس وقت تک کسی کو پتہ نہیں چلنی چاہئے جب تک میں نہ چاہوں۔''میر تاج نے کہا اور پھر دیتو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''دیتو......اسے حویلی کے باہر تک چھوڑ آ۔جو میں نے کہنا تھا وہ کہہ دیا ہے۔کل ملاقات ہوگی۔''

''آؤ برکت دین۔''دیتو نے کہا اور برکت دین یکدم چونکا۔وہ اپنی جگہ سے ایسے اُٹھا جیسے وہ خود نہ اُٹھا ہو بلکہ اُسے کسی نے پکڑ کر اُٹھایا ہو۔وہ دیتو کے پیچھے باہر جانے کے لئے چل پڑا۔حویلی کے گیٹ کے پاس پہنچا تو برکت دین نے رک کر کہا۔

''دیتو......یہ کیسے ہوسکتا ہے؟''

''برکت......تُو اَب جا۔میں تیرے ساتھ اس جگہ رک کر بات نہیں کرسکتا۔موقعہ ملا تو تیری دکان پر آؤں گا۔''دیتو نے اُسے بھیجنے کے لئے کہہ دیا۔

''ہاں......تُو ٹھیک کہتا ہے۔دیکھ دکان پر آنا ضرور......''برکت نے کہا۔اور اپنی سائیکل پکڑ کر حویلی سے باہر نکل گیا۔

❀✪❀

برکت کا دھیان دُکان داری پر ہونے کی بجائے اس بات پر تھا جو اُس سے میر تاج نے کی تھی۔وہ پریشان ہی رہا تھا۔کام کے دوران بھی وہ ہی سوچتا رہا تھا کہ وہ اپنے سسرال کیسے بات کرے۔وہ یہ بھی جانتا تھا کہ یہ ناممکن بات ہے۔ثریا کی عمر اُس کی بیٹی کی عمر کے برابر ہے۔اس میں بھی کوئی شک نہیں تھا کہ برکت کے سسرال

والے محنت کش اور شریف لوگ تھے۔انکار کی صورت میں وہ کسی وبال کا سامنا کرنے کی بھی ہمت نہیں رکھتے تھے۔ان ہی سوچوں کے منجدھار میں اُس نے شام کو دکان بھی جلدی بند کردی تھی۔دیتو بھی نہیں آیا تھا۔اُس نے سوچا وہ اُس کا یار ہے۔وہ ضرور آتا' یقیناً اُسے آنے کا موقعہ نہیں ملا ہوگا۔

برکت کے گھر جلدی آجانے اور اُس کے اُترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر اُس کی بیوی کو تشویش ہونے لگی تھی۔برکت چپ چاپ کمرے میں جاکر بیٹھ گیا تھا۔نسرین صحن میں سلائی مشین رکھے چھوٹے بچے کی قمیص سلائی کررہی تھی۔جبکہ اُس کی بہن ثریا اور نند ہاجراں چولہے کے آگے بیٹھیں مل کر ہنڈیا پکانے کے ساتھ باتوں میں بھی مگن تھیں۔

نسرین اُٹھ کر اندر چلی گئی اور برکت کی طرف دیکھنے کے بعد پوچھا۔''کیا ہوا۔پریشان لگ رہے ہو؟''

برکت چونکا۔اُس نے نسرین کی طرف دیکھا اور اُسے بیٹھنے کے لئے کہا۔نسرین اُس کے پاس ہی چارپائی پر بیٹھ گئی۔برکت نے اپنی آواز دھیمی رکھتے ہوئے کہا۔''آج سویرے مجھے چوہدری میر تاج نے حویلی بلایا تھا۔''

''وہ کیوں؟''نسرین نے پوچھا۔

''اُس نے بات ہی ایسی کی ہے کہ میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔''برکت نے پریشانی کے عالم میں کہا۔''میں نے سارا دن بے چینی میں گزارا ہے۔اس لئے جلدی دکان بند کرکے گھر بھی آگیا ہوں۔''

''کیا بات کردی تھی میر تاج نے؟''نسرین کی پریشانی اور بھی بڑھ گئی تھی۔

برکت نے دروازے کی طرف دیکھا اور اپنی گردن نسرین کی طرف بڑھاتے ہوئے اور بھی آواز کا گلا گھونٹ کر بتایا۔''میر تاج نے ثریا کا رشتہ مانگا ہے۔''

''کس کے لئے؟''نسرین نے چونک کر برکت سے پوچھا۔

''اپنے لئے۔''برکت نے کہا۔

''کیا......؟؟''نسرین کی آنکھیں حیرت سے برکت کے چہرے پر پیوست ہوگئیں۔اور اُس کا منہ کھلا کا کھلا ہی رہ گیا۔اُس کی گھبرائی ہوئی آواز نکلی۔''تُو نے کیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جواب دیا ہے۔"

"میں نے کیا جواب دینا تھا' اُس کی سنی اور اُٹھ کر آ گیا۔" برکت نے بے بسی سے کہا۔

"تُو نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اُسے اُسی وقت انکار کر دیتے۔ اُسے بتاتے کہ ثریا تیری بیٹی کی عمر کی ہے۔" نسرین کی آواز کچھ اُونچی ہو گئی تھی۔ "اسی وقت انکار کر دیتے۔ بات کو لٹکا کر کیوں آ گئے ہو۔"

"اری آہستہ بولو۔" برکت نے دانت پیس کر اُسے کہا۔ "کیا تو میر تاج اُس کے تینوں بیٹوں اور جو اُن کے پاس بندوں کی فوج ہے اُسے نہیں جانتی ہو؟ ہم کیا ہیں۔ ہمارا اُن کے ساتھ کیا مقابلہ ہے۔ ہم تو اُس کے کسی نوکر سے لڑنے کی ہمت نہیں رکھتے۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُس کی بات مان جائیں۔ جو وہ کہتا ہے وہ کر دیں۔ دیکھ وہ ہمیں کھا نہیں جائے گا۔ ابھی جا اور اُسے صاف الفاظ میں انکار کر دے۔" نسرین کے لہجے میں ہمت دکھائی دے رہی تھی۔

"وہ انکار سننے کے لئے تیار نہیں ہے۔" برکت نے کہا۔ "اُس نے بات کرنے سے پہلے ہی مجھے کہہ دیا تھا۔"

"تُو نہیں جائے گا تو میں چلی جاؤں گی۔ وہ انکار سننے کے لئے تیار نہیں ہے تو نہ ہو' ہم تو اُسے انکار سنانے کے لئے تیار ہیں ناں۔" نسرین کے اندر جانے کہاں سے اتنی ہمت آ گئی تھی کہ وہ فوراً سنبھل گئی تھی۔ "چلو میں تمہارے ساتھ چلتی ہوں۔"

برکت نے کچھ سوچا اور پھر کہا۔ "نہیں تم رکو میں خود ہی جاتا ہوں۔" برکت جو کہ سارا دن پریشان رہا تھا' اور سوچتا رہا تھا کہ وہ چوہدری میر تاج کو کیسے انکار کرے گا' بیوی کے ہمت دینے پر اُسے محسوس ہونے لگا تھا کہ وہ انکار کر سکتا ہے۔ اور اس بات کا انکار ہی کر دینا چاہئے۔ یہ ناممکن ہے کہ ثریا کی شادی میر تاج سے ہو۔

نسرین نے برکت کو اور بھی ہمت دی' اُسے حوصلہ دیا اور سمجھایا کہ اس معاملے میں ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ہمیں جان سے نہیں مار دے گا۔ اور اگر اُس نے انکار کے بعد ہمارے گھر کی دہلیز کو کسی بھی صورت میں پار کرنے کی کوشش کی تو

وہ پورے گاؤں کو اپنی فریاد سنائیں گے اور میر تاج کا چہرہ دکھائیں گے۔ نسرین سمجھ دار تھی۔

برکت اُسی وقت حویلی میں چلا گیا۔

میر تاج اُس وقت حویلی کے بیرونی حصے میں اپنے دو دوستوں کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا۔ برکت کو دیکھ کر اُس نے دیتو کو اشارہ کیا اور دیتو اُسے ایک کمرے میں لے گیا۔ برکت کو کمرے میں چھوڑتے ہی برکت نے کہا۔ "میں ابھی دو منٹ میں آیا۔" دیتو اس کمرے سے باہر آ گیا۔ وہ برکت کو اپنے ساتھ اس موضوع پر بات کرنے کا کوئی موقعہ نہیں دینا چاہتا تھا۔ دوست ہونے کے ناطے اُسے مشورہ بھی دینا پڑ جاتا' اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ اُسے کوئی مشورہ دے۔ یہ بات میر تاج کے علاوہ کسی اور نے کی ہوتی تو پھر دیتو اُسے ضرور بتاتا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ یہاں دوستی پر ملازمت غالب تھی۔ میر تاج کے ساتھ وفاداری اہمیت اختیار کر گئی تھی۔

کچھ دیر کے بعد میر تاج بھی آ گیا۔ اُس کے پیچھے دیتو بھی تھا۔ میر تاج نے آتے ہی کہا۔ "تم تو جلدی آ گئے۔ بتاؤ کب کا کہتے ہیں ثریا کے ماں باپ؟"

برکت کچھ کہنے سے پہلے گھبرایا' تذبذب کا شکار ہوا اور پھر بولا۔ "چوہدری صاحب...... ایسا نہیں ہو سکتا۔"

برکت کے منہ سے انکار سن کر میر تاج کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔ اُس کا چہرہ درشت ہو گیا۔ اُس کی انگار برساتی آنکھیں برکت کے چہرے پر جم گئیں اور وہ خوفناک لہجے میں بولا۔ "کیا نہیں ہو سکتا؟"

"چو......ہدری صاحب آپ کوئی اور گھر دیکھ لیں۔ ہم ثریا کا نکاح آپ سے نہیں کر سکتے۔" اس وقت جو بھی الفاظ برکت کی زبان کی نوک پر آئے اُس نے کہہ دیئے۔ وہ مناسب تھے کہ نہیں' گھبراہٹ اور ڈر میں اُسے خود بھی پتہ نہیں چل رہا تھا۔

برکت کا وہ جملہ جیسے میر تاج کے سینے میں تیر کی طرح لگا ہو۔ ایک کم حیثیت کا مالک میر تاج کے سامنے اُس کی حویلی کی چھت کے نیچے کھڑا ہو کر اُسے انکار کر رہا تھا۔ میر تاج کے لئے وہ سب ناقابلِ برداشت تھا۔ اُس نے مزید کوئی بات کرنے کی بجائے دیتو کو حکم دیا کہ وہ اُس کے بیٹوں کو بلا کر لائے۔ اُس کے تینوں بیٹے کمرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں آ گئے۔ برکت خوف اور دہشت سے کانپ اُٹھا تھا۔

''برکت کی آنکھوں پر چربی آ گئی ہے اور یہ مجھے آنکھیں دکھانے لگا ہے۔ آئندہ مجھے یہ اپنی دو ٹانگوں پر چلتا نظر نہ آئے۔'' میر تاج نے اپنے بیٹوں کی طرف دیکھتے ہوئے سفاک لہجے میں کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ دینو بھی ڈر گیا تھا۔ اُس نے لاچاری سے برکت کی طرف دیکھا اور چوہدری صاحب کے پیچھے ہی چلا گیا۔ کمرے کا دروازہ بند ہو گیا۔

❁✪❁

میر تاج کے تینوں بیٹوں نے برکت کی پٹائی ہی نہیں کی تھی بلکہ اُس کی دائیں ٹانگ کی ہڈی بھی توڑ دی تھی۔ میر تاج کو اُس کا انکار سن کر اس قدر غصہ اور جلال آیا تھا کہ وہ اپنے بیٹوں کو حکم دینے کے بعد اپنے دوستوں کے پاس جانے کی بجائے دوسرے کمرے میں چلا گیا تھا۔ ثریا اُسے پہلی ہی نظر میں اچھی لگی تھی۔ اُسے اُمید تھی کہ وہ اس کے خوف اور ڈر کی وجہ سے ثریا کا نکاح اُس سے کرنے کے لئے راضی ہو جائیں گے۔ لیکن اس کے برعکس جب برکت نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا تو پھر میر تاج کے لئے اپنے غصے پر قابو کرنا ممکن نہیں رہا تھا۔ اور اُس اُسی وقت اُسے سزا دینے کا سوچ لیا تھا۔

برکت کو میر تاج کے دو آدمی اُٹھا کر اُس کے گھر کے سامنے پھینک گئے تھے۔ برکت اُس وقت بے ہوش تھا۔ رات ہو گئی تھی۔ اس لئے گلی میں کوئی نہیں تھا۔ دس منٹ کے بعد برکت کا چھوٹا بیٹا جب ایسے ہی گھر کے دروازے تک آیا' اُس کی نگاہ خون میں لت پت اپنے باپ پر پڑی تو پھر اُس کی چیخیں ہی نکل گئیں۔ اُس کی آواز سن کر نسرین بھاگتی ہوئی دروازے تک آئی اور وہ بھی چیخ پکار کرنے لگی۔ گلی کے لوگ اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور برکت کو اُٹھا کر گاؤں کے ڈاکٹر کے پاس لے گئے اُس نے ضروری ٹیکے وغیرہ لگا کر برکت کو شہر ہسپتال لے جانے کے لئے کہا' اور برکت شہر کے سول ہسپتال میں پہنچ گیا۔

❁✪❁

برکت کی ہڈی کا آپریشن کر دیا گیا تھا۔ ٹانگ پر پلستر چڑھ گیا تھا اور کم از کم ایک

ہفتہ تک برکت کو ہسپتال میں رہنا تھا۔ اُس کے تینوں چھوٹے بچے باپ کو دیکھ رہے تھے۔ بڑا بیٹا اور سب سے چھوٹی بیٹی کی آنکھوں میں خوف تھا۔ ایک ڈر تھا' باپ کو ایسی حالت میں دیکھ کر وہ سہم گئے تھے۔ جبکہ برکت کا منجھلا بیٹا باپ کو نہ تو خوفزدہ نگاہوں سے دیکھ رہا تھا اور نہ ہی اُس کی آنکھوں میں ایسا تاثر تھا کہ جس سے یہ پتہ لگتا ہو کہ وہ باپ کو ایسی حالت میں دیکھ کر سہم گیا ہے۔ وہ ٹکٹکی باندھے باپ کو دیکھے جا رہا تھا۔

میر تاج نے جو حال برکت کا کیا تھا' اُسے دیکھ کر نسرین کے ہونٹ سِل گئے تھے۔ اُس نے ایک بار بھی میر تاج کا نام اپنے منہ سے نہیں لیا تھا کہ یہ سب اس کا کیا دھرا ہے اور کیوں کیا ہے' اس کا ذکر بھی وہ نہیں کرنا چاہتی تھی۔ سارا گاؤں اس بات پر حیران تھا کہ آخر برکت کی کس کے ساتھ دشمنی تھی کہ اُس نے اُس کا یہ حال کر دیا ہے۔ جبکہ پورا گاؤں جانتا تھا کہ برکت ایک شریف النفس آدمی ہے۔

جس وقت برکت اور نسرین کمرے میں باتیں کر رہے تھے تو اُس وقت کسی کام کی غرض سے ہاجراں کمرے میں جانے کے لئے اُٹھی تھی تب اُس کی سماعت سے نسرین کی آواز ٹکرائی تھی وہ کہہ رہی تھی کہ' وہ ابھی جائے اور میر تاج سے بات کر کے آئے۔ اُس کے بعد یہ واقعہ ہو گیا تھا۔

ہاجراں کو شک تھا کہ کوئی بات ضرور ہوئی تھی جس کی پاداش میں اُس کے بھائی کو اس حال سے گزرنا پڑا ہے۔ نسرین اُس سے کوئی بات چھپا رہی ہے۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ برکت کی پورے گاؤں میں کسی کے ساتھ کوئی دشمنی نہیں ہے۔ اُسے کوئی بھی اس طرح سے نقصان نہیں پہنچا سکتا ہے۔

ہسپتال میں جب وہ دونوں ہی تھیں اور برکت نیند کی گولی کی وجہ سے بے نیاز سویا ہوا تھا تو ہاجراں نے موقعہ دیکھتے ہوئے پوچھ لیا۔

''بھابی...... کیا بات ہوئی تھی کہ تُو برکت کو میر تاج کے پاس بھیج رہی تھی...... برکت کیا کرنے گیا تھا وہاں؟''

ہاجراں کے منہ سے اچانک یہ بات سن کر نسرین چونک پڑی اور ڈر کر بولی۔

''کک...... کیا بات ہوئی تھی۔''

''میں نے اُس دن کچھ سنا تھا۔ مجھے بتا بھابی کچھ مت چھپا۔'' ہاجراں نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں جاننا چاہتی ہوں۔"

"کوئی بات نہیں ہوئی تھی باجراں۔" نسرین نے ٹالنا چاہا۔لیکن باجراں کی ضد اور پھر دھمکی کہ وہ پورے گاؤں میں شور مچا دے گی کہ یہ سب کچھ میر تاج کا کیا دھرا ہے۔ وہ جانتی تھی کہ باجراں الگ مزاج کی ہے۔ جو وہ کہہ رہی ہے ویسا وہ کر بھی دے گی۔اس لئے مجبوراً نسرین نے سب کچھ اُسے بتا دیا۔

باجراں سنتی رہی اور جب نسرین چپ ہوئی تو باجراں نے پریشان سی ہو کر کہا۔"بھابی......ثریا کے ساتھ وہ کچھ بھی کر سکتا ہے۔"

"پھر کیا کروں؟ واپس اُسے بھیج دوں؟" نسرین نے پوچھا۔"جب تک جنت بی بی زندہ رہی وہ اُس کا وفادار بن کر رہا۔لیکن اَب وہ آزاد ہو چکا ہے۔کسی پاگل کتے کی طرح۔"

"یہ اس کا حل نہیں ہے۔میر تاج درندہ ہے۔وہ خون سونگھ چکا ہے۔" باجراں سوچتے ہوئے بولی۔

نسرین کی تشویش اور بھی بڑھ گئی تھی۔وہ سوچ میں پڑ گئی کہ وہ کیا کرے۔اپنے ماں باپ کے آگے ساری حقیقت منکشف کردے'پولیس سے مدد لے'میر تاج کے خلاف پرچہ کٹوا دے'لیکن کیسے......؟علاقے کا تھانیدار تو ہر شام کو میر تاج کے ڈیرے پر بیٹھا ہوتا ہے۔شہر سے بھی لوگ اُس کے پاس آتے تھے۔اُس کے تعلقات کے آگے اُن کی آواز کہاں تک جاسکتی ہے۔اُس کی آواز پر کون اُس کا ساتھ دے گا؟

"اس کا حل یہ ہے کہ ثریا کا نکاح......" نسرین اپنا جملہ خود ہی مکمل نہ کر سکی اور سوالیہ نگاہوں سے باجراں کی طرف دیکھنے لگی۔

"میر تاج اس گاؤں کا طاقت ور بندہ ہے بھابی۔اُس کے گلے میں ایک ہی طریقے سے پٹہ پڑ سکتا ہے۔" باجراں کے چہرے سے میر تاج کے لئے کتنی نفرت تھی یہ صاف عیاں ہو رہا تھا۔نسرین نے اُس کی بات سنی تو جاننے کے لئے مضطربانہ انداز میں اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

❀✪❀

میر تاج کو گاؤں کا کوئی نہ کوئی بندہ بتا دیتا تھا کہ برکت کے ساتھ کسی نے جانے

کس چیز کی دشمنی لی ہے کہ اُس کی ٹانگ توڑ دی ہے۔اس کا آپریشن تو ہو گیا ہے لیکن وہ زندگی بھر کے لئے اپاہج ہو گیا ہے۔بیساکھی کے بغیر وہ کبھی نہیں چل پائے گا۔سب ہی اُفسوس کر رہے تھے۔میر تاج سنتا تو خود بھی اُفسوس کرنے لگ جاتا تھا۔لوگوں کی باتوں سے یہ اندازہ اُسے ہو گیا تھا کہ برکت کے گھر والوں نے اُس کا نام نہیں لیا ہے۔اُن کی خاموشی سے شک کہیں اور ہی جا رہا ہے۔

"اُوئے دیتو......" میر تاج نے اُسے مخاطب کیا۔"برکت تیرا یار ہے ناں؟پکا یار ہے تیرا وہ۔کیوں ٹھیک کہہ رہا ہوں میں۔"

"ہاں جی چوہدری صاحب۔" دیتو نے کہا۔"یاری اپنی جگہ لیکن اس وقت آپ کے لئے سب کچھ قربان ہے چوہدری صاحب۔"

"مجھے تیری نمک حلالی پر بڑا یقین ہے۔لیکن اُس نے مجھے انکار کیا اچھا نہیں لگا۔اور جب یہ کہا کہ آپ کوئی اور گھر دیکھ لیں مجھے اور بھی بُرا لگا۔خیر......نکاح تو اُسی سے کروں گا۔تُو شہر چلا جا اور برکت کی خبر شبر لے۔"

"سنا ہے برکت کو کل چھٹی ہو جائے گی۔گھر مل لوں گا۔" دیتو نے کہا۔

"چل ایسا کر لینا۔" میر تاج نے بے فکری سے کہا۔"یہ بھی ٹھیک ہی ہے۔جب وہ آ رہا ہے تو ہم شہر کیوں جائیں۔"

اسی اثنا میں میر تاج کا فون آ گیا۔دیتو نے فون بڑے احترام سے سنا اور پھر فون میر تاج کی طرف بڑھاتے ہوئے آہستہ سے بتایا۔"حافظ صاحب ہیں۔"

حافظ صاحب کا نام سنتے ہی میر تاج چونک پڑا۔

حافظ صاحب شہر میں ایک بہت بڑا مدرسہ چلاتے تھے۔جامع مسجد کے امام بھی تھے۔وہ بہت ہی نیک انسان تھے۔اُن کا دل ہر طمع سے مبرا تھا۔وہ قطعاً دنیا دار نہیں تھے۔میر تاج کی اُن کے ساتھ خاص علیک سلیک تھی۔اور وہ حافظ صاحب کی بہت عزت کرتا تھا۔وہ میر تاج کا ایک ہی روپ جانتے تھے۔جو اُنہوں نے جنت بی بی کی زندگی میں دیکھا تھا۔جنت بی بی رشتے میں حافظ صاحب کی دور کی بہن لگتی تھی۔

برکت کا سسر بھی حافظ صاحب کے اچھے تعلق والوں میں شامل تھا۔باجراں نے ساری بات برکت کے سسر کے گوش گزار کرنے کے بعد کہا کہ اس کا ایک ہی حل

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے' اگر کوئی میر تاج کو لگام دے سکتا ہے تو وہ حافظ صاحب ہیں۔ چنانچہ وہ اُسی وقت حافظ صاحب کے پاس جا پہنچے۔

ساری بات سننے کے بعد حافظ صاحب نے پہلے میر تاج کے لئے ہدایت کی دُعا کی اور پھر فون ملایا۔

''السلام علیکم۔'' حافظ صاحب کی آواز اُبھری۔

''وعلیکم السلام حافظ صاحب۔'' میر تاج نے بڑے احترام سے جواب دیا۔ پہلے تو حافظ صاحب نے اِدھر اُدھر کی باتیں کیں اور پھر بات برکت کے معاملے پر لاتے ہوئے کہا۔

''بھائی میر تاج...... برکت دین ایک اچھے اور شریف انسان ہیں۔ آپ کا اُن کے ساتھ جھگڑا مناسب نہیں تھا۔''

''لیکن......'' میر تاج نے آنکھیں نچاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔ اُسے اُمید نہیں تھی کہ وہ لوگ حافظ صاحب تک جا پہنچیں گے۔

''بھائی میر تاج...... ہم اس بات کی تفصیل میں جائیں' بہتر ہے کہ آپ ہماری درخواست پر اور اللہ کی رضامندی کے لئے سب کچھ بھول کر برکت دین کے گھر جا کر صلح کر لیں۔'' دوسری طرف انتہائی شائستہ لہجے میں آواز آئی۔

میر تاج نے دیتو کی طرف دیکھا اور پھر لاچاری سے کہا۔ ''جو آپ کا حکم۔''

''ہم نے برکت دین کے گھر والوں سے بھی استدعا کی ہے۔ وہ اس معاملے کو اسی جگہ ختم کر کے اسے بھول جائیں۔ اور خوامخواہ کسی سے ذکر نہ کریں۔''

اس کے بعد چند دوسری باتوں کے بعد رابطہ منقطع ہو گیا۔ فون دیتو کو دینے کے بعد میر تاج نے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔'' حافظ صاحب کی بات کو انکار نہیں ہے۔ میں برکت کے گھر چلا جاؤں گا لیکن ثریا کو ہر صورت اپنے نکاح میں لے کر رہوں گا۔ وہی میری اس حویلی کی دوسری چوہدرانی ہوگی۔''

❋

برکت ہسپتال سے اپنے گھر آ گیا تھا۔ اُس کی ٹانگ پر ابھی تک پلستر چڑھا ہوا تھا۔ ہسپتال میں جانے کی وجہ سے اُس کی دکان بھی بند پڑی ہوئی تھی۔ نسرین نے برکت کو بتا دیا تھا کہ اُس نے ہاجراں کے کہنے پر حافظ جی سے اس معاملے میں رابطہ کیا تھا۔

اُسی شام کو میر تاج اپنے تینوں بیٹوں اور دیتو کے ساتھ برکت کے گھر چلا گیا۔ گاؤں کے جس شخص نے بھی دیکھا' وہ یہی سمجھا کہ میر تاج اپنے بیٹوں کے ساتھ برکت کی عیادت کے لئے گیا ہے۔

کمرے میں اُس وقت برکت' اُس کے تینوں بچے اور میر تاج اپنے بیٹوں کے ساتھ تھا۔ کچھ دیر کے بعد نسرین بھی گھونگھٹ کئے آ گئی تھی اور ایک طرف ہو کے بیٹھ گئی تھی۔

میر تاج نے برکت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔'' برکت...... ساری دنیا ایک طرف ہو جاتی تو بھی مجھے اس کے لئے نہ منا سکتی کہ میں تیرے گھر آ کر تجھ سے صلح کروں۔ لیکن میں حافظ صاحب کا کہا کسی بھی قیمت پر نہیں ٹال سکتا۔ اس لئے تیرے پاس آیا ہوں۔ میں اس معاملے کو اسی جگہ ختم کرتا ہوں۔ جو بھی ہوا تم بھی بھول جاؤ اور میں بھی بھول جاتا ہوں۔''

''مجھے بھی حافظ صاحب کی ہدایت ہے۔ جو بھی ہوا میں اس معاملے کو ختم کرتا ہوں۔'' برکت نے میر تاج کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے ہم چلتے ہیں۔'' میر تاج اُٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ کے لئے لسی پانی آ رہا ہے۔'' برکت نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" میر تاج نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"چوہدری صاحب ابھی آپ تشریف رکھیں۔ابھی آ کر ابھی چلے گئے تو باہر کھڑے گاؤں کے لوگ کیا سوچیں گے۔چوہدری میر تاج عیادت کے لئے آئے تھے کہ برکت سے صرف ہاتھ ملا کر باہر آ گئے۔" دیتو نے دانش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔

میر تاج نے اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔" دیتو......تیری عقل کو داد دینی پڑے گی۔" میر تاج پھر بیٹھ گیا۔

گاؤں والوں کو دکھانے کے لئے میر تاج نے اِدھر اُدھر کی باتوں میں پون گھنٹہ گزارنے کے بعد برکت سے رخصت لی اور باہر نکل گیا۔باہر اس گلی کے کئی لوگ باہر کھڑے تھے۔دیتو نے عین وقت پر عقل مندی کا ثبوت دیا تھا۔

جب تک میر تاج برکت کے گھر میں رہا اُسے دو آنکھیں بڑے غور سے دیکھ رہی تھیں۔یہ ہی آنکھیں میر تاج کے چہرے سے اُس کے بیٹوں کے چہروں پر باری باری جاتیں اور پھر میر تاج کے چہرے پر آ کر جم جاتی تھیں۔وہ آنکھیں برکت کے منجھلے بیٹے کی تھیں۔اُن آنکھوں میں نفرت تھی۔حالانکہ وہ بچہ چھ سال کا تھا۔لیکن اس کی الگ ہی بات تھی۔اُس کے دیکھنے کا انداز بھی دوسرے بچوں سے مختلف تھا۔

اپنی حویلی میں پہنچ کر میر تاج کا غصہ آسمان سے باتیں کرنے لگا تھا۔حافظ صاحب کا حکم اس کے لئے بڑی اہمیت کا حامل تھا۔لیکن ثریا سے نکاح کرنے کا جنون اور بھی بڑھ گیا تھا۔

میر تاج نے سوچ لیا تھا کہ وہ ثریا کو اُس کے گھر سے اغوا کر کے شہر لے جائے گا اور نکاح کر لے گا۔اس کے بعد اگر پھر حافظ صاحب نے مداخلت کی تو وہ سوچ لے گا کہ اس بار اُس نے کیا کرنا ہے۔

اسی رات کو میر تاج کے سینے پر شدید درد اُٹھا اور ڈاکٹر کے آنے سے پہلے وہ موت کی وادی میں چلا گیا۔باپ کے سرہانے اُس کے تینوں بیٹے منظور احمد، فرزند علی اور یاور حیات افسردہ کھڑے تھے۔

❀✪❀

وقت ایسا پرندہ ہے جو ایک پل کے لئے بھی اپنی اُڑان نہیں روکتا' اور اُڑتا ہی رہتا ہے۔وقت کی اس اُڑان میں بہت کچھ پیچھے رہ جاتا ہے اور بہت کچھ نیا اُس جگہ پر آ جاتا ہے۔بہت کچھ یادوں میں محفوظ رہ جاتا ہے۔اور ایسا بھی ہوتا کہ کوئی کسی کو بھلا دیتا ہے۔اور اندھیروں میں دفن کر دیتا ہے۔

میر تاج کی موت کے بعد بھی بہت کچھ بدل گیا۔حویلی کی نشست گاہ میں میر تاج کی جنت بی بی کے ساتھ بہت بڑی تصویر سامنے دیوار کے ساتھ آویزاں ہو گئی تھی۔میر تاج کی جگہ منظور احمد نے لے لی تھی۔بھائی اُس کا احترام ایسے ہی کرتے تھے جیسے وہ اپنے باپ کا کرتے تھے۔فیصلے کا اختیار اُسی کے پاس تھا۔تینوں بھائیوں میں اتفاق تھا۔تینوں بھائی اس گاؤں کے ہی نہیں بلکہ اس گاؤں میں بسنے والوں کے بھی اپنے آپ کو مالک سمجھتے تھے۔اُن کا رویہ گاؤں کے لوگوں کے ساتھ اُن کی حیثیت کے مطابق منقسم تھا۔دیتو اَب منظور احمد کے دائیں بائیں دکھائی دیتا تھا۔اس کا کام اور ذمہ داری اور بھی بڑھ گئی تھی۔

اگر کوئی اس حویلی میں کسی کے ساتھ اتفاق نہیں کرتی تھی تو وہ نور بانو تھی۔جو اپنی مرضی سے اس حویلی میں رہتی تھی۔اس کا مزاج ہوتا تو وہ منظور احمد کے ساتھ ہنس کھیل کر بات کر لیتی تھی' کسی بات کا غصہ ہوتا تو اس کا اظہار کرنے میں وہ تامل سے کام نہیں لیتی تھی' کسی پرانی بات پر کوئی طنز کا تیر چھوڑنا ہوتا تو اُس کی پروا بھی نہیں کرتی تھی۔منظور احمد ان باتوں کا عادی ہو گیا تھا کبھی وہ غصہ کر لیتا تھا اور اکثر وہ اس کی باتوں کو ہوا میں اُڑا دیتا تھا۔

فلک شیر کی عمر چودہ سال ہو گئی تھی۔وہ ایک سمجھ دار نوجوان تھا۔نور بانو کا رویہ اس عمر میں ہی وہ جان گیا تھا۔جیراں کے لئے اس حویلی کے کسی کمرے میں رہنے پر مکمل پابندی لگ گئی تھی۔فلک شیر اکیلا ہی کمرے میں سوتا تھا۔بھوک لگتی تھی تو ملازمہ سے کہہ دیتا تھا۔کچھ اور کہنا ہوتا تو باپ سے اظہار کر دیتا تھا۔فلک شیر کے ساتھ فرزند علی اور یاور حیات کے بچے کھیلتے تھے۔نور بانو اپنے بچوں کو اُس کے پاس جانے کے لئے ایسے ہی سختی سے روک دیتی تھی جیسے فلک شیر کو کوئی چھوت کی بیماری ہو۔فلک شیر گاؤں کے ہی سکول میں پڑھتا تھا۔حالانکہ نور بانو کو اس بات پر بھی چڑ تھی کہ وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سکول کیوں جاتا ہے۔فلک شیر دوسرے تمام بچوں سے پڑھنے لکھنے میں ذہین تھا۔

نور بانو کے دو بچے تھے۔ایک ناصر خان تھا اور دوسری بیٹی عروج تھی۔فرزند علی کے تین بچے تھے۔ایک سکندر خان‘دوسرا نوید خان اور تیسری بیٹی سیماں تھی۔جبکہ یاور حیات کے چار بچے تھے۔بڑی راحیلہ تھی۔دوسرے نمبر پر نصیر احمد‘پھر نثار احمد‘اور پھر بیٹی شمسہ تھی۔

اس حویلی کے ساتھ ہی تھوڑے تھوڑے فاصلے پر دو اور حویلیاں کھڑی ہوگئی تھیں۔ایک فرزند علی اور دوسری یاور حیات کے لئے تھے۔دونوں بھائی چند دنوں کے بعد اپنی اپنی حویلی میں منتقل ہو رہے تھے۔تینوں بیٹوں کے لئے تین بڑی حویلیوں کی خواہش میر تاج کی تھی۔جسے تینوں بھائیوں نے باہمی مشورے سے پورا کردیا تھا۔

تینوں بھائی باپ کی طرح ہی سخت تھے۔اور اُسی کی طرح نرمی کے غلاف میں اپنا اصل چہرہ چھپائے ہوئے تھے‘لیکن اس میں وہ اَب ناکام ہوگئے تھے۔گاؤں والے اُن کے شر کی وجہ سے عزت کرنے لگے تھے۔گاؤں کے مظلوم پر بھی اگر وہ ظلم کرنے پر آتے تھے تو پھر اُنہیں کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

گاؤں کے کمہار دتے کے بیٹے فضل کا جب پوسٹ ماسٹر کی بیٹی کے ساتھ عشق بڑھ گیا اور دونوں نے شادی کرنے کا فیصلہ کرلیا تو پتہ چلتے ہی پوسٹ ماسٹر کی رگوں میں آگ دوڑنے لگی۔اُس نے پہلے تو دتے کمہار کی وہ بے عزتی کی کہ جسے اس عشق کا پتہ نہیں تھا‘اُسے بھی پتہ چل گیا۔کمہار دتہ غریب اور شریف آدمی تھا۔اُس نے ہاتھ جوڑ دیئے کہ وہ اپنے پتر کو دوسرے گاؤں اپنے بھائی کے گھر بھیج دے گا‘وہ اس معاملے کو اسی جگہ ختم کردے۔لیکن پوسٹ ماسٹر کو اپنے ایک تعلق پر زُعم تھا۔وہ سیدھا اُس کے پاس چلا گیا۔

اُس کا تعلق میر تاج کے تینوں بیٹوں کے ساتھ تھا۔اُس نے ان سے کہا کہ وہ پوسٹ ماسٹر کی مدد کرے۔تینوں بھائی اپنا تعلق نبھانے پر جُت گئے۔اور فضل کو تھانیدار مارتا ہوا تھانے لے گیا۔وہاں بھی اُس کی ایسی پٹائی ہوئی کہ فضل کے جسم سے خون رسنے لگا۔

دتہ کمہار تینوں بھائیوں کے پاؤں پڑ گیا۔ہاتھ جوڑ دیئے‘منتیں کرنے لگا‘لیکن

اُن پر کوئی اثر نہ ہوا اور فضل کو ایسی مار پڑتی رہی کہ جب وہ تھانے سے باہر نکلا وہ ذہنی طور پر مفلوج ہوگیا تھا۔باپ اور بھائیوں کے ساتھ مل کر کام کرنے والا فضل پاگل ہوگیا اور گلی گلی پھرنے لگا‘بھکاریوں کی طرح لوگوں سے مانگ کر کھانے لگا۔

ایک بار جیپ میں منظور احمد‘فرزند علی اور یاور حیات‘دیتو کے ساتھ بیٹھ کر آرہے تھے تو فضل اُن کی جیپ کے سامنے آگیا۔جیپ منظور احمد کے کہنے پر روک دی گئی۔تینوں بھائیوں سے وہ کچھ کھانے کے لئے مانگنے لگا۔تینوں بھائیوں نے پہلے اپنا دل خوش کرنے کے لئے اُس عاشق کا مذاق اُڑایا‘وہ کھل کر ہنسے اور پھر باری باری تینوں نے دس‘دس کے نوٹ نکال کر سڑک پر پھینک دیئے اور ہنستے ہوئے وہ آگے چلے گئے‘کچی سڑک پر اُڑتے نوٹوں کو فضل پکڑنے کے لئے بھاگ رہا تھا۔کچھ فاصلے پر ایک درخت کے نیچے اُن بھائیوں کی حرکات کوئی نفرت سے دیکھ رہا تھا۔

❀✪❀

اُس دوپہر جب منظور احمد حویلی میں داخل ہوا تو فلک شیر اکیلا ہی ایک طرف ہو کے بیٹھا تھا۔جبکہ کچھ فاصلے پر اُس کے دوسرے بچے آپس میں ہنس کھیل رہے تھے۔جبکہ فلک شیر اُن کو دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔منظور احمد کو اس وقت فلک شیر کا اس طرح سے اکیلا بیٹھنا اچھا نہیں لگا تھا۔وہ دیتو کے ساتھ اپنے کمرے میں چلا گیا۔

”دیتو......“کرسی پر بیٹھتے ہوئے منظور احمد نے متانت سے دیتو کو پکارا۔

”جی چوہدری صاحب۔“دیتو کے سر کے بالوں میں سفیدی واضح طور پر دکھائی دینے لگی تھی۔وہ پہلے سے بھی زیادہ مشاق ہوگیا تھا۔اُس کی مستعدی کا انداز وہی تھا جو چوہدری میر تاج کی زندگی میں ہوا کرتا تھا۔

”فلک شیر اس حویلی میں غیروں کی طرح ہے۔“منظور احمد نے سوچتے ہوئے کہا۔

”کچھ ایسا ہی ہے چوہدری صاحب۔“دیتو نے سر ہلاتے ہوئے اُس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

”کیا کیا جائے دیتو......کوئی مشورہ دو۔“منظور احمد اپنی پریشانی اور سوچوں سے باہر نہیں نکلا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اتنے سال گزر گئے فلک شیر کو آپ کے دوسرے بچوں کے ساتھ گھل مل جانے کی اجازت نہیں مل سکی۔اگر آپ مناسب سمجھیں تو ایک تجویز دماغ میں آئی ہے۔" دیتو نے کہا۔

"ہاں ہاں بولو کیا بات دماغ میں آئی ہے۔"منظور احمد اُس کے لئے واقعی سنجیدہ تھا اس لئے اُس نے جلدی سے پوچھا۔

"آپ کے دوست شہر میں رہتے ہیں۔ضیا احمد صاحب۔" دیتو نے کہا۔

"ہاں ...... ہاں ...... پھر......؟"منظور احمد نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"ڈیڑھ ہفتہ پہلے جب وہ یہاں آئے تھے تو اُنہوں نے آپ کو مشورہ دیا تھا کہ فلک شیر کو آپ شہر بھیج دیں۔وہاں یہ ہوسٹل میں رہ کر پڑھ لکھ لے گا۔" دیتو نے کہا۔

"اس طرح فلک شیر دور ہو جائے گا۔"منظور احمد نے کہا۔

"وہاں فلک شیر کی دیکھ بھال بہت اچھی ہوگی۔ ہفتہ وار یا مہینے میں ایک بار فلک شیر آ کر مل جایا کرے گا۔اور پھر آپ بھی تو شہر آتے جاتے رہتے ہیں۔" دیتو نے کہا۔

"بات تو ٹھیک ہے دیتو۔"منظور احمد نے اُس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا

"اس کا ایک اور بھی فائدہ ہوگا۔" دیتو نے کہا۔

"وہ کیا؟"منظور احمد نے اُس کی طرف دیکھا۔

"اَب تو سکول جاتا فلک شیر اچھا نہیں لگتا۔نظر سے دور رہے گا تو کیا پڑھتا ہے کیا کرتا ہے' کسی کی نگاہ میں نہیں آئے گا۔" دیتو نے کہا۔

"دیتو......ابا جی تیری تعریف ایسے ہی نہیں کیا کرتے تھے۔تُو بڑے کام کی چیز ہے۔ضیا کو فون لگا۔"منظور احمد نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

دیتو نے اُسی وقت ضیا احمد کو فون کیا۔ضیا احمد شہر میں ایک بڑے کاروباری آدمی کی حیثیت رکھتا تھا۔وہ منظور احمد کا دوست بھی تھا اور مل کر وہ کسی نہ کسی جگہ منافع کی غرض سے سرمایہ کاری بھی کرتے تھے۔ضیا احمد کو فلک شیر کے بارے میں منظور احمد

نے سب بتا دیا تھا۔حویلی میں اُس کے الگ تھلگ رہنے کے انداز کو بھی اُس نے دیکھ لیا تھا اور اسی لئے اُس نے منظور احمد کو مشورہ دیا تھا کہ وہ فلک شیر کو شہر ہوسٹل میں داخل کرا دے۔

منظور احمد نے جب ضیا احمد سے فلک شیر کے بارے میں بات کی تو اُس نے جلدی سے کہا کہ وہ فلک شیر کو کل ہی بھیج دے۔وہ بہترین سکول اور ہوسٹل میں اسے داخل کرا دے گا۔فلک شیر کو داخل کرانا اس کے لئے کوئی بھی مسئلہ نہیں ہے۔اُس کا اتنا اثر و رسوخ تھا کہ جسے وہ استعمال کر کے فلک شیر کو شہر کے بہترین سکول میں داخل کرا سکتا تھا۔

منظور احمد نے اُس سے بات کرنے کے بعد فلک شیر کو اپنے پاس بلایا اور کہا۔"فلک شیر میں نے تمہاری پڑھائی کا انتظام شہر میں کر دیا ہے۔اَب تُو شہر ہی رہے گا۔جو پڑھنا چاہے پڑھ......جتنا پڑھنا ہے تیری مرضی اور پڑھ کر کچھ بھی بننا ہے وہ بن......"

"اَب میں شہر رہوں گا؟"فلک شیر نے منظور احمد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔وہ کچھ حیران بھی ہوا تھا کہ یہ اچانک کیسے فیصلہ ہو گیا ہے۔

"ہاں۔"منظور احمد نے کہا۔

فلک شیر نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ یہاں بھی وہ اکیلا ہی ہے شہر میں بھی وہ اکیلا ہی رہے گا۔کیا فرق پڑے گا۔شہر میں ہوسکتا ہے اس کے بہت سارے دوست بن جائیں۔جبکہ اس گاؤں میں اس کا ایک ہی دوست تھا۔جب بھی حویلی سے باہر جانے کا موقعہ ملتا تھا وہ اُسی کے پاس چلا جاتا تھا۔اور اُسی کے ساتھ باتیں کرتا تھا......اُس کا نام......علی گوہر......تھا۔

علی گوہر کی عمر ساڑھے پندرہ سال تھی لیکن وہ اپنے دماغ اور سوچ سے اس سے بھی بڑا لگتا تھا۔وہ کسی چیز کو جاننے کے لئے اُس کی گہرائی میں جائے بغیر نہیں رہتا تھا۔وہ کھوجی طبیعت کا مالک تھا'وہ انتہائی زیرک'مشاق اور دماغ کا استعمال کرنے والا لڑکا تھا۔اُس کی نگاہ اگر آسمان کی بلندی پر مرکوز ہوتی تھی تو اُس کی سوچ کہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زمین پر ہی گردش کر رہی ہوتی تھی اور سوچ فاصلوں کی مسافت طے کر کے جانے کہاں بھٹک رہی ہوتی تھی تو نگاہیں پاس ہی ناچ رہی ہوتی تھیں ۔وہ بہت گہرا تھا۔ سمندر کی مانند......جس کی تہہ میں کیا ہے کوئی نہیں جانتا تھا۔کچھ نہ کچھ جاننے کی جستجو میں رہتا تھا۔اُس کا حافظہ اچھا تھا' جو بھی جانتا تھا وہ محفوظ کر لیتا تھا

علی گوہر......برکت دین کا منجھلا بیٹا تھا۔

برکت کے بڑے بیٹے کا نام اسلم تھا۔وہ پانچ جماعتیں ہی پڑھ سکا تھا۔برکت کی وہ ٹانگ جو میر تاج کے بیٹوں نے توڑ دی تھی' اور آپریشن کے بعد وہ بیساکھی کے سہارے چلنے لگ گیا تھا۔اُس کی ٹانگ ابھی پوری طرح سے ٹھیک نہیں ہوئی تھی کہ ایک دن پھر وہ چلتے ہوئے گر گیا اور ٹانگ پھر سے ٹوٹ گئی۔اور علاج کے باوجود ٹانگ کی تکلیف کم نہ ہوئی' اور برکت اسی تکلیف میں دنیا چھوڑ گیا تھا۔

باپ کے جانے کے بعد اسلم نے پڑھائی چھوڑی اور دکان سنبھال لی۔وہ پوری ذمہ داری سے دکان داری کرتا تھا۔اور چاہتا تھا کہ اگر وہ نہیں پڑھ سکا تو علی گوہر ضرور پڑھ لے۔علی گوہر اسکول ضرور جاتا تھا' کیا پڑھتا تھا' یہ وہی جانتا تھا۔

علی گوہر سے چھوٹی اُن کی بہن تھی جس کا نام زینت تھا۔وہ بھی اسکول جاتی تھی۔جبکہ اُن کی ماں' اپنے شوہر کے غم میں بستر سے جا لگی تھی۔

علی گوہر نے بہت کچھ یاد رکھا ہوا تھا۔اور جو یاد نہیں تھا وہ اُسے اُس کی پھوپھی ہاجراں یاد کراتی رہتی تھی۔ہاجراں جانتی تھی کہ علی گوہر کوئی عام سا لڑکا نہیں ہے۔ہاجراں کے بھائی برکت کے ساتھ جو زیادتی میر تاج اور اُس کے بیٹوں نے کی تھی وہ بھولی نہیں تھی اور نہ ہی اُس نے علی گوہر کو بھولنے دیا تھا۔وہ اُس بتاتی رہتی تھی کہ اُس کے باپ کے ساتھ میر تاج اور اُس کے بیٹوں نے کیسے زیادتی کی تھی۔

وہ اُس کے اندر یہ احساس جگائے رکھتی تھی کہ آج اگر اُس کا باپ اس دنیا میں نہیں ہے تو اس کی وجہ میر تاج اور اُس کے بیٹے ہیں۔اُس کی ماں اپنے شوہر کے غم میں بستر سے لگی ہے تو اس کی وجہ بھی وہی لوگ ہیں۔

علی گوہر سب کچھ اپنے دل و دماغ میں محفوظ کرتا رہتا تھا۔میر تاج اور اُس کے بیٹوں نے جو زیادتی اُس کے باپ کے ساتھ کی تھی اور اس کے نتیجے میں جو کچھ ہوا

تھا' اُس کی سلگن اُس کے سینے میں ہر روز تازہ رہتی تھی۔

علی گوہر حویلی بھی جاتا رہتا تھا۔منظور احمد اور اُس کے دوسرے بھائی علی گوہر کے ساتھ باتیں بھی کرتے تھے۔اُس سے اچھی طرح سے ملتے بھی تھے۔علی گوہر نے اپنی باتوں سے اُن تینوں بھائیوں کے ساتھ اچھا تعلق قائم کیا ہوا تھا۔علی گوہر کی اُن بھائیوں کی اُولادوں کے ساتھ بھی دوستیاں تھیں۔وہ دوست اور تعلق بنانا جانتا تھا۔وہ پورے گاؤں میں پھرتا تھا' اور کوئی نہیں تھا جو علی گوہر کو نہ جانتا ہو۔علی گوہر کا کمال یہ تھا کہ اُس کا تعلق ایک بوڑھے سے لے کر جوان تک اور ہم عمر سے لے کر بچے تک تھا۔اُس کا سب کے ساتھ رویہ ایسا دوستانہ تھا کہ سب ہی اُس سے ہنس کر ملتے تھے اور خوش ہو کر بات کرتے تھے۔وہ ایک ہر دلعزیز شخصیت کا مالک تھا۔

حویلی کے کسی فرد کے ساتھ وہ مخلص تھا کہ نہیں......لیکن فلک شیر کے ساتھ اُس نے اپنا تعلق کسی بھی مطلب کے بغیر رکھا تھا۔وہ اپنے باپ کی زندگی میں ہی جان گیا تھا کہ فلک شیر کس کا بیٹا ہے۔اُس نے کئی بار اپنے باپ اور دیتو کی باتیں چھپ کر سنی تھیں۔اور کچھ باتیں اُس نے اپنے باپ سے کرید کرید کر پوچھ لی تھیں' رہی سہی کسر ہاجراں نے اُسے بتا کر پوری کر دی تھی۔اور ہاجراں نے سوچا ہوا تھا کہ وہ اپنی آخری سانس تک علی گوہر کو بتاتی رہے گی۔اُسے یاد کراتی رہے گی' تا کہ وہ بھول نہ جائے اور میر تاج کے بیٹے انتقام سے بچ جائیں۔

کوئی نہیں جانتا تھا کہ علی گوہر کیسا جال بُن رہا ہے۔ہاجراں کے دل کی مراد تھی کہ علی گوہر......میر تاج کے بیٹوں سے ایسا انتقام لے کہ سارا گاؤں دیکھے۔برکت اور ہاجراں دو ہی بہن بھائی تھے۔برکت کے جانے کا ہاجراں کو کتنا دکھ تھا' اس کا بیان کرنا اس کے لئے ناممکن تھا۔وہ بھائی کی جدائی کی آگ کی سلگن میں جل رہی تھی۔

اُس وقت علی گوہر ایک درخت کے نیچے نیم دراز اپنے منہ میں گھاس کا تنکا لئے ہوئے تھا کہ فلک شیر آ گیا۔

"مجھے پتہ تھا کہ تم مجھے یہاں ہی ملو گے۔" فلک شیر نے آتے ہی کہا۔

"ارے فلک شیر تم......اس وقت۔" علی گوہر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

"تیری ماں نے تجھے کیسے باہر نکلنے کی اجازت دے دی؟"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تجھ سے ملنے کے لئے آیا ہوں۔" فلک شیر نے اُداس سا ہو کر کہا۔

"حویلی سے نکال دیا ہے کیا؟" علی گوہر مسکرایا۔

"ابا مجھے شہر بھیج رہے ہیں۔اَب میں ہوسٹل میں رہوں گا۔" فلک شیر نے بتایا۔

علی گوہر اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔"واہ......تیری تو موج ہوجائے گی۔شہر رہے گا۔شہر کی بات ہی الگ ہے۔"

"ہاں شہر کی بات الگ ہوگی۔لیکن میرے لئے کیا فرق پڑے گا۔یہاں بھی اکیلا ہوں وہاں اور بھی اکیلا ہوجاؤں گا۔" فلک شیر نے اُداسی سے کہا۔

"تیرا باپ تجھے بڑا آدمی بنانا چاہتا ہے۔اسی لئے شہر بھیج رہا ہے۔قربانی تو دینی ہی پڑتی ہے پیارے۔" علی گوہر نے اُس کا بازو پکڑ کر ہلاتے ہوئے کہا۔

"یہ بات نہیں ہے۔لگتا ہے اَب میری دوسری ماں مجھے بالکل برداشت نہیں کرنے لگی ہے۔اسی لئے تو چاہتی ہے کہ میں اُس کی نظروں سے اور بھی دور ہوجاؤں۔" فلک شیر نے کہا۔"کاش میری ماں نہ مرتی......" فلک شیر اور بھی اُداس ہوگیا تھا۔

علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھا اور دانتوں میں دبا ہوا تنکا منہ سے دور پھینکا اور باریک سی ہنسی چھوڑتے ہوئے بولا۔"تجھے تیرے باپ نے یہ بتایا ہے کہ تیری ماں مر گئی ہے؟"

"کیا مطلب؟" فلک شیر نے اُس کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھا۔"سب ہی یہ کہتے ہیں۔"

علی گوہر اپنی جگہ سے اُٹھا اور دور دیکھتے ہوئے بولا۔"ٹھیک ہی کہتے ہیں۔تمہاری ماں مر ہی تو گئی ہے۔" علی گوہر کا لہجہ معنی خیز ہوگیا تھا۔

"پتہ نہیں تو کیا کہتا رہتا ہے۔اچھا میں چلتا ہوں۔" فلک شیر اُٹھ کھڑا ہوا۔

"آتا رہے گا ناں؟" علی گوہر نے پوچھا۔

"ہاں آتا رہوں گا۔جب بھی آؤں گا تجھے ضرور ملوں گا۔" فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"صبح سویرے شہر کے لئے نکل جاؤں گا۔"

علی گوہر اُس کے پاس جا کر بولا۔"ایک تُو ہی ہے جس سے میری پکی یاری

ہے۔باقی سب تو ایسے ہی ہے۔" علی گوہر کی نگاہ اچانک اُس پگڈنڈی پر چلی گئی جس پر رخسانہ چلتی ہوئی اسی طرف آرہی تھی۔اُس کے گزرنے کا یہی راستہ تھا۔علی گوہر نے فلک شیر کو اپنے گلے سے لگایا' اُس کے کندھوں کے اُوپر سے رخسانہ کی طرف دیکھا اور فلک شیر سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔"ٹھیک ہے ملتے رہیں گے۔"

"خدا حافظ۔" فلک شیر نے کہا اور بغیر رخسانہ کی طرف دیکھے واپسی کی طرف چل پڑا۔علی گوہر پھر اپنی جگہ پر جا کر بیٹھ گیا۔

رخسانہ اُس کی ہم عمر ہی تھی۔وہ ابھی سے اپنے اندر ایسی خوبصورتی رکھتی تھی کہ کوئی بھی اُسے دیکھتے ہی اُس پر فدا ہوسکتا تھا۔رخسانہ اس گاؤں کے پٹواری کی بیٹی تھی۔وہ سکول پڑھتی تھی۔دونوں جب بھی ایک دوسرے کو دیکھتے تھے ایک دوسرے سے مسکراہٹوں کا تبادلہ ضرور کرتے تھے۔لیکن دونوں نے کبھی بھی ایک دوسرے سے بات نہیں کی تھی۔

رخسانہ کے دل میں علی گوہر کے لئے بارش کے پہلے قطرے کی طرح چاہت کی بوند گری تھی۔اُس کی معصوم آنکھوں میں علی گوہر خود بخود بس گیا تھا۔اس معاملے میں وہ خود بے اختیار تھی۔اُسے دیکھتے ہی وہ صبح سویرے کھلنے والی کلی کی طرح مسکرا ضرور پڑتی تھی۔وہ اُس کی سوچوں پر ابھی سے قابض ہوگیا تھا جبکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ عشق کیا ہوتا ہے' محبت کس سمندر کا نام ہے' اور چاہت کی ندی کہاں تک بہتی ہوئی جاتی ہے۔

علی گوہر کے بارے میں وہ نہیں جانتی تھی کہ اُسے دیکھنے والا' اور اُس کی طرف دیکھ کر اپنی مسکراہٹ نچھاور کرنے والا' عشق' محبت اور چاہت کی کس سیڑھی پر براجمان ہے۔اگر رُخسانہ یہ جان جاتی تو پھر وہ علی گوہر تو نہ ہوتا۔

رُخسانہ اپنی دھیمی چال چلتی ہوئی اُس کے قریب آئی اُس نے ایک نظر اُٹھا کر علی گوہر کی طرف دیکھا اور پہلے سے اُس جانب دیکھتا ہوا علی گوہر اُس کی اُٹھتی نگاہ کے ساتھ ہی مسکرایا' رُخسانہ بھی مسکرائی اور وہ اُس کے سامنے سے گزر گئی۔جانے یہ کتنی بار ایسا ہوا تھا' کب اور کیسے ایسا ہونا شروع ہوگیا تھا' دونوں اس سے لاعلم تھے۔لیکن جب بھی ایک دوسرے کو دیکھتے مسکراتے ضرور تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فلک شیر صبح سویرے دیتو اور ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ کر شہر کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ منظور احمد نے فلک شیر کے شہر جانے کی بات کسی کو نہیں بتائی تھی۔ صبح جب کار حویلی سے نکل گئی تو نور بانو کو پتہ چلا کہ دیتو کے ساتھ فلک شیر کہیں گیا ہے۔

منظور احمد جب فلک شیر کو رخصت کرنے کے بعد واپس کمرے میں آیا تو نور بانو نے آتے ہی سوال کر دیا۔

”کہاں بھیج کر آ رہے ہیں آپ اپنے لاڈلے کو؟“

منظور احمد نے اُس کی طرف مسکرا کر دیکھا اور کہا۔ ”شہر بھیج دیا ہے اُسے۔“

”کیوں؟“ نور بانو نے پوچھا۔

”میری مرضی۔“ منظور احمد نے لاپروائی سے کہا اور پلنگ پر بیٹھ گیا۔ ”جب تیرا اُس کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے تو پھر کیوں پوچھتی ہے تُو۔ اپنے کام سے کام رکھ۔“

”پوچھ اس لئے رہی ہوں کہ ایک دو دن میں سب اپنی اپنی حویلیوں میں چلے جائیں گے۔ یہ حویلی میری اور میرے بچوں کی ہے۔ اُس کا بھی کہیں اور رہنے کا انتظام کیا ہے کہ نہیں۔“ نور بانو نے اُس کے سامنے کھڑی ہو کر کہا۔

”فلک شیر اَب شہر ہی رہے گا۔ وہاں پڑھے گا۔ کبھی کبھار وہ آ بھی جایا کرے گا۔“ منظور احمد نے اطمینان سے کہا۔

”کبھی کبھار آنے کا تکلف کیوں رکھا ہے؟“ نور بانو نے دانت پیس کر کہا۔ ”چلا ہی گیا ہے تو واپسی کا سوچے بھی نہ۔“

”میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ وہ میرا بیٹا ہے اور میرا ہی بیٹا رہے گا۔“ منظور احمد نے کہا۔

نور بانو نے تنک کر کہا۔ ”مرد ذات...... بیوی کو اپنانا نہیں ہے...... اُس سے نفرت ہے...... وہ پسند نہیں ہے...... اپنی ہوس کا گلا دبانے کے لئے سب کچھ بھول جانا پڑے تو بھول جاؤ...... جسے تم اپنا بیٹا کہتے ہو تو وہ تمہاری ہوس کا نتیجہ ہے۔“ نور بانو نے کہا اور لاپروائی سے کمرے سے چلی گئی۔ منظور احمد اسی جگہ بیٹھا اُس کے سلگتے

لفظوں کی آگ میں جلتا رہا۔ سارا گاؤں اُس کے آگے بولنے کی جرأت نہیں کرتا تھا اور ایک نور بانو تھی کہ وہ چپ نہیں رہ سکتی تھی۔ منظور احمد کا رعب اُس کے سامنے ریت کے ذروں کی طرح بکھر جاتا تھا۔

فلک شیر...... شہر کے بہترین سکول میں ضیا احمد کے اثر و رسوخ سے داخل ہو گیا تھا۔ گاؤں میں اُس کے پاس ایک پڑھنے اور بند کمرے میں ہی رہنے کا تو کام ہوتا تھا۔ اُس کی پڑھائی نے بھی اُس کے داخلے کے لئے معاون کردار ادا کیا تھا۔ فلک شیر کی رہائش اسی سکول کے ہوسٹل میں تھی۔

چند دنوں کے بعد ہی فلک شیر کو وہاں اچھے دوست مل گئے تھے۔ شام کو کبھی ضیا احمد اُسے اپنے گھر بھی لے جایا کرتا تھا۔ جتنا اچھا وہ خود تھا اتنی ہی اچھی اُس کی بیوی نجمہ بیگم بھی تھی۔ اُن کے دو بیٹے تھے جو فلک شیر سے بڑے تھے جبکہ اُن کی ایک بیٹی نیلم تھی جو کہ فلک شیر سے ایک سال چھوٹی تھی۔ سب ہی فلک شیر کے ساتھ گھل مل گئے تھے۔ اور فلک شیر کو گاؤں بہت جلدی بھول گیا تھا۔

فلک شیر دو ماہ کے بعد گاؤں گیا تو حویلی سے فرزند علی اور یاور حیات اپنی اپنی حویلیوں میں رہائش اختیار کر چکے تھے۔ فلک شیر کو وہ حویلی خالی خالی لگی۔ جب وہ اُس حویلی میں گیا تو نور بانو اپنے کمرے سے ہی باہر نہیں نکلی تھی۔ اُس کے بچوں میں بھی اُس جیسا ہی نخرہ تھا' وہ بھی جہاں تھے وہاں ہی رہے۔ منظور احمد بھی اُسے مل کر اپنے کسی کام سے باہر نکل گیا۔

فلک شیر حویلی سے باہر نکل آیا اور اُس نے سوچا کہ اُسے حویلی میں نہیں آنا چاہئے تھا۔ حویلی سے باہر نکل کر وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کہاں جائے اور اوپر کھڑکی سے نور بانو اس کا جائزہ لے رہی تھی۔

فلک شیر بدل گیا تھا۔ فلک شیر کا قد نکلا ہوا تھا اور اُس کا جسم صحت مند تھا۔ اُس نے پینٹ' شرٹ اور گہرے رنگ کا سویٹر پہنا ہوا تھا۔ پاؤں میں چمکتے بوٹ تھے۔ بالوں کی تراش خراش ایسی تھی کہ وہ پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت دکھائی دینے لگا تھا۔ اُسے دیکھ کر لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ اسی گاؤں کا ہے۔ اس کی شخصیت میں تغیر لانے میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

زیادہ ہاتھ نیلم کا تھا۔وہ ہی اُسے بتاتی تھی کہ اُسے کیا پہننا چاہئے'وہ کس لباس میں اچھا لگتا ہے۔

منظور احمد کے ساتھ کیونکہ ضیا احمد کا مشترکہ کاروبار بھی تھا اس لئے اُس نے ضیا احمد سے کہہ دیا تھا کہ وہ فلک شیر کو جتنے پیسوں بھی ضرورت ہو دیتا رہے اور اُس کے کھاتے میں لکھ دیا کرے۔فلک شیر کو بنانے سنوارنے میں نیلم نے اُسے اچھی خاصی شاپنگ کرادی تھی۔

فلک شیر کا رُخ اپنے چاچا فرزند کی حویلی کی طرف ہو گیا تھا۔ملازم اُسے اندر لے گیا۔فرزند کی بیوی بختاں نے جب فلک شیر کو دیکھا تو وہ خوش ہو کر اُس کی طرف بڑھی اور بولی۔''ارے تُو کب آیا فلک شیر؟''

''ابھی آیا ہوں چاچی جی۔''فلک شیر نے بڑی تمیز سے جواب دیا۔

''آؤ بیٹھو۔''بختاں نے کہا۔

''چاچا جی کہیں گئے ہوئے ہیں چاچی جی؟''فلک شیر نے متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ گئے ہی تو ہوتے ہیں۔تم بیٹھو میں کمرے کا سامان ٹھیک کرا رہی ہوں۔ابھی آتی ہوں۔اور کسی کو بھیجتی بھی ہوں۔دیکھو جب تک میں نہ آجاؤں تم جانا نہیں۔''بختاں نے کہا اور اپنے بچوں کو آوازیں دیتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

فلک شیر ابھی کھڑا حویلی کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ اُسے اپنے عقب میں آہٹ سنائی دی۔اُس نے گھوم کر دیکھا تو پیچھے سیماں کھڑی تھی۔کچھ شرمائی سی ڈری سی اور جانے کیوں سہمی سی تھی۔

''ارے سیماں کیسی ہو؟''فلک شیر نے پوچھا۔

''تم تو بالکل شہری لگنے لگے ہو؟''سیماں اُس کا جائزہ لیتی ہوئی بولی۔

''شہر میں رہتا ہوں تو شہری ہی لگوں گا۔لیکن تم کیوں ڈری ڈری سی لگ رہی ہو؟''فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ڈر لگتا ہے بابا......میں گاؤں کی رہنے والی اور تم اَب شہری بابو ہوگئے ہو۔پتہ نہیں میری کون سی بات تجھے بُری لگ جائے۔''سیماں نے کہا۔یہ کہتے ہوئے وہ

ڈری اور سہمی ہوئی نہیں لگ رہی تھی۔اِس کا مطلب یہ تھا کہ وہ جان بوجھ کر اِس انداز میں اُس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

فلک شیر اُس کی بات سن کر ہنسا اور بولا۔''میں تمہاری بات کا بُرا منانے والا کون ہوتا ہوں۔تم چاچا فرزند کی لاڈلی ہو۔اور میں کیا ہوں''

''تم بھی تو تایا منظور کے پُتر ہو۔''سیماں بھی فوراً بولی۔

''تم پھر بھی مجھ سے خوش قسمت ہو۔تجھے یہ تو پتہ ہے کہ ماں کیا ہوتی ہے اور مجھے اس کا پتہ ہی نہیں ہے۔''فلک شیر نے اُداس آنکھوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''فلک شیر......جب سے میں نے ہوش سنبھالا ہے یہ ہی سنا ہے کہ تیری ماں مر گئی ہے۔''سیماں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں......ابا نے بھی یہ ہی بتایا ہے۔سب یہ ہی کہتے ہیں۔''فلک شیر نے کہا۔

''پَر اُس دن تائی نور بانو تو امی سے کچھ اور ہی کہہ رہی تھیں۔''سیماں نے سوچتے ہوئے کہا اور فلک شیر کے چہرے کی طرف دیکھا۔

''کیا کہہ رہی تھیں؟''فلک شیر نے اشتیاق بھری نگاہوں سے سیماں کی طرف دیکھا۔

''غصہ تو اُن پر ہر وقت سوار رہتا ہے۔اُس دن بھی وہ بہت غصے میں تھیں۔''سیماں کہتے کہتے رک گئی اور فلک شیر کی طرف دیکھ کر بولی۔''چل رہنے دے۔سُنے گا تو تیرا دل خراب ہوگا۔''

''بتا ناں کیا کہا تھا؟''فلک شیر نے معصومیت سے سیماں کی طرف دیکھا۔اُس کے چہرے پر گہری متانت تھی اور آنکھیں اُس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

سیماں نے فلک شیر کی طرف دیکھا اور کچھ سوچنے کے بعد کہا۔''اگر تُو نے اپنے ابا سے بات کی تو میرا نام نہیں لینا ورنہ پھر تجھ سے میں کبھی نہیں بولوں گی۔''

''میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔''فلک شیر نے کہا۔

''وعدہ!''

''ہاں وعدہ''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''تائی نور بانو کہہ رہی تھیں کہ جیسے سکھاں کو حویلی سے نکالا تھا ویسے اسے بھی ساتھ ہی نکال دیتے۔سیاپا ختم ہوتا۔'' سیماں نے بتایا۔

سیماں کی بات سن کر فلک شیر اور بھی اُداس ہوگیا۔اُس نے سیماں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''میری ماں کو حویلی سے نکالا تھا......؟اس کا مطلب ہے کہ وہ غلط ہے جو یہ سب کہتے ہیں۔''

''اَب اس کا مجھے نہیں پتہ......میں نے تو تجھے وہ بتایا ہے جو میں نے تائی نور بانو کے منہ سے سنا تھا۔'' سیماں نے لاپروائی سے کہا۔''تب میں نے سوچا کہ اس کا مطلب صاف ہے کہ تیری ماں مری نہیں ہے۔''

فلک شیر سوچنے لگا۔اس حقیقت کا انکشاف اُس پر پہلی بار ہو رہا تھا۔اُس کے لئے یہ نئی بات تھی جو اتنے سالوں کے بعد اچانک کھلی تھی۔یکدم کئی سوالوں نے اُس کے دماغ پر سانپوں کی طرح کُنڈلی مار لی تھی۔سکھاں اُس کی ماں مری نہیں ہے۔اُسے حویلی سے نکالا گیا ہے۔اگر اُس کی ماں کی نکالا گیا ہے تو اس کا مطلب یہ بھی ہے کہ مجھے ماں سے چھین کر اس حویلی میں رکھ لیا ہوگا۔لیکن میری ماں کو کیوں نکالا......؟ اُس کا کیا قصور تھا۔کیا جرم تھا؟

''کیا سوچ رہے ہو فلک شیر؟'' اچانک سیماں نے پوچھا۔

''کچھ نہیں۔'' فلک شیر چونکا۔اچانک اُسے اُس دن کی کہی ہوئی بات یاد آئی جب وہ علی گوہر کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔اور اُس کی ماں کا ذکر ہوا تھا۔فلک شیر نے کہا تھا' کہ کاش میری ماں نہ مرتی اور علی گوہر نے کہا تھا' تجھے یہ بتایا گیا ہے کہ تیری ماں مرگئی ہے۔

تب فلک شیر نے اس بات پر غور نہیں کیا تھا لیکن اب سیماں نے جو اُسے بتایا تھا' وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہوگیا تھا۔فلک شیر جانے کے لئے مڑا۔

''کہاں جا رہے ہو؟'' سیماں نے پوچھا۔

فلک شیر نے رک کر کہا۔''میں اَب چلتا ہوں۔''

''میری بات سن کر اُداس ہوگئے ہو ناں؟ اسی لئے جا رہے ہو۔'' سیماں نے اُس کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''نہیں مجھے ایک کام یاد آگیا ہے۔'' فلک شیر نے بہانہ کیا۔

''رک جاؤ......تم کچھ کھا پی تو لو۔'' سیماں نے کہا۔

''پھر سہی۔'' فلک شیر نے کہا اور باہر جانے کے لئے چل پڑا۔سیماں اسی جگہ کھڑی اُس سمت دیکھتی رہی۔

❀✪❀

بندوق کا نشانہ لئے ناصر کی اُنگلی ٹریگر دبانے کے لئے تیار تھی۔اُس کے ساتھ حویلی کے دو ملازم جبکہ اُس کے عین پیچھے علی گوہر کھڑا تھا۔ناصر کی بندوق کا نشانہ درخت پر بیٹھا ہوا طوطا تھا۔ناصر......منظور احمد کا بیٹا تھا۔وہ ماں نور بانو کی طرح اپنے مزاج کا مالک تھا۔گاؤں کے چوہدری کا بیٹا ہونے کا زُعم اس عمر میں ہی اُس کی گردن کو ہر وقت کھڑی رکھتا تھا۔

ناصر کی بندوق اچانک طوطے کے نشانے سے نیچے آگئی۔دور رخسانہ اپنی سہیلی کے ساتھ چلی آرہی تھی۔اُس کی بندوق کے نشانے میں اَب رخسانہ تھی۔پیچھے کھڑا علی گوہر بے خبر نہیں تھا۔اُس کی آنکھیں ناصر سے بھی زیادہ تیز تھیں۔

''اوہ......رمضان تم دونوں پرے جا کر بیٹھو۔'' ناصر نے اسی طرح نشانہ لئے ہوئے اپنے ملازموں کو کہا۔دونوں وہاں سے الگ تھلگ ہو کر بیٹھ گئے۔اُن کے جانے کے بعد ناصر نے کہا۔''گوہر......یہ لڑکی مجھے ابھی سے اچھی لگنے لگی ہے۔''

''کون سی لڑکی؟'' علی گوہر نے انجان بنتے ہوئے کہا۔

''وہ جو سامنے آرہی ہے۔پٹواری کی لڑکی ہے۔'' ناصر نے بندوق اپنی آنکھ سے ہٹا دی۔علی گوہر ایسے دیکھنے لگا جیسے وہ اَب اُسی کے بتانے پر دیکھ رہا تھا۔

''اچھا کیا تو نے مجھے بتا دیا۔'' علی گوہر نے مسکرا کر کہا۔''کہ وہ لڑکی تجھے اچھی لگتی ہے۔''

''جب بھی اسے دیکھتا ہوں دل میں کچھ ہونے لگتا ہے۔'' ناصر نے حریص نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''بات کروں اس سے؟'' علی گوہر نے پوچھا۔

''کیا بات کرے گا؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تمہاری بات کروں گا۔ تیرے دل کا حال اُسے بتادوں گا۔" علی گوہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

ناصر اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔ "تُو بتائے گا میرے دل کا حال' ایسا کر سکتا ہے تُو؟"

علی گوہر نے دور رُخسانہ کی طرف دیکھا اور مسکرا کہا۔ "دیکھنا چاہتے ہو۔" علی گوہر اُس کی طرف چل پڑا۔ ناصر مزے سے اُسی جگہ کھڑا ہوگیا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔

علی گوہر چلتا ہوا رُخسانہ کے پاس چلا گیا۔ رُخسانہ نے بھی اُسے دیکھ لیا تھا۔ اُسے اپنی طرف آتا دیکھ کر وہ کچھ گھبرا بھی گئی تھی اور زیرلب مسکرائی بھی تھی۔ اُس کی سہیلی کچھ محسوس کئے بغیر اُس کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

"ایک بات پوچھنی تھی۔" علی گوہر نے رک کر رُخسانہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ ناصر اُن سے اتنی دور کھڑا تھا کہ وہ کچھ سن نہیں سکتا تھا۔

رُخسانہ رک گئی۔ اُس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ اور اُس نے اپنی مسکراہٹ کو عیاں نہ کرتے ہوئے پوچھا۔ "کیا......؟"

علی گوہر نے پہلی بار اُس کی آواز سنی تھی۔ اور یہ اُن کے درمیان پہلی بات چیت تھی۔ علی گوہر نے گھوم کر ناصر کی طرف دیکھا اور اُس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رُخسانہ سے پوچھا۔ "میری اُس کے ساتھ شرط لگی ہے۔ کہتا ہے تم اُسے جانتی ہے۔ وہ کس کا بیٹا ہے اور اُس کا کیا نام ہے۔ بتا سکتی ہو کہ وہ کس کا بیٹا ہے اور اُس کا کیا نام ہے؟"

رُخسانہ نے ناصر کی طرف دیکھا۔ ناصر دور سے ہی مسکرایا۔ رخسانہ بولی۔ "میں اُسے آج ہی دیکھ رہی ہوں۔ مجھے نہیں پتہ وہ کون ہے۔"

علی گوہر نے کہا۔ "ٹھیک ہے۔" وہ جانے کے لئے گھوما تو رخسانہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"میرے جواب سے شرط تم ہی جیتو گے ناں؟"

علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھا اور اپنی مخصوص مسکراہٹ سجا کر بولا۔ "تم جتانا چاہو اور میں نہ جیتوں۔"

علی گوہر کہہ کر پلٹا اور ناصر کی طرف چل پڑا جبکہ رُخسانہ ایک عجیب سی مسرت محسوس کرتی پھر سے چل پڑی۔ اُس کے قدموں میں خود بخود برق رفتاری آ گئی تھی۔

ناصر کے پاس جا کر علی گوہر کھڑا ہوگیا۔ ناصر نے پوچھا۔ "کیا کہتی ہے؟"

"سُنے گا۔" علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں۔"

"سن کر کیا کرے گا۔"

"اُس کی بات اچھی نہ لگی تو اُس کی کھوپڑی میں گولی مار دوں گا۔" ناصر نے دانت پیس کر کہا۔

ناصر کے چپ ہوتے ہی علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔ "وہ کہتی ہے تم نے کبھی شیشے میں اپنا منہ دیکھا ہے۔"

"اُس کمینی کی یہ ہمت......" ناصر یکدم سیخ پا ہوتے ہوئے بولا اور اپنی بندوق سیدھی کر کے ابھی رُخسانہ کی طرف جانے کے لئے ایک ہی قدم اُٹھایا تھا کہ علی گوہر پھر اپنے اُسی لہجے میں بولا۔

"اُس نے یہ بھی کہا ہے کہ اگر میرا جواب سن کر وہ پاگل بھینسے کی طرح میری طرف آیا تو اُس کی دس گولیوں پر میرا ایک تھپڑ بھاری ہوگا۔ پٹواری کی بیٹی کا ہاتھ اور منہ گاؤں کے چوہدری کے بیٹے کا......ویسے آپس کی بات ہے یہ سب دیکھ کر تیرے ملازم ہی بات کرنے سے باز نہیں آئیں گے۔ دو چار سے تو میں بھی کر دوں گا۔"

ناصر نے رک کر علی گوہر کی طرف کھا جانے والی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "میری بندوق سے نکلی گولی اُسے ہاتھ اُٹھانے کی مہلت نہیں دے گی۔"

"وہ اُس پٹواری کی بیٹی ہے جو تیرے باپ کے کاموں کی چابی ہے۔ اسے اتنی سی بات پر مار دے گا؟ تُو جانتا ہے پٹواری زمین کی ماں ہوتی ہے۔ پٹواری سنبھالا نہیں جائے گا۔ اُلٹا تیرا باپ تجھے گاؤں سے نکال دے گا۔" علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔

ناصر اُس کی بات سن کر اسی جگہ جم گیا۔ رخسانہ کا باپ جانے کتنی بار ڈیرے کے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چکر لگاتا تھا۔اُس کا باپ اور دونوں چاچا جانے کیا کیا اپنے کام اُس سے کرواتے تھے کہ زمین کی جب بھی بات ہوتی تھی فوراً رُخسانہ کے باپ کو بلانے کے لئے بھاگتے تھے۔

''اُس نے جو میری بے عزتی کی ہے اُسے پی جاؤں۔'' ناصر نے پوچھا۔

''وہ میں نے سنی ہے۔'' علی گوہر نے فوراً کہا۔

''تو اب کچھ نہ کروں؟'' ناصر نے کہا۔

''کر......بالکل کر۔ تجھے کچھ کرنے سے روکا ہے کسی نے۔'' علی گوہر بولا۔

''کیا کروں؟''

''اُس سے اتنی نفرت کر کہ تجھے کہیں نظر آجائے تو اُس کی طرف دیکھنا بھی گوارہ نہ کر۔اُسے پتہ چل جائے کہ کسی نے اُس سے نفرت کی ہے۔اور نفرت کا کیا حق ہے اسے ادا کردے۔اپنے باپ کی طرح کمی کمین کو سر پر جگہ دے گا تو اس کی وجہ سے تیرا بھی سر جھکا ہی رہے گا۔'' علی گوہر نے اُس کے چہرے پر نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

ناصر کو بولنے کے لئے جیسے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔وہ اُس کی طرف دیکھے جارہا تھا۔علی گوہر نے اُسے بولنے کے لئے بھی نہیں چھوڑا تھا اور رخسانہ کو وہ جا کر کچھ کہے اُس کے لئے بھی اُس نے اُس کے پاؤں میں اس بات کی رسی باندھ دی تھی کہ اُس کا باپ پٹواری ہے اور پٹواری زمین کی ماں ہوتی ہے۔اَب ناصر اتنا بھی بھولا بھالا نہیں تھا کہ وہ یہ نہ جانتا ہو کہ اُس کا باپ' پٹواری کے ساتھ مل بیٹھ کے کیا کرتا رہتا ہے۔

ناصر نے اُس جانب دیکھا جس طرف سے رخسانہ گزری تھی اور اُس نے نفرت سے تھوک دیا۔علی گوہر ہولے سے مسکرایا اور اُس کے ملازم کو آواز دے کر کہا۔''چلو بھئی تیاری کرو۔ہو گیا شکار۔ناصر اَب واپس حویلی جانا چاہتا ہے۔''

دونوں ملازم بھاگتے ہوئے اُس کے پاس آئے ایک نے بندوق پکڑ لی اور ناصر تیز تیز قدم اُٹھاتا چل پڑا۔جبکہ علی گوہر شاطرانہ انداز میں مسکرائے جارہا تھا۔

❋

فلک شیر ابھی دروازے پر اپنا ہاتھ مارنے ہی والا تھا کہ اُسے گلی میں علی گوہر داخل ہوتا دکھائی دیا۔وہ رک گیا اور علی گوہر کی طرف دیکھنے لگا۔علی گوہر نے بھی دیکھ لیا تھا کہ اُس کے گھر کے باہر فلک شیر کھڑا ہے۔

''کیا حال ہے فلک شیر؟'' علی گوہر نے اُس کے پاس آتے ہی پوچھا۔

''میں ٹھیک ہوں۔''

''انگریز لگ رہا ہے۔شہر کی ہوا لگ گئی ہے تجھے۔'' علی گوہر مسکرایا۔'' گاؤں کی جس لڑکی نے بھی دیکھا ہوگا ایک آہ منہ سے ضرور نکلی ہوگی۔''

''علی گوہر مجھے تجھ سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''تو آنا، اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔'' علی گوہر نے کہا۔

''نہیں کہیں اور چلتے ہیں۔'' فلک شیر نے کہا۔

''خاص بات ہے۔اکیلے میں کرنا چاہتا ہے جہاں سننے والا تیسرا کوئی اور نہ ہو۔'' علی گوہر نے کہا۔''میرے گھر میں بھی اتنی جگہ ہے کہ ہم بیٹھ کر اطمینان سے بات کر سکتے ہیں۔''

علی گوہر اُسے اپنے گھر کے اندر لے گیا۔کھلے اور کشادہ صحن کے سامنے اور دائیں بائیں کمرے تھے۔علی گوہر ایک کمرے میں چلا گیا۔فلک شیر بھی اُس کے پیچھے ہی تھا۔اندر ایک چارپائی پر اُس کی ماں نسرین لیٹی ہوئی تھی۔پاس ہی ایک عورت تھی۔جو کہ رشتے میں نسرین کی خالہ لگتی تھی۔وہ بیوہ عورت تھی۔بچہ کوئی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔ گھر بار بھی نہیں تھا۔ باجراں نے اُسے نسرین کی دیکھ بھال کے لئے یہاں رکھ لیا تھا۔ سب اُسے تائی ہی کہتی تھی۔

علی گوہر نے اپنی ماں کی طرف دیکھا' پاس جا کر بڑے پیار سے اپنی ماں کا حال پوچھا' کھانے پینے کے متعلق معلوم کیا' اُس کے پاؤں دبائے اور پھر اپنی ماں کا ماتھا چوم کر ہولے سے بولا۔ "یہ فلک شیر ہے...... مجھ سے کوئی بات کرنے کے لئے آیا ہے۔ میں اس کی بات سن کر ابھی آتا ہوں۔" وہ اُٹھا اور تائی سے پوچھا۔ "زینت کہاں ہے؟"

"وہ ساتھ والے گھر گئی ہے۔ ابھی گئی ہے۔ بلا لاؤں۔" تائی نے کہا۔

"نہیں......" علی گوہر نے کہا اور فلک شیر کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ کمرا پہلے کمرے کی طرح بڑا اور کشادہ تھا، اس کمرے میں تین چار پائیوں کے علاوہ دو کرسیاں اور ایک چھوٹی میز تھی۔ جو قرینے سے رکھی ہوئی تھیں۔

"بیٹھ......" علی گوہر نے ایک طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا اور خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ "ہاں بول کیا بات ہے۔"

"علی گوہر تُو تو بہت کچھ جانتا ہے۔ میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں۔" فلک شیر نے کہا۔

"تمہاری بات کے بارے میں جانتا ہوا تو تجھے بتاؤں گا۔" علی گوہر نے اطمینان سے کہا۔

"تُو جانتا ہے کہ میں حویلی میں ہی زیادہ رہا ہوں۔ مجھے باہر نکلنے کی اجازت بھی کم ہی ملتی تھی۔" فلک شیر نے کہا۔ "ابا نے بھی مجھے یہ ہی بتایا ہے کہ میری ماں مرگئی ہے۔ لیکن مجھے اَب پتہ چل رہا ہے کہ میری ماں مری نہیں ہے بلکہ اُسے حویلی سے نکال دیا گیا تھا۔ کیا تُو جانتا ہے؟ میری ماں کو حویلی سے نکال دیا گیا تھا؟"

علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کس نے بتایا ہے تجھے کہ تیری ماں کو حویلی سے نکال دیا گیا تھا؟"

فلک شیر نے ایک لمحے میں سوچا کہ یہ بتانا مناسب نہیں ہوگا کہ اُسے سیماں سے پتہ چلا ہے۔ چنانچہ اُس نے کہا۔ "میری دوسری ماں نے غصے سے کہا تھا کہ

سکھاں کے ساتھ مجھے بھی حویلی سے نکال باہر کیا جاتا تو یہ قصہ ہی ختم ہو جاتا۔"

علی گوہر نے کہا۔ "اُسی وقت اپنی اُس ماں سے کیوں نہیں پوچھ لیا؟ وہ تجھے حقیقت بتا دیتی۔"

"میں کیسے پوچھ لیتا۔" فلک شیر نے معصومیت سے کہا۔ "اور پھر وہ مجھے حقیقت کیسے بتا سکتی تھی۔ اُنہوں نے تو کبھی مجھ سے بات نہیں کی۔"

"ہمت سے...... ہمت لاؤ اپنے اندر۔ یہ کیا تم بکری کے بچے کی طرح ڈرے اور سہمے رہتے ہو۔ جیسے تیرے سامنے کوئی شیر کھڑا ہے۔" علی گوہر نے اُس کے سامنے اپنا مکہ لہرا کر کہا۔ "بات کرنا سیکھو۔ ورنہ گونگے رہ جاؤ گے۔"

"میں ابھی ایسا نہیں کر سکتا۔" فلک شیر نے کہا۔

"نہیں کرے گا تو میرے جیسوں سے اسی طرح چھپ چھپ کر باتیں پوچھتا رہے گا۔ دوسرے کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنا سیکھ۔" علی گوہر نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔

فلک شیر نے اپنی نگاہیں چرا کر کہا۔ "تُو میرے سوال کا جواب دے۔ کیا واقعی میری ماں کو حویلی سے نکال دیا تھا۔"

"ہاں نکال دیا تھا۔" علی گوہر نے فوراً کہا اور فلک شیر ہکا بکا اُس کا منہ دیکھنے لگا۔ وہ پھر بولا۔ "یہ میری عادت ہے کہ مجھے کسی بات کا اگر سرا ملا ہے تو میں نے اُسے پکڑ کر اُس کے دوسرے سرے تک پہنچنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ اس کھوپڑی میں بہت کچھ جمع ہے۔ میں جانتا ہوں کہ تیری ماں کو حویلی سے تیرے باپ نے طلاق دے کر نکال دیا تھا اور تجھے رکھ لیا تھا۔ بیٹی ہوتی تو تُو بھی اپنی ماں کے ساتھ ہوتا۔"

"میری ماں کو کیوں نکالا تھا حویلی سے؟" فلک شیر نے پوچھا۔ وہ اس حقیقت کو جان کر ابھی تک متحیر تھا۔

"تیرا دادا ہوتا تو اُس سے پوچھتا۔ لیکن اَب یہ سوال اپنے باپ سے پوچھ۔ جا ابھی جا کر پوچھ کہ میری ماں کو رات کے اندھیرے حویلی سے کیوں نکالا تھا اور وہ لاوارث کہاں گئی ہوگی۔" علی گوہر نے کہا۔

"میری ماں کا کوئی بھی نہیں تھا۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"اَب تو ہے۔"

"کون......؟"

"تُو ہے ناں اپنی ماں کا بیٹا۔اپنی ماں کو تلاش کر۔زندہ ہے تو ضرور ملے گی۔"علی گوہر نے کہا۔

"میں کہاں تلاش کروں اپنی ماں کو میں نے تو کبھی اپنی ماں کو دیکھا بھی نہیں ہے۔"فلک شیر نے لاچاری سے کہا۔

"اسی لئے تو کہتا ہوں کہ باپ کے سامنے کھڑا ہوجا۔"علی گوہر نے کہا۔

"ابھی مجھ میں اتنی ہمت نہیں ہے۔"فلک شیر نے کہا۔

علی گوہر ہنسا۔"جوانی کے دروازے پر پہنچ گیا ہے اور کہتا ہے کہ ہمت نہیں ہے۔تیرے چاچا کے بیٹے اور خود تیری دوسری ماں کا بیٹا تو ابھی سے شیر کے منہ میں ہاتھ دینے کے لئے تیار رہتے ہیں۔"

"تُو جانتا ہے کہ مجھے اُن کی طرح رکھا نہیں گیا۔"فلک شیر نے کہا۔

علی گوہر نے فلک شیر کا اُداس اور اُترا ہوا چہرہ دیکھا۔جو اپنی ماں کے بارے میں جان کر پریشان تھا۔وہ بولا۔"ایک کام کر۔"

"کیا......؟"اُس نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

"دیتو کو جاکر پکڑ لے اور اُس سے پوچھ کہ میری ماں کو حویلی سے کیوں نکالا تھا۔وہ بتائے گا نہیں۔نمک حلال کرنے کے چکر میں رہتا ہے وہ۔پھر اُس سے اپنی ماں کی کوئی فوٹو مانگ لینا۔ہوسکتا ہے کسی کونے کھدرے میں تیری ماں کی کوئی فوٹو پڑی ہو۔کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔"

"میں دیتو سے مل لیتا ہوں۔لیکن تُو مجھے کیوں نہیں بتا دیتا کہ میری ماں کا کیا قصور تھا کہ اُسے حویلی سے نکال کر مجھے یہ کہا جاتا رہا کہ وہ مرگئی ہے۔"فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"دیکھ تُو میرا دوست ہے۔مجھے بتائے گا تو تیرا احسان ہوگا مجھ پر۔تیری مہربانی ہوگی۔"

"میں زیادہ نہیں جانتا......تُو ہمت تو پیدا کر اپنے اندر......میں بھی تو دیکھوں باپ کے سامنے کھڑے ہوکر تم کیسے بات کرتے ہو۔"علی گوہر پھر مسکرایا۔"یہاں التجا

سننے کے لئے کوئی انسان تیار نہیں ہے۔جس کے ہاتھ میں تلوار ہے وہ گلا کاٹ کر ہی دم لے گا۔اسی لئے میں چاہتا ہوں کہ تُو اگر تلوار نہیں پکڑ سکتا تو مُکہ تو لہرانا سیکھ۔"

فلک شیر چپ ہوگیا اور سوچنے لگا۔پھر وہ اُٹھ کھڑا ہوا۔"میں چلتا ہوں۔"

"باپ سے بات کرنے جارہا ہے کہ دیتو سے؟"علی گوہر کے ہونٹوں پر ایک شرارتی سی مسکراہٹ تھی۔وہ اُس کا جائزہ لے رہا تھا۔

فلک شیر نے علی گوہر کی طرف دیکھا اور کہا۔"دیتو سے بات کرنے جارہا ہوں۔باپ سے بات کرنے کا ابھی وقت نہیں آیا ہے۔"

"دھت تیرے کی۔"علی گوہر نے ہاتھ مارتے ہوئے کہا اور مسکرانے لگا۔فلک شیر وہاں سے چلا گیا۔وہ بڑبڑایا۔"فلک شیر تجھے کون سمجھائے کہ جیسے تُو ماں کے بارے میں جاننا چاہتا ہے تجھے کوئی نہیں بتائے گا۔"

❀✪❀

فلک شیر جب حویلی میں داخل ہوا'دیتو کسی کام سے باہر نکل رہا تھا۔فلک شیر اُس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

"کیا بات ہے فلک شیر۔تم اس طرح میرے سامنے کیوں کھڑے ہوگئے ہو؟"دیتو نے پوچھا۔

"مجھے ایک بات پوچھنی ہے۔"فلک شیر نے کہا۔

"ہاں......ہاں پوچھیں۔"دیتو نے کہا۔

"مجھے ٹالنا نہیں ہے۔مجھے جواب چاہئے۔"فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے پاس جواب ہوگا تو میں کیوں ٹالوں گا۔"دیتو اُس کی آنکھوں اور چہرے کا تغیر دیکھ رہا تھا۔

فلک شیر نے پوچھا۔"میری ماں کو حویلی سے کیوں نکالا تھا؟"

فلک شیر کا سوال سنتے ہی دیتو یکدم چونکا۔اُس نے دائیں بائیں دیکھا اور اپنے چہرے پر پھیکی سی مسکراہٹ لاکر بولا۔"یہ تم کیا پوچھ رہے ہو؟وہ تو......"

"یہ مت کہیئے گا کہ وہ مرگئی ہیں۔آپ میرے سوال کا جواب دیں۔آپ سب

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کچھ جانتے ہیں۔آپ کے علم میں ہے۔'' فلک شیر نے ضد کرنے کے انداز میں کہا۔

'' یہ کس نے تمہیں اُلٹی سیدھی باتیں بتا دی ہیں۔'' دیتو نے کہا۔''ایسی کوئی بات نہیں ہے۔مجھے چوہدری صاحب نے ایک ضروری کام سے بھیجا ہے۔ مجھے جانے دو۔''

''آپ مجھے بتانا نہیں چاہتے۔'' فلک شیر نے متانت سے پوچھا۔

''مجھے تو ایسی کوئی بات پتہ نہیں ہے۔'' دیتو کے چہرے سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔وہ اُس کا سوال سن کر اندر سے واقعی پریشان ہو گیا تھا۔وہ سوچ بھی رہا تھا کہ فلک شیر کو اس حقیقت کی ہوا کس نے دے دی ہے۔

فلک شیر نے سوچا کہ اس سے بحث کرنا فضول ہے۔علی گوہر ٹھیک کہتا تھا کہ وہ ہر وقت نمک حلال کرنے کے چکر میں رہتا ہے۔پھر فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''حویلی کا ہر چھوٹا بڑا آپ کو تو کہہ کر بلاتا ہے۔لیکن میں نے جب سے ہوش سنبھالا ہے آپ کو آپ کہا ہے۔کبھی آپ کو دیتو نہیں کہا......دیتو چاچا کہا ہے۔آپ اس حویلی کے ملازم ہیں لیکن میں نے آپ کو بھی عزت سے بلایا ہے۔میری اسی بات کا مان رکھ لیں۔میں آپ سے کچھ نہیں پوچھتا۔آپ مجھے میری ماں کی کوئی تصویر دے دیں۔''

دیتو کے سامنے فلک شیر نے ایسی معصومیت اور ایسے لہجے میں کہا کہ دیتو کا دل پگھل گیا۔وہ میر تاج اور پھر اُس کے بیٹوں کے ساتھ رہتا ضرور تھا۔لیکن وہ ابھی اُن کی طرح پتھر کا نہیں ہوا تھا۔ممکن تھا کہ وہ اُس کے سامنے اُس کی ماں کی حقیقت بھی کھول دیتا۔لیکن اُس نے اپنے آپ کو سنبھال کر متانت سے سوچتے ہوئے کہا۔

''تمہاری ماں کی فوٹو......'' یکدم دیتو کو یاد آیا کہ جب سکھاں کو میر تاج اس حویلی میں لے آیا تھا تو ایک دن جب دیتو اُس طرف سے گزر رہا تھا تو سکھاں کی تائی نے دیتو کو بلا کر سکھاں کا ٹرنک زبردستی اُٹھوا دیا تھا کہ اس کا یہ سامان بھی لے جاؤ۔

دیتو نے وہ ٹرنک لا کر اپنے گھر کے ایک کمرے میں رکھ دیا تھا جہاں کاٹھ کباڑ رکھا ہوا تھا۔دیتو نے یہ بات میر تاج سے مخفی رکھی تھی تا کہ اس بات پر کوئی ہنگامہ نہ ہو جائے۔کیونکہ سکھاں کی تائی نے میر تاج کے بارے میں الفاظ بھی ٹھیک استعمال نہیں

کئے تھے۔مصلحت اسی میں تھی کہ وہ چپ رہتا' کیونکہ سننے والا وہ تھا اور کہنے والی سکھاں کی تائی تھی اس لئے وہ چپ رہا تھا۔

''میں تلاش کروں گا۔''

''کل صبح صبح میری واپسی ہے۔''

''اگر مل گئی تو میں جانے سے پہلے تجھے دے دوں گا۔''

''پکی بات ہے ناں۔''

''ہاں پکی بات ہے۔''

اُسی رات کو گھر جاتے ہی دیتو نے سب سے پہلے اُس کمرے کا رُخ کیا جہاں اُس نے سالوں پہلے سکھاں کا ٹرنک رکھا تھا۔اس کمرے میں جانے کیا کیا تھا۔وہ کمرا اور بھی اُلٹے سیدھے اور ٹوٹے پھوٹے سامان سے بھر گیا تھا۔وہ کمرہ اس گھر کا لاوارث کمرا لگتا تھا۔ویسے بھی وہ گھر سے کچھ الگ تھلگ ہی بنایا ہوا تھا۔کوشش کے بعد دیتو کو وہ ٹرنک مل گیا۔

دیتو نے ٹرنک کھولا تو اُس کے اندر سکھاں کے دو جوڑے کپڑوں کے تھے۔ایک چادر تھی' کچھ چوڑیاں تھیں اور ایک پلاسٹک کا تہہ در تہہ کیا ہوا لفافہ تھا۔

دیتو نے وہ لفافہ کھولا اُس کے اندر ساٹھ روپے اور کچھ سکے تھے۔لیکن ٹرنک میں کوئی تصویر نہیں تھی۔دیتو نے اچھی طرح سے ایک بار پھر سارا ٹرنک دیکھا اور تسلی کرنے کے بعد اُس نے ٹرنک بند کر دیا۔

❁✪❁

صبح جانے سے پہلے فلک شیر کو دیتو کا شدت سے انتظار تھا۔پھر اُس کے کمرے میں ہولے سے دستک ہوئی۔فلک شیر نے جلدی سے دروازہ کھول دیا۔دیتو اُس کے کمرے میں جاتے ہی سرگوشی کے انداز میں بولا۔''مجھے تمہاری ماں کی کوئی فوٹو نہیں ملی۔میں نے پوری ایمانداری سے کوشش کی تھی۔''

فلک شیر سنتے ہی مایوس سا ہو گیا۔اُداسی اُس کے چہرے پر اور بھی عیاں ہو گئی تھی۔فلک شیر چاہتا تھا کہ وہ پھر دیتو سے ایک بار اپنی ماں کے بارے میں جاننے کی کوشش کر لے لیکن منظور احمد اس طرف آ گیا۔دیتو نے جلدی سے فلک شیر کا بیگ پکڑ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا۔

تھوڑی دیر کے بعد فلک شیر کار میں بیٹھا شہر کی طرف جارہا تھا۔حویلی پیچھے کی طرف دوڑ رہی تھی' گاؤں سے وہ باہر نکل رہا تھا۔اُس کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔اُس نے اپنے دل میں مصمم ارادہ کرلیا تھا کہ وہ اپنی ماں کے بارے میں جان کر رہے گا' اور اُسے تلاش بھی کرے گا......جیسے بھی ممکن ہوا۔

❀✪❀

دن' ہفتے' مہینے' سال' گزر گئے۔

وقت نے نئی کروٹ لی اور کسی کو اپنی اپنی دوڑ میں پتہ بھی نہ چلا' کہ بہت کچھ بدل گیا تھا' اُولادیں جوان ہوگئی تھیں' گاؤں کی طرف جانے والی کچی سڑک' جی ٹی روڈ کے ساتھ مل گئی اور پکی ہوگئی تھی۔بہت سے بچھڑ گئے تھے اور کئی مل گئے تھے۔

پورے گاؤں میں وہ تین بھائی تو تھے ہی اَب اُن کی اُولادیں بھی بے لگام تھیں۔تینوں بھائیوں کا کوئی بھی بیٹا میٹرک کی سند لے کر حویلی میں داخل نہیں ہوا تھا۔سب لڑنے' جھگڑنے اور اپنی طاقت کے نشے میں مخمور' بے فکری کی زندگی کا مزہ لے رہے تھے۔یاور حیات کی بیٹی راحیلہ وہ واحد تھی جس نے میٹرک پاس کر کے جی ٹی روڈ پر گرلز کالج میں داخلہ لیا تھا اور روز وہ اپنے ڈرائیور کے ساتھ کالج جاتی اور آتی تھی۔یاور حیات اُسے پڑھانے کے لئے رضا مند نہیں تھا لیکن وہ اپنی اِس بیٹی سے پیار بھی بہت کرتا تھا۔جب اُس نے گاؤں کے سکول سے میٹرک پاس کیا اور کالج میں داخلہ لینے کی خواہش یاور حیات سے کی تو' نہ چاہتے ہوئے بھی اُس نے اجازت دے دی۔جس پر سب ایک بار حیران ضرور ہوئے تھے۔

اپنے جوان بیٹوں اور بھتیجوں کو دیکھ کر منظور احمد اپنے بھائیوں کے ساتھ فخر کیا کرتا تھا اور اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہتا تھا' ابا جی ٹھیک کہتے تھے' بیٹے طاقت ہوتے ہیں۔ان کی وجہ سے گاؤں کے لوگوں میں ان کی شان اور بھی بڑھ گئی ہے۔

گاؤں کے لوگ تینوں بھائیوں کی من مرضی سے اجیرن تو تھے ہی اَب وہ اُن کے بیٹوں سے بھی ڈرنے لگے تھے۔نہ جانے کب اور کس وقت کس کا مزاج بگڑ جائے اور پستول ہاتھ میں آجائے' کسی کو پتہ نہیں ہوتا تھا۔اس لئے سب ہی اُن سے

ملتے وقت اپنا رویہ خوشامدانہ رکھتے تھے اور کسی بھی ایسی بات سے احتراز کرتے تھے جو اُن کو ناگوار گزرے۔لیکن گاؤں کے لوگوں کی آپس کی چہ مگوئیاں اپنی اپنی نفرت باہر نکالنے کا باعث ضرور بنتی تھیں۔

منظور احمد کا بیٹا ناصر کچھ زیادہ ہی جوشیلا نکل آیا تھا۔بات بات پر وہ کسی کے ساتھ بھی لڑ پڑتا تھا۔دوستوں کا حلقہ ساتھ والے گاؤں تک پھیلا ہوا تھا۔اُن کے ڈیرے پر روز محفلیں جمتی تھیں۔قہقہے چھوٹتے تھے' سیخ کباب کی خوشبو ہوا پر سوار ہوکر غریب کے کچے مکان تک جاتی تھی اور دل للچاتی ہوئی تحلیل ہوجاتی تھی۔ناصر اُس کے چاچا زاد بھائیوں اور دوستوں کو اس کی کوئی پروا نہیں تھی۔ناصر سب کا سرغنہ تھا۔اُس کی بات اور فیصلہ اُس کے چاچا زاد بنا کسی عذر کے مانتے تھے۔اور آپس میں دوستوں کی طرح رہتے تھے۔

ناصر اور اُس کے چاچا زاد بھائیوں کی نظروں سے گاؤں کی کوئی لڑکی بھی محفوظ نہیں رہتی تھی۔کسی لڑکی پر نظر پڑ جاتی تو وہ اُسے ایسے دیکھتے تھے جیسے شکاری کتا' خرگوش کو دیکھتا ہے۔چیل' چڑیا کو دیکھتی ہے۔وہ سب کی طرف دیکھتے تھے لیکن اُنہوں نے فی الحال ایسی کوئی حرکت نہیں کی تھی کہ جس سے اُن کی اندر کی درندگی باہر نکل آئے۔اس کی وجہ منظور احمد کا سب کو دیا گیا وہ سخت حکم تھا کہ' اگر اُس کے علم میں ایسی بات آئی کہ اس گاؤں کی لڑکی کی عزت اُن کے ہاتھوں محفوظ نہیں رہی تو وہ اپنے سگے بیٹے کو بھی گولی مار دے گا۔

یہ سخت حکم اس لئے نہیں تھا کہ اُن تینوں بھائیوں کو گاؤں کی لڑکیوں کی عزت کا خیال تھا بلکہ وہ ایسا داغ لگوانا نہیں چاہتے تھے۔تینوں بھائیوں نے بہت پہلے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اَب کسی کی حمایت کی بجائے خود الیکشن لڑیں گے۔یہ بات اُن کے علم میں اَب آئی تھی کہ الیکشن جیت کر جتنا پیسہ کمایا جاسکتا ہے' اتنا پیسہ دوسرے کاروبار میں نہیں ہے۔وہ الیکشن کی تیاری میں تھے اور منظور احمد اُمیدوار تھا۔

سال گزر گئے تھے لیکن ناصر نے پلٹ کر رُخسانہ کی طرف نہیں دیکھا تھا۔ویسے بھی اَب رُخسانہ گھر سے بہت کم ہی باہر نکلتی تھی۔وقت کے ساتھ ساتھ رُخسانہ کے باپ کے ساتھ منظور احمد کے تعلقات اور بھی گہرے ہوگئے تھے۔وہ اَب ریٹائر ہو چکا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا اور اُس کی جگہ اِس کا بیٹا پٹواری بن گیا تھا۔منظور احمد جانے کیا کیا اُس سے اپنے کام نکلواتا تھا کہ ناصر کے لئے رُخسانہ کو کچھ کہنا مزید ناممکن ہوگیا تھا۔سالوں اپنے دل میں اس کے لئے کینہ رکھنے کے بعد وہ اُسے بھول گیا تھا۔اُس کی نگاہ میں اَب اس کی جگہ اور لڑکیاں تھیں۔

تینوں بھائی' اُن کی بیویاں اور اُولادیں اپنے سائے کی خبر بھی رکھتی تھیں' لیکن اگر کچھ نہیں پتہ تھا تو وہ یہ تھا کہ فلک شیر شہر میں کس مقام پر ہے۔

جب فلک شیر بی ایس سی کر رہا تھا تو وہ چھٹی پر گاؤں گیا تھا۔حویلی کی نشست گاہ میں اُسے ناصر مل گیا تھا۔ناصر اُسے دیکھتے ہی سیخ پا ہوگیا تھا۔اور درشت لہجے میں کہہ دیا کہ وہ آئندہ حویلی میں نہ آیا کرے۔اس سے پہلے کہ بات کچھ اور آگے بڑھتی منظور احمد آگیا اور اُس نے ناصر کو ڈانٹ دیا۔معاملہ رفع دفع ہوگیا تھا لیکن فلک شیر نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ اب کبھی کبھار ہی گاؤں آیا کرے گا۔وہ شہر میں رہ کر اپنی پڑھائی پر زور دے گا۔اس کا ذکر اُس نے علی گوہر سے بھی کیا تھا۔

علی گوہر نے اُس کی بات سن کر اُسے مشورہ دیا تھا کہ 'وہ شہر کو ہی اپنا مسکن بنا کر رکھے۔پڑھ لکھ کر ایسا مقام بنا کہ جب تُو کسی منزل پر ہو اور انہیں پتہ چلے تو سب حیرت سے اپنی اُنگلیاں چبا ڈالیں۔اور اس بات کی ہوا اپنے باپ کو بھی نہ لگنے دے کہ تُو کیا بن رہا ہے اور کیا کر رہا ہے۔اور یاد رکھ اگر کسی کو پتہ چل گیا کہ تُو پڑھائی میں ان سے آگے نکل رہا ہے تو یہ تیرا کچھ بھی بننے نہیں دیں گے۔'

فلک شیر کو علی گوہر کی یہ بات پسند آئی تھی۔وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔وہ ان پر کچھ ظاہر کئے بغیر ہی اپنی منزل پا سکتا ہے۔اس کے بعد جب وہ شہر گیا تو وہ مہینوں کے بعد گاؤں آیا کرتا تھا۔وہ بھی چند گھنٹوں کے لئے۔حویلی میں اگر منظور احمد ہوتا تو وہ حویلی میں چلا جاتا تھا۔کئی بار ایسا بھی ہوتا تھا کہ وہ باپ کو ڈیرے پر یا جہاں وہ موجود ہوتا وہاں ہی مل کر چلا جاتا تھا۔منظور احمد نے بھی کبھی زیادہ زور نہیں لگایا تھا کہ وہ اس کے ساتھ حویلی چلے اور وہاں رہے' اس کے لئے یہ ہی بہت تھا کہ فلک شیر شہر میں خوش ہے اور نور بانو اُس کے نہ ہونے سے بہت کم اُس سے لڑتی ہے۔حویلی میں سکون تھا۔نور بانو کو تو کئی کئی ماہ ہو جاتے تھے اُس کی جھلک دیکھے ہوئے۔وہ علی گوہر

سے ضرور مل کر جایا کرتا تھا اور اُسے بتاتا رہتا تھا کہ وہ کیا کر رہا ہے۔

فلک شیر کے ساتھ اُس کی دونوں چاچیوں کا سلوک بہت اچھا تھا۔اُن کے بچے بھی اُس سے بات کر لیتے تھے۔بالخصوص سیماں تو اُسے دیکھتے ہی دیوانی سی ہو جاتی تھی۔اپنے اس دیوانے پن کو صرف وہی جانتی تھی۔اُس کی دیوانگی اُس کی آنکھوں کی پتلیوں اور دل کی دھڑکن میں قید تھی' مسکراہٹوں کی کلیوں میں کھِل کر اُسے ہی معطر کرتی رہتی تھی۔

فلک شیر ہوسٹل میں رہتا تھا' اور پڑھائی کرتا تھا۔وہ اپنی کس منزل کی طرف بڑھ رہا تھا اس بارے میں ضیا احمد کی فیملی جانتی تھی' یا پھر اس کا علم علی گوہر کو تھا۔اور فلک شیر نے اُنہیں منع کیا ہوا تھا کہ وہ اس بارے میں اُس کے باپ کو بھی نہ بتائیں اگر ذرا سی بھنک اُس کی سوتیلی ماں کو پڑ گئی تو پھر اُس کے لئے مشکل ہو جائے گی۔اس کی پڑھائی کے معاملے میں ضیا احمد اور اس کی فیملی اُس کی بھرپور راہنمائی اور ہر ممکن مدد کر رہی تھی۔وہ بھی جانتے تھے کہ فلک شیر کی محنت ریت کے ذروں کی طرح نفرت اور رقابت کی آندھی میں منتشر ہو جائے گی اگر کوئی بھی اس بارے میں جان گیا۔

اس رازداری میں فلک شیر ڈاکٹر بن گیا تھا۔

اُس نے اپنی ہر کامیابی اپنے باپ سے بھی چھپا کر رکھی تھی اور اُس کا باپ بھی ایسا تھا کہ کبھی اُس نے پوچھا ہی نہیں تھا کہ وہ کر کیا رہا ہے۔فلک شیر کے روم میٹ فراز کے باپ کا شہر میں ہسپتال تھا۔فلک شیر اُس ہسپتال میں جاب کرنے لگا تھا۔منظور احمد نے ایک مکان خریدا تھا جو زیادہ بڑا نہیں تھا۔اس مکان کو خریدنے کی وجہ محض یہ تھی کہ ضیا احمد نے منظور احمد کی سرمایہ کاری یہ کہہ کر کرائی تھی کہ فائدے کا سودا ہے' چند ماہ رکھنے کے بعد اچھا منافع مل جائے گا۔

ضیا احمد جانتا تھا کہ منظور احمد کے لئے اتنی سی سرمایہ کاری کرنا مشکل نہیں ہے۔مکان کچھ ہفتے خالی رہا اور پھر ضیا احمد نے منظور احمد سے کہا کہ وہ اس مکان کو فی الحال فلک شیر کی رہائش کے لئے دے دے۔منظور احمد نے ایسا ہی کیا اور فلک شیر نے اُس مکان میں اپنی رہائش اختیار کر لی۔جب مزید چند ہفتے گزر گئے تو منظور احمد شہر آیا تو اس مکان میں بھی آ گیا۔اُس کے ساتھ دیتو بھی تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس مکان کی تزئین و آرائش نیلم نے کرائی تھی۔ سادہ لیکن خوبصورت فرنیچر سے آراستہ کر دیا تھا' ڈرائنگ روم' سٹنگ روم' بیڈ روم اور گیسٹ روم کو ایسی خوبصورتی دے دی تھی کہ منظور احمد بھی دیکھ کر دنگ رہ گیا تھا۔ تب اُس نے کہا کہ وہ اس مکان کو فروخت نہیں کرے گا اب یہ تمہارا مکان ہے۔

فلک شیر نے سوچا کہ اَب مناسب موقعہ ہے کہ وہ اپنی کامیابی کے متعلق باپ کو آگاہ کر دے۔ کیونکہ اَب کوئی خطرہ اور ڈر نہیں تھا وہ اپنی منزل پر کھڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ فلک شیر بتاتا منظور احمد نے خود ہی سوال کر دیا۔

"ایک بات تو بتا فلک شیر...... تُو کرتا کیا ہے۔ میرا مطلب ہے کہ پڑھے ہی جا رہا ہے کہ کسی کام دھندے میں بھی لگا ہے۔"

فلک شیر ہولے سے مسکرایا اور بولا۔ "دراصل میں آپ کو اپنے بارے میں کسی منزل پر پہنچ کر بتانا چاہتا تھا۔ کئی سالوں کے بعد آپ نے بھی پہلی بار مجھ سے پوچھا ہے کہ میں کرتا کیا ہوں۔"

"پُتر جی گاؤں کے سو بکھیڑے' سو طرح کی مصروفیات' ہوش ہی کوئی نہیں ہوتا' ویسے بھی جیسے تیرے دوسرے بھائی کو آزادی میں نے دی ہے ویسی ہی آزادی میں نے تجھے بھی دے دی تھی۔ چوہدری منظور احمد کے پتر عیش نہ کریں تو پھر کیا کمی کمین کے پتر عیش کریں گے۔" منظور احمد نے بے نیازی سے جواب دیا۔ اور اپنے باپ کی طرح اپنی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر اُس کے سامنے بیٹھ گیا۔

فلک شیر نے کہا۔ "ابا جی...... میں ڈاکٹر بن گیا ہوں۔"

"ہائیں......؟" منظور احمد کا منہ حیرت سے تو کھلا ہی تھا دیتو بھی جیسے اپنے جسم کو حرکت دینا بھول گیا تھا۔ دونوں کے لئے یہ خبر انتہائی حیرت انگیز تھی۔ منظور احمد نے جیسے تصدیق کی ہو۔ "تُو ڈاکٹر بن گیا ہے؟"

"جی ابا جی۔" فلک شیر نے بتایا۔

"ہر مہینے ہزاروں روپے کا جو تُو خرچہ کیا کرتا تھا وہ اپنی ڈاکٹری کے لئے کرتا تھا؟ میں تو یہ سمجھتا تھا کہ تُو کھا پی رہا ہے' عیش کر رہا ہے۔ تجھ سے زیادہ خرچہ ناصر کا ہوتا تھا۔ اور تُو ڈاکٹر بن گیا ہے۔" منظور احمد کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے کبھی

اس طرف دھیان ہی نہیں دیا تھا۔ کبھی پوچھا ہی نہیں تھا' کوئی توجہ ہی نہیں دی تھی۔ وہ تو اسی پر اکتفا کئے ہوئے تھا کہ فلک شیر گاؤں سے دور الگ تھلگ رہتا ہے اور نور بانو کا منہ بھی اَب بند رہنے لگا ہے۔ اس بارے میں اَب اُسے کئی باتیں سننے کو نہیں ملتی تھیں۔ وہ کچھ پُرسکون ہو گیا ہے۔ جتنا خرچہ فلک شیر کرتا تھا وہ اس سے بھی زیادہ دینے کے لئے تیار تھا۔ اُسے کوئی پروا نہیں تھی۔ اس بات کا نور بانو کو علم ہی نہیں ہوتا تھا۔ وہ بے یقینی کی حالت میں فلک شیر کی طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"مجھے آپ سے کچھ چھپانا تو نہیں چاہئے تھا لیکن مجھے ایسا کرنا پڑا۔" فلک شیر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

منظور احمد اپنی جگہ سے اُٹھا اور فلک شیر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ وہ خوش ہوا تھا۔ اُس کی چھاتی پھیل گئی تھی۔ اُس نے فلک شیر سے الگ ہوتے ہوئے کہا۔ "ایک طرح سے تُو نے اچھا ہی کیا تھا۔ ورنہ شاید تُو ڈاکٹر نہ بن پاتا۔ لیکن اَب یہ خبر میں خود اپنے بھائیوں اور پورے گاؤں کو دوں گا۔ اور تجھے گاؤں میں ہسپتال بھی بنا کر دوں گا۔ تم نے میرا سر فخر سے اُونچا کر دیا ہے۔" منظور احمد کے چہرے پر متانت اور مسرت کی پتیاں عیاں تھیں۔ آنکھوں میں نمی بھی اُتر آئی تھی۔

"اس خوشی کے موقعے پر آج تُو جو بھی مجھ سے مانگے گا میں دوں گا۔ بول کیا چاہتا ہے۔" منظور احمد نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ دیر کے بعد کہا۔

فلک شیر اپنے باپ کا چہرہ دیکھنے لگا۔ اُس کا دل چاہا کہ وہ اپنے باپ سے ہر اُس سوال کا جواب مانگ لے جو سالوں سے اُس کے سینے میں سلگ رہے تھے۔ وہ یہ پوچھ لے کہ اُس کی ماں کو حویلی سے کیوں نکالا تھا اور کس جرم میں اُسے طلاق دے کر مجھے بھی اُس سے الگ کر دیا تھا۔ لیکن وہ اپنے کسی سوال کو بھی اپنی زبان پر نہ لا سکا۔ اور اپنے چہرے پر ایک مسکراہٹ سجا کر بولا۔

"جب ضرورت ہو گی آپ سے مانگ لوں گا۔"

"گاؤں کب آ رہا ہے؟" اُس نے پوچھا۔

"ہفتہ' دس دنوں کے بعد آؤں گا۔" فلک شیر نے کہا۔

"اور ہفتہ دس دنوں کے لئے آنا۔ گاؤں میں بڑا جشن کروں گا۔" منظور احمد نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

خوش ہوتے ہوئے کہا۔ ''تو نے میری چھاتی اور بھی پھیلا دی ہے فلک شیر۔''

⚙✪⚙

گاؤں دیکھنے کا شوق نیلم کو بھی بہت تھا۔ جب اُسے یہ پتہ چلا کہ فلک شیر چند دنوں کے بعد گاؤں جا رہا ہے تو وہ بھی ساتھ جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

نیلم کی خوبصورتی ایسی تھی کہ جیسے وہ جنت کی حور ہو۔ وہ دل کی بھی اتنی اچھی تھی کہ ایک بڑے کاروباری آدمی کی بیٹی ہوتے ہوئے بھی اُس کے اندر غرور اور تکبر کی چوٹیاں کہیں کھڑی دکھائی نہیں دیتی تھیں۔ وہ ہنس مکھ تھی اور باتیں کرنے میں بھی تیز تھی۔ فلک شیر اور نیلم کی دوستی گہری اور مضبوط تھی۔

اُس دن فلک شیر اور نیلم گاڑی میں جا رہے تھے جب نیلم نے اُس کے ساتھ گاؤں جانے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔ ''گاؤں جاؤ گی تو تمہارے یہ پاؤں مٹی سے بھر جائیں گے۔ پورے گاؤں میں ایک ہی پکی سڑک ہے جو جی ٹی روڈ سے سیدھی گاؤں کے اندر جاتی ہے۔ اور گاؤں کی ہر گلی کچی ہے۔ کوئی گلی نیچی ہے تو کوئی اُونچی اور کہیں ہفتوں پہلے ہونے والی بارش کا پانی کھڑا ہے۔''

''تمہاری فیملی کا اتنا اثر و رسوخ ہے اور گلیاں ابھی تک کچی ہیں؟'' نیلم نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ دونوں ہسپتال سے نکل کر گاڑی میں بیٹھ کر روبی کی طرف جا رہے تھے، گاڑی نیلم چلا رہی تھی۔ نیلم بھی ڈاکٹر تھی اور فی الحال وہ فلک شیر کے ساتھ ہی ہسپتال میں کام کرتی تھی۔ مستقبل میں اُس کا اپنا ذاتی کلینک بنانے کا ارادہ تھا۔

روبی ایک کمپنی میں جاب کرتی تھی اور ایک ایسے ادارے کے ساتھ بھی منسلک تھی جو بے سہارہ لوگوں کے لئے سہارہ تھا۔ جو مظلوموں کی بھلائی کے لئے قائم کیا گیا تھا۔ وہ ملک کا بہت بڑا ادارہ تھا۔ پورے ملک میں اُس کی کئی شاخیں تھیں۔ اس شہر میں واقع ایک شاخ میں ایک چھوٹی سی تقریب تھی جس میں نیلم اور فلک شیر بھی مدعو تھے۔ اچانک ہسپتال میں ایک ایمرجنسی آجانے کی وجہ سے فلک شیر اُس طرف مصروف ہو گیا تھا اور دونوں کافی لیٹ ہو گئے تھے۔ نیلم کی بات سننے کے بعد فلک شیر

نے کہا۔

''بڑے اور اثر و رسوخ رکھنے والے لوگوں کی بھی اپنی ہی ایک کہانی ہوتی ہے۔ وہ الیکشن میں ووٹ لینے کے لئے وہاں کے رہنے والوں کو ایک چیز دیتے ہیں۔ اور تین الیکشن اُسی ایک دی ہوئی چیز کے بل بوتے پر جیتنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تبھی تو ترقی کی رفتار کچھوے سے بھی کم ہے۔''

''میں بھی گاؤں جاؤں گی۔ اور تم مجھے گاؤں لے کر جاؤ گے۔'' نیلم نے کہا۔ ''اور دیکھوں گی کہ گاؤں میں کیا کچھ ہے اور کیا کچھ نہیں ہے۔''

''اوکے......اوکے۔'' فلک شیر نے کہا۔ ''میں لے چلوں گا۔ تم تیار رہنا۔''

جب دونوں اس جگہ پہنچے تو تقریب ختم ہو چکی تھی۔ اور روبی اُن کی طرف قہر آلود نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ تینوں بہت ہی بے تکلف دوست بھی تھے۔ فلک شیر سے اُس کی دوستی نیلم کی وجہ سے ہوئی تھی۔

''اس نے دیر کرائی ہے۔'' نیلم نے فوراً روبی کے تیور دیکھتے ہوئے فلک شیر کی طرف اشارہ کیا۔

''ایک ایمرجنسی آگئی تھی۔ لیکن یہ بھی تو سوچو کہ ہم آگئے ہیں۔'' فلک شیر نے کہا۔ اور پھر اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے کہا۔ ''میں یہاں پہلی بار آیا ہوں۔ مجھے وزٹ نہیں کراؤ گی۔ میں دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''تم بات گھما کر میرے غصے کو دبانا چاہتے ہو۔'' روبی نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

''ایسا تم سوچ رہی ہو......کیوں نیلم......؟'' فلک شیر نے کہہ کر نیلم کی طرف دیکھا۔ وہ زیرِ لب مسکرا بھی رہا تھا۔

''غصہ تو مجھے بہت تھا لیکن تم نے ایمرجنسی کی بات کر کے میرا غصہ ٹھنڈا کر دیا ہے۔ خیر آؤ میں تم دونوں کو وزٹ کراؤں۔'' روبی نے کہا اور دونوں اُس کے پیچھے چل پڑے۔ روبی بتا رہی تھی۔ ''یہ اولڈ ہاؤس ہے۔ یہاں بچے اپنے بوڑھے والدین کو چھوڑ جاتے ہیں۔ بے سہارا یہاں سہارا پاتے ہیں۔ ہر چہرہ غم کی ایک تصویر ہے۔ اور ہر چہرے کے ساتھ ایک کہانی ہے اور......''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روبی کہتی جا رہی تھی۔نیلم انہماک سے اُس کی باتیں سن رہی تھی اُنہیں یہ محسوس بھی نہیں ہوا کہ فلک شیر کے قدم پیچھے ہی رک چکے ہیں۔وہ پیچھے ہی کھڑا ہو گیا ہے۔اُس کی نگاہیں سامنے پارک کی طرف تھیں۔وہاں چند بوڑھی خواتین اپنی اپنی جھریوں میں الگ الگ داستان لئے جن کا سرا تقریباً ایک ہی جگہ جاملتا تھا' براجمان آپس میں باتیں کر رہی تھیں۔فلک شیر جانے کیوں رک گیا تھا۔کس چیز نے اُس کے قدم روک لئے تھے۔شاید اس لئے کہ اُن بوڑھی خواتین میں ایک اُس کی ماں بھی تھی۔جسے وہ نہیں جانتا تھا' جس کی اُسے پہچان نہیں تھی۔

سکھاں......کے چہرے پر وہی معصومیت تھی' وہی متانت اور سنجیدگی تھی۔آنکھوں میں انتظار کا وہی سمندر موجزن تھا' شاید اَب وہ انتظار اپنی اکلوتی اُولاد کے لئے تھا کہ جس کا اُس نے چہرہ بھی نہیں دیکھا تھا۔ماں تھی اس لئے انتظار کا روگ سالوں پہلے اپنے دل میں پال لیا تھا کہ ایک دن شاید اس کی اُولاد اُسے مل جائے۔سالوں گزر گئے تھے جب وہ اُس بس میں سوار ہو کر شہر آ گئی تھی اور رات کے اندھیرے میں جب وہ شہر کے آخری سٹاپ پر اُتری تو وہ نہیں جانتی تھی کہ اُسے کہاں جانا ہے۔

وہ بس سے اُتر کر گم صم کھڑی ہو گئی تھی۔حاجی نیامت کی نظر اُس پر پڑی تو اُنہیں لگا کہ کچھ گڑ بڑ ہے۔وہ پاس گئے پوچھا' لیکن سکھاں کے پاس بتانے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔حاجی نیامت اُسے اپنے گھر لے گئے تھے اور پھر دریافت کیا' سکھاں چپ رہی۔حاجی نیامت کی بیوی نے سکھاں کا بیگ کھولا' اندر سے جہاں کچھ اور برآمد ہوا وہاں طلاق کا وہ کاغذ بھی تھا۔جسے دیکھ کر سکھاں کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا تھا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی۔

حاجی نیامت اس ادارے سے منسلک تھے،وہ ایک نیک دل انسان تھے۔

دوسرے دن وہ سکھاں کو اس ادارے میں لے گئے' اور سکھاں نے اپنی زندگی کے سال اس ادارے میں رہ کر گزار دیئے تھے۔جہاں وہ صرف اپنے اَن دیکھے بچے کے بارے میں ہی سوچتی رہتی تھی۔وہ بہت کم بات کرتی تھی۔

فلک شیر کی نگاہیں اُن بوڑھی خواتین کے چہروں سے ہوتی ہوئیں' سکھاں کے چہرے پر آ گئی تھیں۔وہ کچھ دیر اُس چہرے کو دیکھتا رہا۔

''تم یہاں کھڑے کیا کر رہے ہو۔'' اچانک نیلم نے پیچھے سے آ کر پوچھا۔''ہم تمہیں اُدھر دیکھ رہے تھے کہ تم اچانک کہاں چلے گئے ہو۔''

فلک شیر چونکا۔''ایسے ہی کھڑا ہو گیا تھا۔''

''کچھ سنا تم نے؟'' نیلم نے کہا۔

فلک شیر نے اپنے دونوں کان باری باری دائیں بائیں کرنے کے بعد کچھ سننے کی کوشش کی اور پھر نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔''مجھے تو کچھ سنائی نہیں دے رہا ہے۔''

''میرا مطلب یہ نہیں تھا کہ کچھ سنائی دے رہا ہے اور تم بھی سننے کی کوشش کرو۔'' نیلم نے کہا۔

''پھر کیا مطلب تھا؟'' فلک شیر نے پوچھا۔

''روبی بتا رہی ہے کہ وہ شادی کر رہی ہے۔'' نیلم نے کہا۔''جانتے ہو کس سے۔اپنے کزن نوازش سے۔''

''اس میں کیا حرج ہے۔نوازش' روبی کی پسند ہے۔شادی ہو رہی ہے تو ٹھیک ہے۔'' فلک شیر نے کہا۔

''روبی تجھے اور کوئی لڑکا نہیں مل رہا ہے۔'' نیلم نے اُس سے کہا۔''ایم سوری مجھے وہ بالکل پسند نہیں ہے۔''

''نیلم تم بھی کمال کرتی ہو۔ایسے کسی کی پسند کو منہ بھر کر تھوڑی ریجیکٹ کر دیا کرتے ہیں۔اَب میری طرف دیکھو۔حالانکہ وہ مجھے بھی پسند نہیں ہے میں نے اس کا اظہار کیا......بس دل میں رکھی ہوئی ہے وہ بات۔'' فلک شیر نے نیلم کو سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''مجھے نہیں معلوم کہ نوازش تم دونوں کو کیوں پسند نہیں ہے۔تم دونوں جو بھی کہہ لو مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔لیکن ہم دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔شادی کے بعد دیکھنا تجھے اس بات کی خواہش پیدا ہو جائے گی کہ کاش نوازش جیسا لڑکا مجھے بھی مل جائے۔'' روبی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے ایسی خواہش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔'' نیلم نے ایک نظر فلک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

شیر کی طرف دیکھا اور بولی۔

"یہ بحث اسی جگہ ختم کرو اور نکلو یہاں سے۔بھوک لگ رہی ہے کچھ کھاتے ہیں۔" فلک شیر نے مداخلت کرتے ہوئے کہا اور تینوں مسکراتے ہوئے اپنی کار کی طرف چلے گئے۔اُن سے کچھ فاصلے پر سکھاں خفیف تبسم کی لکیر اپنے ہونٹوں پر سجائے تینوں کی طرف دیکھ رہی تھی' اس سے بے خبر کہ دونوں لڑکیوں کے ساتھ کھڑا خوبصورت اور پُرکشش لڑکا کوئی اور نہیں اس کا اپنا بیٹا ہے......اُس کے جگر کا ٹکڑا۔

❀✪❀

وجیہہ چہرہ' تنکھی مونچھیں' عقابی نگاہوں اور لومڑ کی کھوپڑی کے مالک' علی گوہر نے جیسے ہی اپنے کان سے اپنا موبائل فون الگ کیا' اُس کی مسکراہٹ بڑی معنی خیز ہوگئی تھی۔سرمئی شام کا وقت تھا۔وہ اپنے گھر کی چھت پر بچھی چار پائی پر نیم دراز تھا۔اُس کی دونوں ٹانگیں زمین کے ساتھ لگی ہوئی تھیں اور دھڑ چار پائی کے اُوپر تھا۔

علی گوہر کی ماں فوت ہوگئی تھی' اُس کے بڑے بھائی اسلم نے زینت کی شادی کے ساتھ گاؤں کی ہی ایک لڑکی سے شادی کرلی تھی' اُس کے دو چھوٹے بچے تھے۔اسلم نے اپنی شادی اس لئے جلدی کرلی تھی کہ گھر آباد رہے۔وہ تو یہ بھی چاہتا تھا کہ علی گوہر بھی شادی کرلے لیکن اُس نے ابھی صاف انکار کردیا تھا۔

اسلم کی دوکانداری بہت اچھی جارہی تھی۔گاؤں کی جو زمین تھی اُس کی دیکھ بھال کی ذمہ داری علی گوہر کے حوالے تھی۔ہاجراں جب بھی اس گھر میں آتی تھی وہ علیحدگی میں اُس کے سینے میں بھڑکتی آگ کو ہوا دے کر ضرور جاتی تھی۔علی گوہر بھی کچھ نہیں بھولا تھا۔اُسے سب یاد تھا۔اُس کے زخم آج بھی تازہ تھے۔سب کچھ جلنے کے بعد راکھ کے ڈھیر سے اُٹھنے والے دھویں کی طرح اندر بہت کچھ سلگ رہا تھا۔

علی گوہر کی ابھی کچھ دیر قبل ہی فلک شیر سے بات ہوئی تھی۔جس دن فلک شیر ڈاکٹر بنا تھا اُس نے اُسی دن فون کر کے اُسے آگاہ کردیا تھا کہ وہ ڈاکٹر بن گیا ہے۔فلک شیر اُسے دوست بھی مانتا تھا اور گاہے بگاہے وہ اس کوشش میں بھی ہوتا تھا کہ شاید علی گوہر اُسے بتادے کہ اُس کی ماں کے ساتھ اس حویلی میں کیا سلوک ہوا تھا۔علی گوہر نے ایک دن کہہ دیا تھا کہ وہ زیادہ نہیں جانتا لیکن یہ وعدہ رہا کہ وہ اس

بات کی کھوج میں رہے گا اور جیسے ہی اُس کے علم میں کچھ آیا وہ اسے فوری بتادے گا۔فلک شیر جانتا تھا کہ علی گوہر ہی ہے جو اس کی مدد کرسکتا ہے اس لئے اُس نے اعتماد کی فضا قائم رکھی ہوئی تھی۔اَب یہ الگ بات تھی کہ علی گوہر اپنی ہی چال پر تھا۔

ابھی اُس نے اِدھر اُدھر کی باتوں میں یہ بھی بتادیا تھا کہ آج اُس نے اپنے باپ کو بھی بتادیا ہے کہ وہ ڈاکٹر بن چکا ہے۔یہ خبر علی گوہر کے لئے بہت اہمیت کی حامل تھی۔فلک شیر کے ڈاکٹر بننے کے بعد اُسے اسی دن کا انتظار تھا کہ کب وہ اپنے باپ کو آگاہ کرتا ہے۔آج اُس کا انتظار ختم ہوگیا تھا۔

علی گوہر نے اُٹھ کر ایک طویل انگڑائی لی اور اُس کی نظر اپنی چھت سے دھلے ہوئے کپڑے اتارتی ہوئی رُخسانہ پر پڑی' دونوں کی آنکھیں چار ہوئیں' مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا اور علی گوہر نیچے جانے کے لئے سیڑھیوں کی طرف چلا گیا۔گھر سے باہر نکلا تو اُس کا رُخ فرزند علی کی زمینوں کی طرف تھا۔وہ جانتا تھا کہ اس وقت وہ اُسے اپنی زمینوں پر ہی ملے گا۔

فرزند علی کی زمینوں پر نئی فصل کے لئے کام ہو رہا تھا۔اور وہ ایک طرف بیٹھا تھا۔اُس کے پاس اس وقت کوئی نہیں تھا۔فرزند نے جیسے ہی علی گوہر کو دیکھا تو بولا۔"علی گوہر...... اِدھر آؤ۔"

علی گوہر پاس چلا گیا۔"آپ اس وقت زمینوں پر......" علی گوہر کو پتہ بھی تھا کہ وہ روز اسی جگہ ہوتا ہے جب تک اُس کی زمینوں پر نئی فصل کا بیج پھینک نہیں دیا جائے گا۔اُس کی نگرانی جاری رہے گی اس معاملے میں وہ عجیب عادت کا مالک تھا۔

"جانتا بھی ہے اور پھر بھی پوچھ رہا ہے۔" فرزند نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"کہاں جارہا ہے۔"

"کہیں بھی نہیں ایسے ہی۔" فلک شیر نے کہا اور دوسری چارپائی پر بیٹھ گیا۔

"سوچا ذرا ٹہل ہی لوں۔"

"پورے گاؤں میں تیرا چکر ہوتا ہے۔کیا خبر ہے؟" فرزند علی نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کس کی؟" علی گوہر نے پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"گاؤں کی۔ گاؤں کے لوگوں کی۔" فرزند علی نے کہا۔ "گاؤں کے اندر کیا ہو رہا ہے اور باہر کیا ہونے والا ہے۔"

"گاؤں کی خبر آپ لوگوں کے پاس ہوتی ہے۔" علی گوہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "مجھے کیا پتہ ہوتا ہے کہ کہاں کیا ہو رہا ہے۔"

"جو خبر تیرے پاس ہوتی ہے اُس سے ہم بھی بے خبر رہتے ہیں۔" فرزند نے اُس کے سینے پر ہولے سے مکہ مارا۔ اور ہنسا۔ اور اس کے ساتھ ہی اُس کی کھانسی چھوٹ پڑی۔ کھانسنے کے بعد فرزند نے کہا۔ "ڈاکٹر کہتا ہے حقہ پینا بند کر دو۔ کھانسی ہٹ جائے گی۔ حقہ منہ کو لگا چھوٹتا نہیں ہے۔ ڈاکٹر سامنے ہوتا ہے تو کہہ دیتا ہوں کہ چھوڑ دوں گا۔" وہ کہہ کر ہنسا۔

"اَب تو لگتا ہے آپ کا حقہ چھوٹ ہی جائے گا۔" علی گوہر نے معنی خیز انداز میں کہا۔ اُسے بات کرنے کا بہترین سرا مل گیا تھا۔

"وہ کیسے؟" فرزند علی نے اُس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔ "حقے پر کوئی پابندی لگنے والی ہے۔"

"حقے پر کس نے پابندی لگانی ہے۔ اَب گھر کا اپنا جو ڈاکٹر آ جائے گا اس لئے۔" علی گوہر نے کہا۔

"گھر کا ڈاکٹر......؟" فرزند نے اُس کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا مطلب ہے تمہارا؟"

علی گوہر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرایا اور کہا۔ "چوہدری صاحب......منہ میٹھا کرانے سے ڈرتے ہیں تو نہ کرائیں۔ انجان تو نہ بنیں۔ آپ کے چہرے پر ایسی بات سجتی نہیں ہے۔"

"میں انجان بن نہیں رہا۔ انجان ہوں۔ تُو کیا کہہ رہا ہے اور کس کی بات کر رہا ہے مجھے پتہ نہیں ہے۔" فرزند علی نے کہا۔

"واقعی نہیں پتہ؟" علی گوہر نے اُس کی طرف مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے تجھ سے جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ تُو جانتا ہے کہ میں کرنے

والی بات چھپاتا نہیں ہوں۔" فرزند نے کہا۔ "بتا کس ڈاکٹر کی بات کر رہا ہے اور گھر کا اپنا ڈاکٹر سے تیرا کیا مطلب ہے۔"

"میرا تو خیال تھا کہ آپ کو کیا ساری حویلی کو پتہ ہوگا۔" علی گوہر خود کلامی کے انداز میں بولا۔ "یہ بھی ہو سکتا ہے بس آپ ہی کو نہ پتہ ہو۔ باقی سب جانتے ہوں۔"

"کیا پتہ ہوگا؟ تیری بات سن کے اَب تو مجھے بھی اشتیاق ہو گیا ہے کہ میں بھی جانوں تو کہنا کیا چاہتا ہے۔ کھل کر بات کر۔" فرزند اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ "بات کوربڑ کی طرح لمبا نہ کئے جا اور صاف صاف بتا کیا کہنا چاہتا ہے تُو۔"

"مجھے تو خود حیرانی ہو رہی ہے چوہدری صاحب۔" علی گوہر نے کہا اور اپنی گردن اُس کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔ "کیا آپ کو واقعی اس بات سے لاعلم رکھا گیا ہے کہ فلک شیر پڑھ لکھ کر ڈاکٹر بن گیا ہے؟" علی گوہر نے بات بڑے انداز میں کہہ دی تھی۔

علی گوہر کی بات سن کر فرزند اُس کی طرف استعجاب بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا تھا۔ یہ انکشاف اس کے لئے چونکا دینے والا تھا۔ جس بھائی کو وہ باپ کا درجہ دیتے تھے اُس نے یہ بات چھپائی تھی یا یہ خبر اس تک نہیں پہنچی تھی۔ فرزند کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ اُس نے کہا۔ "تجھے کس نے بتایا ہے کہ فلک شیر ڈاکٹر بن گیا ہے؟"

"مجھے......" علی گوہر یاد کرنے کے انداز میں بولا۔ "کون سویرے بات کر رہا تھا۔ آج کوئی شہر سے آیا تھا اپنے گاؤں میں اکثر آتا جاتا رہتا ہے......کیا نام ہے اُس کا۔"

"عاشق......؟" فرزند نے جلدی سے نام لیا۔

"نہیں......نہیں...... پتہ نہیں کیا ہو گیا ہے۔ خیر یاد آیا تو بتاؤں گا۔ مجھے اُس سے پتہ چلا تھا۔ یہ تو کئی مہینوں کی بات ہے۔ اَب تو فلک شیر ہسپتال میں کام بھی کرتا ہے۔" علی گوہر نے فرزند کا جائزہ لیا۔ وہ خیرہ نگاہوں سے اَب بھی اُس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ علی گوہر دل ہی دل میں مسکرایا۔ اور پھر پوچھا۔ "آپ کو نہیں تو حویلی میں دوسرے لوگوں کو تو پتہ ہی ہوگا۔ بھلا اتنی بڑی خبر ہو اور آپ کو پتہ نہ ہو۔ ممکن نہیں ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ بات میں تجھ سے سن رہا ہوں۔" فرزند کے لہجے میں ایسا تغیر رونما ہو گیا تھا جس سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ اندر سے اُبل پڑا تھا۔ لیکن اس کا اظہار وہ کرنا نہیں چاہتا تھا۔

"پھر ایک گزارش ہے چوہدری جی۔" علی گوہر نے تذبذب سے اپنی آنکھیں نچاتے ہوئے کہا۔

"کیا......؟" فرزند نے اُس کی طرف چونک کر دیکھا۔

"اَب اگر مجھ سے پتہ چل ہی گیا ہے تو میرا نام نہ آئے۔ آپ تو جانتے ہیں کہ میں ہی کیا سارا گاؤں چوہدری منظور احمد کے غصے سے ڈرتا ہے۔" علی گوہر نے زیرک لہجے میں کہا جیسے وہ واقعی اس بات سے خوفزدہ ہو کہ منظور احمد کو پتہ چل گیا تو وہ اُسے اپنے سامنے کھڑا کر لے گا۔ اور اُس کی گردن اُڑا دے گا۔

"ہوں......" فرزند نے سوچ میں مستغرق محض اتنا ہی کہا۔ اور پھر علی گوہر کی طرف دیکھ کر کہا۔ "مجھے تیری بات پر یقین نہیں ہے۔ یہ بات تجھے کسی نے ایسے ہی بتا دی ہوگی۔"

"بھلا کیوں یقین نہیں ہے؟" علی گوہر نے پوچھا۔

"فلک شیر کو اگر پاء منظور احمد نے ڈاکٹر بنانا تھا تو وہ اپنے دوسرے پتر ناصر کو بھی کچھ بناتا' ہمارے بچوں پر بھی توجہ دیتا۔ ایک اکیلے فلک شیر پر ہی توجہ دینے کی بات مجھے سمجھ میں نہیں آئی۔ میں اس بات کو نہیں مانتا۔ اُس کے اپنے کیا ہم بھائیوں کے بچے بھی اُسی کے اختیار میں ہیں۔" فرزند نے کہا۔

علی گوہر نے اطمینان سے کہا۔ "چوہدری صاحب میں نے جو سنا وہ بات اس خیال سے کر دی تھی کہ آپ کو پتہ ہوگا۔ اَب یہ معاملہ آپ لوگوں کا ہے۔ میں کچھ کہتا اچھا نہیں لگتا۔"

"نہیں تو بول......جو کہنا چاہتا ہے' وہ کہہ......تجھے اجازت ہے۔" فرزند نے کہا۔ وہ خود بھی بات کی تہہ تک پہنچنا چاہتا تھا۔

"نہیں چوہدری صاحب میں کچھ نہیں کہوں گا۔ چلتا ہوں۔" علی گوہر نے شاطرانہ انداز میں کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

فرزند اُس کی بات سن کر جن مضطرب انگار پر پاؤں رکھ بیٹھا تھا' اَب یہ ممکن نہیں تھا کہ علی گوہر اُس کے پیروں پر پانی ڈالے بغیر ہی چلا جائے۔ اس لئے اُس نے فوراً کہا۔ "علی گوہر......بیٹھ جاؤ اور جو کہنا چاہتے ہو وہ کہو۔ میں اس بات کی حقیقت تک جانا چاہتا ہوں۔"

"میں بولوں گا تو آپ بُرا مان جائیں گے۔" علی گوہر نے کہا۔

"تیری بات کا بُرا نہیں مناؤں گا......بول کیا بولنا چاہتا ہے۔" فرزند نے کہا۔

علی گوہر نے اُس کا چہرہ دیکھا اور کہا۔ "یہ میرا خیال ہے۔ چوہدری منظور احمد کا ایک بیٹا ڈاکٹر بن گیا دوسرا نہیں بنا تو کیا ہوا؟ ایک ڈاکٹر بن گیا دوسرا زمینوں کی دیکھ بھال کرے گا۔ اگر ناصر کو بھی وہ ڈاکٹر بنا دیتے تو پھر بھائیوں کی اُولادوں کو بھی اپنے بچوں کے برابر میں کھڑا کرنے کے لئے اُنہیں زور دینا پڑتا۔ آخر خاندان کی کمان تو اُن کے ہاتھ میں ہی ہے ناں۔" علی گوہر نے چند ثانئے چپ ہو کر ٹیڑھی آنکھ سے فرزند علی کا جائزہ لیا جو اس کی بات اُس کی طرف ٹکٹکی باندھے سن رہا تھا۔ وہ پھر بولا۔ "اپنی شان کا جھنڈا بڑا بھائی اگر اپنے پاس ہی رکھنا چاہتا تھا تو اُنہوں نے ایسا کیا۔ اور ہوشیاری سے کیا۔ معافی چاہتا ہوں آپ نے مجبور کیا تو میں نے اپنا خیال ظاہر کیا۔ ہوسکتا ہے میری سوچ غلط ہو۔"

فرزند علی کچھ نہیں بولا بس اُسے دیکھتا ہی رہا۔ علی گوہر ایک چنگاری اُس کی جھولی میں دھیمے لفظوں کی آنچ میں ڈال کر چلا گیا۔

❋

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منظور احمد کی واپسی ہوگئی تھی۔

رات کو اُس نے تینوں بھائیوں' اُن کی بیویوں اور بچوں کو اپنی حویلی میں بلا لیا تھا۔شہر سے وہ مٹھائی کی ٹوکری بھی لے کر آیا تھا۔وہ بہت خوش تھا۔مسرت اُس کے چہرے سے پھوٹ رہی تھی۔اس سے قبل فرزند علی نے بختاں سے بھی پوچھا تھا کہ کیا تیرے علم میں یہ بات ہے کہ فلک شیر ڈاکٹر بن گیا ہے؟ بختاں یہ بات پہلی بار سن رہی تھی۔وہ تو حیرانی سے جواب دینے کی بجائے اُس کا منہ دیکھنے لگی تھی۔دروازے سے لگی سیماں کے لئے بھی یہ بات بڑی حیران کن تھی۔

اس کے بعد فرزند علی سیدھا یاور حیات کے پاس چلا گیا۔اس وقت یاور حیات اپنے کمرے میں اکیلا ہی بیٹھا ہوا تھا۔فرزند علی نے اُس سے بھی وہی سوال کیا۔سوال سن کر بختاں جیسی ہی حیرت فرزند کو اُس کے چہرے پر دیکھنے کو ملی۔فرزند علی کو علی گوہر کی باتوں میں سچائی نظر آنے لگی تھی۔فرزند علی نے یہ نہیں بتایا تھا کہ اُسے اس بات کا علم کس سے ہوا ہے۔

منظور احمد کی حویلی میں اس کا سارا خاندان جمع تھا۔مٹھائی سامنے رکھی ہوئی تھی۔نور بانو حیران تھی کہ ماجرا کیا ہے۔جبکہ دونوں بھائی اپنے اپنے دل میں اپنا اپنا شکوہ دبائے براجمان تھے۔لیکن اُن کے چہروں سے کوئی ایسی بات عیاں نہیں ہوتی تھی کہ جس سے منظور احمد کو اُن کے اندر کی کیفیت معلوم ہو سکے۔

''آج میں شہر سے ایک خوشخبری سن کر آ رہا ہوں۔سب منہ میٹھا کرو۔پھر میں خوشخبری سناتا ہوں۔''منظور احمد نے خوشی میں مخمور کہا۔

''پہلے خوشخبری تو سن لیں۔پھر منہ میٹھا کرنے میں اور بھی مزہ آئے گا۔''فرزند علی نے اپنی مصنوعی مسکراہٹ میں دل کی سلگن چھپاتے ہوئے کہا۔''کیا خیال ہے؟''اُس نے سب کی طرف رائے لینے کے لئے دیکھا۔سب نے ہی فرزند کی بات پر اتفاق کیا تھا۔

''یہ بھی ٹھیک ہے۔آج میں اپنے کام سے فارغ ہو کر فلک شیر کی طرف چلا گیا۔میں نے اُس سے پوچھا تو کوئی کام شام بھی کرتا ہے کہ نہیں۔میں حیران رہ گیا جب اُس نے بتایا کہ وہ ڈاکٹر بن گیا ہے۔ہمارے خاندان کا وہ پہلا لڑکا ہے جس نے ڈاکٹری پاس کی ہے۔''منظور احمد نے خوشی میں نہال ہوتے ہوئے بتایا۔اُس کے گالوں میں سُرخی اُتر آئی تھی۔

بھائیوں نے سن کو اپنے چہروں پر محض مسکراہٹ عیاں کی' اُن کی بیویوں کے تاثرات واضح نہیں تھے' اُن کے بچوں کے دلوں پر جیسے کسی نے سلگتے انگار رکھ دیئے ہوں۔وہ جل کر ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے' سیماں نے پہلے ہی سنا ہوا تھا اس لئے وہ مسرت سے ویسے ہی کھلی ہوئی تھی۔

''یہ تو کمال خبر ہے۔''فرزند علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔اور ساتھ ہی نور بانو کی طرف دیکھا۔وہ اُس جانب سے کچھ سننا چاہتا تھا۔تا کہ اس بوچھاڑ میں حقیقت کی گرہیں مزید کھل کر سامنے آ سکیں۔

نور بانو کا یہ سننا تھا کہ اُس کے تن بدن میں حسد کی ایسی آگ بھڑکی کہ جس کے شعلے اُس کی آنکھوں میں دکھائی دینے لگے' اُس کے اندر برداشت کی اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ اس بات کو سن کر اور چپ رہ سکتی۔

''منظور احمد! ہمارے چہروں پر کیا یہ لکھا ہے کہ ہم بے وقوف ہیں۔بے عقل ہیں۔روٹی کو چوچی کہتے ہیں' اندھے ہیں۔اپنے لاڈلے کو چپ چاپ ڈاکٹر بنا کر اَب بتا رہے ہو کہ وہ ڈاکٹر بن گیا اور تمہیں آج ہی پتہ چلا ہے۔اُس لاڈلے کی پڑھائی پر لاکھوں روپیہ خرچ کر کے یہ ڈرامہ رچا کر مجھے بتایا جا رہا ہے' میری اُولاد کو بتایا جا رہا ہے کہ وہ ڈاکٹر بن گیا ہے۔ان سب کو پتہ تھا۔میرے بچوں اور مجھ سے چھپایا گیا تھا۔''نور بانو کی فلک شگاف آواز پوری حویلی میں گونج رہی تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منظور احمد اُس کی طرف دیکھنے لگا۔اس موقعے پر فرزند علی نے نور بانو سے کہا۔"ہمیں اپنے بھائی کے ساتھ شامل نہ کر بھابی......ہم بھی تیری طرح ابھی ہی یہ سن رہے ہیں۔"

"میں کیسے مان لوں......؟"نور بانو اپنی جگہ سے اُٹھ کر فرزند علی کی جانب متوجہ ہوئی اُس کا لہجہ تیز تھا۔"یہ بھائی تم بھائیوں سے اپنے دل کی بات چھپا لے؟ یہ ناممکن ہے۔"

"فرزند علی ٹھیک کہہ رہا ہے۔ہم اَب ہی جان رہے ہیں۔ہمارا یقین کرو۔"اس بار یاور حیات بولا۔"بہتر ہے کہ یہ الزام ہم پر مت لگاؤ۔"

"میرا بھی یقین کرو کہ مجھے آج ہی فلک شیر نے بتایا ہے۔ورنہ مجھے تو اُس کے پاس کئی کئی مہینے جانے کی فرصت نہیں ہوتی تھی۔"منظور احمد کے لہجے میں استدلال تھا۔"ہم میں سے کس کو یہ پتہ ہے کہ ڈاکٹر کیسے بنا جاتا ہے۔اُس نے پڑھائی کی اور ڈاکٹر بن گیا۔"

"مجھے تمہاری بات پر یقین نہیں۔تم نے اپنے بچوں پر توجہ نہیں دی۔اُس دو کوڑی کی عورت کے بچے کو ڈاکٹر بنا دیا۔ہمیں بتائے بغیر تا کہ میں اپنے بچوں کے حق کے لئے کھڑی نہ ہو جاؤں۔"نور بانو کا غصہ آسمان پر تھا۔وہ صاحب حیثیت تھی زندہ تھی اپنے بچوں کے ساتھ تھی اور کوئی بچہ اتنا پڑھ نہیں سکا تھا اور جس کی ماں ساتھ نہیں تھی' وہ ڈاکٹر بن گیا تھا' نور بانو کو اس بات کی بھی شدید جلن تھی۔

"انہوں نے جتنا اسکول جانا تھا یہ گئے' میری نہ ان بچوں پر پڑھائی کے معاملے میں توجہ تھی اور نہ ہی فلک شیر پر۔"منظور احمد نے کہا۔

"یہ مت کہو کہ تمہاری اُس لاڈلے پر توجہ نہیں تھی۔"نور بانو نے بلا تامل کہا۔"تم نے اُسے پڑھایا لکھایا ہے۔اور اگر ان بھائیوں کو بھی تم نے اس بات سے بے خبر رکھا تھا تو اس کی وجہ یہ ہی ہو سکتی ہے کہ تم ان بھائیوں کو اپنی برابری دینا ہی نہیں چاہتے ہو۔"

نور بانو کی یہ بات سن کر فرزند علی کا دھیان علی گوہر کی باتوں کی طرف چلا گیا۔اُس نے بھی ایسا ہی کہا تھا۔

"تم نے کبھی پہلے میری بات پر یقین کیا ہے اور نہ ہی اَب کرو گی۔"منظور احمد

نے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔وہ بھی کچھ غصے میں آ گیا تھا۔

"میں کیسے تم پر یقین کروں۔تم نے اُس پر خرچ کیا' اُسے پڑھایا جو ایک کام کرنے والی عورت کا بیٹا ہے۔"نور بانو نے دانت پیس کر کہا۔اُس کی برداشت سے یہ باتیں باہر ہو رہی تھیں۔

"بکواس بند کرو نور بانو......وہ میرا بیٹا ہے۔"منظور احمد نے بھی درشت لہجے میں کہا۔"اُس عورت کا نام بار بار مت لیا کرو۔"

فرزند علی نے دھیمے لہجے میں کہا۔"بھابی ٹھیک کہہ رہی ہیں پاء منظور......اُس نے جنم سکھاں کے بطن سے لیا ہے۔"

"تو پھر کیا ہے؟ تم بھول گئے ہو ابا جی نے کہا تھا کہ وہ اس حویلی کا بیٹا ہے۔ہماری طاقت ہے۔"منظور احمد نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"اُسے جنم سکھاں نے دیا تھا تو اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ اُس کا بیٹا تھا، میرا اُس کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔"

"تعلق ہے تو تم نے نبھایا ہے۔ورنہ وہ ناصر کی طرح نہ ہوتا' تمہارے بھائیوں کی اُولادوں کی طرح وہ بھی کتابوں کا اتنا منہ نہ دیکھتا۔"نور بانو نے چیخ کر کہا۔

"ناصر کیا بیگانہ ہے۔یہ بھی میرا پتر ہے۔"منظور احمد نے کہا۔

"سمجھا ہوتا تو تب ناں۔اُسے پڑھنے کے لئے شہر بھیجا تھا تو اسے بھی بھیجتے۔"نور بانو نے کہا۔"ان کی اُولادوں کو بھی بھیجتے۔"

"میں نے تو اُسے تیری نظروں سے دور کرنے کی غرض سے بھیجا تھا۔"منظور احمد نے کہا۔

"سیدھی طرح سے کیوں نہیں کہتے ہو کہ میری نظروں میں مٹی ڈالنے کے لئے تم نے ایسا کیا تھا۔لیکن ایک بات یاد رکھو منظور احمد......اگر وہ میری حویلی میں آیا تو میں ناصر سے کہہ کر اُسے گولی مروا دوں گی۔"نور بانو نے غصیلے لہجے میں کہا۔

منظور احمد تیزی سے اُس کی طرف بڑھا اور ہاتھ اُٹھا کر نور بانو کے منہ پر مارنا ہی چاہتا تھا کہ ناصر درمیان میں آ گیا۔فرزند علی اور یاور حیات بھی اُٹھ کھڑے ہوئے تھے۔فرزند علی نے آگے بڑھتے ہوئے منظور احمد کا ہاتھ پکڑ کر اُسے ایک طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہٹا کر کہا۔ "یہ تم کیا کر رہے ہو۔ ہاتھ اُٹھا رہے ہو؟ وہ بھی جوان اُولاد کے سامنے۔ کیا ہو گیا ہے؟"

"تم نے سُنا نہیں کیا کہا ہے نور بانو نے؟" منظور احمد نے اُس کی طرف دیکھا۔

فرزند نے گھوم کر نور بانو کی طرف دیکھا اور کہا۔ "بھابی..... کتنا غصہ کرو گی۔ پاء منظور احمد کہہ رہا ہے کہ وہ ان ساری باتوں سے لاعلم ہے۔ تم اس کا یقین کرو۔ اس طرح ہم آپس میں ہی لڑنے لگے تو اس گاؤں میں ہمارا جو رُعب ہے وہ ختم ہو جائے گا۔ ہم آپس میں ہی کمزور ہو جائیں گے۔ یہ لڑائی جھگڑا بند کرو۔"

"فرزند ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہماری آپس کی لڑائی تیز بارش کے قطروں کی طرح اس حویلی سے باہر چلی گئی تو ہماری بدنامی ہے۔" یاور حیات نے بھی مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ لیکن میرا یہ فیصلہ ہے کہ وہ اس حویلی میں نہیں آئے گا۔" نور بانو منہ موڑ کر اپنا فیصلہ سناتے ہوئے کہا۔

"اگر یہ مسئلہ حل ہو جائے تو اس حویلی میں امن ہو جائے گا کیا؟" فرزند نے نور بانو کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری طرف سے کوئی بات نہیں ہو گی۔" نور بانو نے کہا۔ ناراضگی اُس کے چہرے سے عیاں تھی۔

"ٹھیک ہے..... وہ یہاں نہیں آئے گا....." فرزند نے بلا تامل کہا۔

"یہ تم کیا کہہ رہے ہو فرزند؟" منظور احمد نے اُس کی طرف دیکھ کر فوراً کہا۔ "وہ یہاں آئے گا۔"

"کیا فرق پڑتا ہے۔ یہ تینوں حویلیاں ایک جیسی ہی ہیں۔ یہاں نہیں آئے گا۔ وہ میری حویلی میں آیا کرے گا۔ وہاں ٹھہرا کرے گا۔ یاور کی حویلی میں چلا جایا کرے گا۔ مقصد تو یہ ہے کہ ہم آپس میں سکون کے ساتھ رہیں۔ ہماری اُونچی آوازیں کوئی اور نہ سنے۔ کیوں یاور.....؟"

"ہاں..... عقل مندی کا یہی تقاضا ہے۔" یاور حیات نے کہا۔ منظور احمد کا غصہ ٹھنڈا ہونے لگا تھا۔ اُس نے بھی سوچا کہ مصلحت اسی میں ہے کہ وہ حویلی کے سکون

کے لئے فی الحال وہی کرے جو اس کے بھائی کہتے ہیں۔ اس کا مستقل حل کیا کرنا ہے وہ اپنے بھائیوں کے مشورے سے بعد میں بھی کر سکتا ہے۔ فرزند کی ہاں میں ہاں ملاتے ہوئے یاور حیات نے منظور احمد کا ہاتھ پکڑ کر ہولے سے دبایا بھی تھا جس کا شاید یہ مطلب تھا کہ وہ بات کو سمجھنے کی کوشش کرے۔ یہ بات بھی تھی کہ نور بانو کا تعلق ایک بڑے جاگیردار گھرانے سے تھا۔ وہ اُسے اپنی طاقت کے بل بوتے پر اتنا بھی دبانے کی کوشش نہیں کر سکتے تھے کہ دونوں خاندانوں میں ٹکراؤ کا سبب بن جائے۔

"اَب ٹھیک ہے بھابی؟" فرزند نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس نے میرے اور میری اُولاد کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔" نور بانو نے کہا۔ اور اپنی کرسی پر منہ بسور کر بیٹھ گئی۔ منظور احمد نے کچھ کہنے کے لئے اُس کی طرف رُخ کیا اور اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا، فرزند نے آنکھوں کے اشارے سے منع کر دیا۔

سلگتے لفظوں اور انگار برساتے جذبات کی اس جنگ میں اگر کوئی ان سب باتوں سے بے نیاز خوش اور اپنے دل پر کھلتی کلیوں کی مالا محسوس کر رہی تھی تو وہ سیماں تھی۔ جسے اس بات کی خوشی تھی کہ اَب فلک شیر اس کی حویلی میں آیا کرے گا اور وہاں ہی رہا کرے گا۔ یہ کوئی نہیں جانتا تھا کہ کئی سال پہلے فلک شیر کے لئے محبت کا بیج دل کی زمین پر جو گرا تھا وہ عشق، جنون اور پیار کی کئی شاخوں میں تبدیل ہو چکا تھا۔ کئی سالوں کے بعد اس حویلی کی چھت کے نیچے غیر محسوس انداز میں تغیر کی فصل کے جو چند سرے باہر نکلے تھے، اُس کی آبیاری علی گوہر نے جس طرح سے کی تھی وہ اُس میں کامیاب رہا تھا۔

❀✪❀

علی نواز کی حویلی سے نکل کر فرزند سیدھا یاور حیات کے پاس چلا گیا تھا۔ اُس کے ساتھ اُس کی بیوی بختاں بھی تھی۔ یاور حیات اور اُس کی بیوی سکینہ ایک الگ کمرے میں چلے گئے۔ وہ چاروں آمنے سامنے ہی بیٹھ گئے تھے۔

"کچھ سمجھنے کی کوشش کی یاور تُو نے؟" فرزند نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس کا سر معنی خیز انداز میں ہل بھی رہا تھا۔

"اَب بھی نہ سمجھا تو پھر کب سمجھوں گا۔" یاور حیات نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”تیرا دل کیا کہتا ہے کہ پاء منظور احمد کو واقعی پتہ نہیں تھا کہ فلک شیر ڈاکٹر بن رہا ہے۔“ فرزند نے اُس کے چہرے پر اپنی نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

”ایسا ہوسکتا ہے۔ ہمارے بچے گاؤں میں کیا کرتے ہیں۔ اس کی خبر ہوتی ہے اُسے فلک شیر کی کوئی خبر نہیں تھی۔“ یاور حیات کے ہونٹوں میں تمسخر سے بھری تبسم کی ہلکی لکیر رقص کر رہی تھی۔

”میرا بھی یہی خیال ہے۔“ فرزند نے کہا۔

”کچھ ہمیں بھی تو پتہ چلے‘ کیا سمجھنے سمجھانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔“ بختاں نے دونوں کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں...... ہمیں بھی تو پتہ چلے۔“ سکینہ نے کہا۔

”ہماری بیویاں بھی سادہ ہی ہیں۔ بات سمجھنے میں دیر لگا دیتی ہیں۔“ فرزند نے کہا۔ ”سیدھی بات ہے۔ منظور احمد نے ہمیں اس گاؤں کا رکھا۔ کبھی کبھار شہر چلے گئے تو چلے گئے۔ وہ خود شہر بھی جاتا رہا‘ اور اپنے پتر کو ڈاکٹر بھی بنا لیا۔ اور اَب کہتا ہے کہ وہ اس سے لاعلم تھا۔ یہ کیسے ہوسکتا ہے۔“

”ایک بات ہے۔“ سکینہ نے سوچتے ہوئے کہا۔ ”وہ ٹھیک ہی کہتے ہوں گے۔ اگر اُنہیں ڈاکٹر بنانا ہوتا تو وہ اپنے ان بچوں کو بھی پڑھا لکھا لیتے۔“

”ہاں یہ بھی تو اُن کی اُولاد ہیں۔“ بختاں نے بھی کہا۔

”تم لوگوں نے نور بانو کی بات نہیں سنی تھی جب اُس نے کہا تھا‘ تم ان بھائیوں کو اپنی برابری دینا ہی نہیں چاہتے ہو۔ ہمارے بچے بھی اگر پڑھ لکھ کر کچھ بن جاتے تو ہم بھی اُس کے برابر کھڑے نہ ہوجاتے۔“ فرزند نے کہا۔

”پاء منظور احمد نے ٹھیک نہیں کیا۔“ یاور حیات نے تاسف سے کہا۔ ”مجھے یہ بتا فرزند...... جب فلک شیر کا داخلہ اس گاؤں میں بند ہو رہا تھا تو تُو نے کیوں اُسے اپنی یا میری حویلی میں رکھنے کا کہہ کر اس کا بند ہوتا راستہ پھر سے کھول دیا؟ یہ جاننا بھی ہے کہ اُس کی ڈاکٹری ہم سے ہضم نہیں ہوئی۔ اَب وہ ہمیں اچھا نہیں لگنے لگا۔“

”یاور...... گرم گرم کھانے سے منہ سڑ جاتا ہے۔ ابھی تو پاء منظور احمد کی ایک بات کا پتہ چلا ہے کہ اُس نے اندر ہی اندر کیا کیا ہے۔ زمینیں جائیدادیں اتنی ہمارے نام

پر نہیں ہیں جتنی کہ اُس کے نام پر ہیں۔ ابھی ہمارے ہاتھ گٹھلی آئی ہے۔ اس کے اندر کیا ہے اس کا ابھی پتہ چلانا ہے۔ ہماری سوچ غلط ہوئی تو ہم پاء منظور احمد کے بھائی بن کر رہیں گے۔ وہ غلط ہوا تو پھر ہم بھی سوچ لیں گے۔“ فرزند نے دور اندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔ اُس کا انداز اُسے سمجھانے والا تھا۔

”بات تو تیری ٹھیک ہے۔“ یاور حیات نے اثبات میں گردن ہلاتے ہوئے اس کی بات کی تائید کی۔

”جس بات کا پتہ چلا ہے اسے دل میں رکھو اور باقی کی کھوج کے لئے کھوجی بن جاؤ۔ آہستہ آہستہ کوئی تو سرا مل ہی جائے گا۔“ فرزند نے کہا۔ ”بس کسی بھی کام میں جلدی نہیں کرنی ہے۔ ہوسکتا ہے اس میں ہمارا ہی نقصان ہوجائے۔“

”کل جب ڈیرے میں پاء منظور احمد آئے گا تو اسے بھی سمجھا دیں گے کہ وہ بھابی سے اُلجھنے کی بجائے مصلحت سے کام لے۔ وہ سکھاں نہیں ہے۔“ یاور حیات نے کہا۔

”ابا جی نے جو بھی فیصلہ اپنی زندگی میں کیا تھا وہ ہم نے قبول کیا تھا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ فلک شیر کو میں حویلی میں رکھنے کے لئے دل سے رضامند نہیں تھا۔ لیکن ابا جی کے آگے بولا نہیں۔ فلک شیر کے باپ کے خانے میں اگر منظور احمد کا نام لکھا جاتا ہے تو ماں کے خانے میں قیامت تک سکھاں کا ہی نام رہے گا۔ ہمارے سامنے اس گاؤں والے نام نہیں لیتے‘ لیکن ہمیں پتہ چلتا ہے کہ وہ فلک شیر کو سکھاں کا بیٹا ہی کہہ کر ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں۔ مجھے لگتا ہے فلک شیر کے ڈاکٹر بن جانے سے سکھاں کی پہلی جیت ہماری حویلی کی چھت کے نیچے ہوگئی ہے۔“ فرزند نے متانت سے کہا۔

”ہم نے بھی کچھ نہیں سوچا تھا۔ اُسے شہر جانے ہی نہ دیتے۔ کسی نہ کسی طرح روک لیتے۔ کم از کم وہ اتنا پڑھ تو نہ جاتا۔“ یاور حیات نے ایسا منہ کر کے کہا جیسے اُس کی منہ میں کوئی بدذائقہ چیز چلی گئی ہے۔

”خیر جو ہوا وہ تو ہوگیا ہے۔ اَب آگے سوچ سمجھ کر چلنا ہوگا۔“ فرزند علی نے کہا اور یاور حیات نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ کچھ دیر کے بعد فرزند اپنی بیوی کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

✿✪✿

جیسے ہی دونوں اپنی حویلی میں آئے بختاں نے کہا۔''آتے ہوئے میرے دماغ میں ایک بات آئی ہے۔''

''کیا بات آئی ہے؟''فرزند علی نے اُس کی طرف دیکھا۔

''فلک شیر ڈاکٹر بن گیا ہے۔ہم اُس کا بیاہ اپنی بیٹی سے نہ کردیں۔''بختاں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ ڈر کے ساتھ کہا۔

اُس کی بات سنتے ہی فرزند نے سیخ پا ہوکر کہا۔'مت تو نہیں ماری گئی تیری۔آئندہ یہ خیال اپنے دماغ میں نہ لانا۔''

''پر اس میں حرج کیا ہے؟''بختاں نے متانت سے پوچھا۔

''اتنا پڑھا لکھا جوائی ہمیں نہیں چاہئے۔ہمارے باپ نے داماد ڈھونڈتے ہوئے اُن کی حیثیت تکڑی میں رکھ کر پہلے وزن کی تھی پھر جوائی بنایا تھا۔ہم گردن کھڑی کرکے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرنے کے عادی ہیں۔جھکنے کی عادت نہیں ہے ہمیں۔''فرزند علی نے نفرت سے کہا۔''اس کا باپ ہمارا بھائی ضرور ہے لیکن اُس کی ماں وہ ہے جو اپنے تایا کے گھر میں نوکرانی تھی۔''

''اُس کی ماں کا تو وجود ہی ختم ہوگیا ہے۔''بختاں نے کہا۔

''یہ ہم کہتے ہیں۔لیکن سارا گاؤں ایسا نہیں کہتا ہے۔آئندہ یہ خیال دماغ میں مت لانا۔''فرزند نے کہا اور اس کمرے سے باہر نکل گیا۔

ان کی باتوں سے بے نیاز سیماں دوسرے کمرے میں فلک شیر کا خواب جاگتی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔اُسے لگ رہا ہے تھا جیسے وہ اُس کے ساتھ ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑے چل رہے ہیں۔دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بہت خوش وخرم ہیں۔اور ایک دوسرے کا ساتھ پاکر بہت ہی مطمئن ہیں۔

سیماں کو اس بار فلک شیر کا بے چینی سے انتظار تھا۔اُس نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ فلک شیر سے اس بار اپنے دل کی بات ضرور کرے گی۔

یادر حیات کی حویلی کے ایک کمرے میں انگاروں کا جو دھواں اُٹھ رہا تھا اُس سے دوسرے تمام بے خبر تھے۔اُس کمرے میں ناصر کے ساتھ سکندر'نوید'نصیر اور نثار

موجود تھے۔ناصر نے اُن سب کے آگے ایک بات رکھ دی تھی کہ'جس نے فلک شیر سے ملنا ہے وہ پھر میرے ساتھ کوئی ناطہ نہ رکھے۔

اُس کی بات سن کر کمرے میں سناٹا چھا گیا تھا۔سب ہی سوچنے لگے تھے اور پھر سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا'آنکھوں ہی آنکھوں میں اثبات کے اشارے ہوئے اور سکندر نے کہا۔

''ہم تیرے ساتھ ہیں ناصر۔وہ ہماری حویلی میں آئے گا'رہے گا یہ ہمارے باپ کا معاملہ ہے لیکن ہم اُس سے کوئی تعلق نہیں رکھیں گے۔''

''یہی ہمارا فیصلہ ہے۔''نصیر احمد نے کہا۔

''فلک شیر کی وجہ سے میری ماں کا دل دکھتا ہے۔اُسی کی وجہ سے میرے باپ نے میری ماں پر ہاتھ اُٹھایا ہے۔میں فلک شیر کو چھوڑنے والا نہیں ہوں۔چاہے مجھے اُس کی ٹانگیں توڑنا پڑیں یا جان سے مار کر یہ قصہ ہمیشہ کے لئے ختم ہی کیوں نہ کرنا پڑے۔''ناصر نے سفاکی سے سب کی طرف باری باری دیکھتے ہوئے کہا۔اُس کی بات سن کر سب نے کہا کہ وہ اُس کے اُٹھے ہوئے ہر قدم کے ساتھ رہیں گے۔

✿✪✿

فلک شیر کے گاؤں جانے کے لئے نیلم اور روبی کی تیاری مکمل تھی کہ عین وقت پر نیلم کی پھوپھو اور اُن کی بیٹی کی'جو کہ نیلم کی ہم عمر تھی'کراچی سے آمد کی اطلاع آگئی۔

وہ شام کی فلائٹ سے پہنچ رہی تھیں۔وہ پورے ڈھائی سال کے بعد آرہی تھیں۔نیلم نے یہ مناسب نہیں سمجھا کہ وہ اتنے عرصے کے بعد آئی ہوئیں پھوپھو اور اُن کی بیٹی کو چھوڑ کر گاؤں کے لئے روانہ ہوجائے۔اپنی پھوپھو کی بیٹی سے اُس کی اچھی دوستی بھی تھی۔نیلم نے نہ جانے کی وجہ روبی کو بتائی اور روبی اُس کی وجہ سے ہی جارہی تھی اس لئے اُس نے فلک شیر کو آگاہ کرنے کے بعد خود بھی جانے سے معذرت کرلی۔

فلک شیر اکیلا ہی گاؤں چلا گیا۔فلک شیر کے پاس ابھی گاڑی نہیں تھی اس لئے وہ بس میں سوار ہوگیا تھا'حالانکہ نیلم اور ضیا احمد نے زور بھی لگایا تھا کہ وہ اُن کی کار لے جائے لیکن فلک شیر بس کا سفر کرنا چاہتا تھا۔اُس کے گاؤں بس میں جانا انتہائی مشکل تھا۔شہر سے ڈیڑھ گھنٹے کا سفر جگہ جگہ بس کے رکنے سے ڈھائی گھنٹے پر محیط

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوجاتا تھا۔اور بعض اوقات اس سے بھی زیادہ وقت صرف ہوجاتا تھا۔اور اس سفر کے دوران جو تکلیف ہوتی تھی وہ الگ تھی۔

فلک شیر جب اپنے گاؤں کے باہر اُترا تو لالو کے پتر کا تانگہ وہاں کھڑا تھا۔اُس نے جیسے ہی فلک شیر کو بس سے اُترتے دیکھا وہ بھاگتا ہوا اُس کے پاس گیا اور اُس کا بیگ پکڑتے ہوئے بولا۔"آئیں باؤ جی......میں آپ کو ساتھ لے کر چلتا ہوں۔"

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں لیکن بیگ میرے پاس ہی رہنے دو۔" فلک شیر نے کہا۔

"نہیں......نہیں بیگ آپ مجھے دے دیں۔میں آپ کا نوکر ہوں۔" لالو کے بیٹے جیرے نے کہا۔

"تم میرے نوکر نہیں ہو۔اپنا تانگہ چلاتے ہو اور اپنی کما کر کھاتے ہو۔" فلک شیر نے کہا اور اُسے بیگ دیئے بغیر اُس کے تانگے کی طرف چل پڑا۔وہ تانگے کے آگے بیٹھ گیا جبکہ تانگے کی باگیں سنبھالتے ہوئے جیرا بانس پر بیٹھ گیا تھا۔تانگہ چل پڑا۔وہ سڑک اَب پکی بن گئی تھی جو کہ سیدھی منظور احمد کی حویلی تک جاتی تھی' اُس کے آگے پھر وہی دھول' اور کچا راستہ تھا۔کہیں سے نیچا اور کسی جگہ سے اُونچا تھا۔

جیرا اپنے باپ کی طرح چپ چاپ تانگہ چلانے کی بجائے سواری کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے آتا جاتا تھا۔اپنی عادت سے مجبور کچھ دور جا کر ہی وہ بولا۔"میرا ابا کہتا تھا کہ ایک بار چوہدری میر تاج میرے تانگے میں بیٹھے تھے۔آپ کے دادا جی۔اُس دن وہ بہت خوش تھے اور میرے ابا کے ساتھ اُنہوں نے بڑی اچھی باتیں کی تھیں۔" جیرا کہہ کر چپ ہوگیا۔جبکہ فلک شیر اُس کی طرف دیکھ کر محض مسکرایا۔وہ پھر بولا۔"ایک بات تو بتائیں باؤ جی۔"

"پوچھو۔" فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ بڑے لوگ جب خوش ہوتے ہیں تب ہی وہ اپنے سے چھوٹے لوگوں کے ساتھ ہنس کر بات کرتے ہیں؟" جیرے کی بات میں معصومیت تھی۔فلک شیر اُس کی طرف دیکھ کر پھر مسکرایا اور بولا۔

"اس میں بھی اُن کا تکبر جھلک رہا ہوتا ہے کہ وہ ایک معمولی بندے کو اپنے

ساتھ بات کرنے کی اجازت دے رہے ہیں۔"

"اس کا مطلب ہے کہ آپ کے دادا بھی اُس وقت تکبر میں ہی ہوں گے......"

جیرا اپنی ہی دھن کہتا کہتا رک گیا اور اُس نے زبان اپنے دانتوں کے نیچے دبائی' فلک شیر کی طرف دیکھا اور ڈرتے ہوئے کہا۔"معافی چاہتا ہوں باؤ جی......منہ سے نکل گیا......"

فلک شیر نے ایک بار پھر اُس کی طرف دیکھا اور متانت سے کہا۔"یہاں کا عجیب قانون ہے۔عجیب من مانی ہے۔ہماری بدقسمتی ہے کہ بڑا آدمی چھوٹے کو کچھ بھی کہہ سکتا ہے' اُسے ذلیل کرسکتا ہے' اُس کی بے عزتی کرسکتا ہے اور چھوٹا آدمی کچھ کہہ دے تو اُسے جان کے لالے پڑ جاتے ہیں۔"

"باؤ جی میں سمجھا نہیں۔" جیرے نے خوفزدہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔

فلک شیر اُس کی طرف دیکھ کر مسکرایا اور بولا۔"چھوڑ ان باتوں کو......یہ بتا گاؤں کے کیا حالات ہیں۔"

جیرے کا مزاج یکدم پہلی والی جگہ پر آگیا اور اُس نے کہا۔"گاؤں کے حالات کو کیا ہونا ہے۔ہر کوئی مزے میں ہے۔جو مزے میں نہیں ہے وہ چپ چاپ زندگی کے دن گن رہا ہے۔غریب اور مجبور کی کس کے آگے چلتی ہے۔وہ چپ ہی رہ سکتا ہے۔"

اسی اثنا میں پیچھے سے منظور احمد کی جیپ آئی اور تانگے کو کراس کرتی ہوئی جیسے ہی آگے گئی' آگے والی سیٹ پر بیٹھے ہوئے دیتو نے جیپ کے شیشے سے دیکھ لیا کہ تانگے پر فلک شیر بیٹھا ہے۔دیتو اس وقت منظور احمد کے کسی کام سے واپس آرہا تھا اور وہ ڈرائیور کے ساتھ اکیلا ہی تھا۔اُس نے فوراً جیپ روکنے کے لئے کہا۔ڈرائیور نے جیپ روک دی۔دیتو باہر نکلا اور تانگہ روکنے کے لئے ہاتھ کا اشارہ کیا۔جیرے نے قریب لا کر تانگہ روک لیا۔

"ارے دیتو چاچا......آپ نے مجھے دیکھ ہی لیا۔" فلک شیر نے مسکرا کر کہا۔

"آپ آنے کی اطلاع کردیتے' گاڑی شہر پہنچ جاتی۔" دیتو نے کہا اور فلک شیر کا بیگ پکڑ لیا۔فلک شیر تانگے سے نیچے اُتر آیا۔دیتو نے پھرتی سے اپنی جیب سے ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نوٹ نکالا اور جیرے کے ہاتھ پر رکھ دیا۔وہ فلک شیر کو لے کر جیپ کی طرف چل پڑا۔

کچھ دیر کے بعد جیپ پھر چلنے لگی۔اس بار فلک شیر آگے والی سیٹ پر بیٹھا ہوا تھا جبکہ دیتو پچھلی سیٹ پر اپنی گردن آگے نکال کر براجمان تھا۔

''جیپ چوہدری فرزند کی حویلی کی طرف لے چلو۔'' دیتو نے ڈرائیور کو حکم دیا۔

''چاچا فرزند کی حویلی کی طرف کیوں؟'' فلک شیر نے پوچھا۔

''چوہدری صاحب کا حکم تھا کہ اس بار آپ آئے تو سیدھے اُن کی حویلی میں ہی جائیں گے اور جتنے دن بھی رہیں گے اُن کے مہمان بن کر رہیں گے۔آپ نے ڈاکٹر بن کر ایک بڑی خوشخبری جو دی ہے سب کو۔'' دیتو نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

''چاچا دیتو۔'' فلک شیر نے سامنے دیکھتے ہوئے ہولے سے مخاطب کیا۔

دیتو مستعدی سے متوجہ ہوا۔''جی......جی......حکم......''

سامنے فرزند کی حویلی آ گئی تھی۔جیپ اُن کے مین دروازے کے سامنے رک گئی۔فلک شیر جیپ سے باہر نکلا تو دیتو اُس سے بھی برق رفتاری سے اُس کا بیگ لئے جیپ سے باہر آ گیا۔ایک نظر حویلی کی طرف دیکھ کر فلک شیر نے دیتو کی طرف دیکھا اور متانت سے کہا۔

''مجھے تفصیل جاننے کی ضرورت نہیں ہے۔مگر اتنا بتا دو کہ میرا حویلی میں داخلہ بند ہے کیا؟'' فلک شیر اَب بچہ نہیں تھا کہ وہ بات کے کناروں پر ہی کھڑا اپنے پاؤں گیلے کر کے کسی لہر کا رُخ نہ جان سکے کہ وہ محض کناروں سے ٹکرانے کے لئے ہی آئی تھی یا کہ اُس کا ارادہ کچھ اور تھا۔

''آپ اندر تشریف لے جائیں میں چوہدری منظور احمد صاحب کو اطلاع کرتا ہوں۔آیئے میرے ساتھ آیئے۔'' دیتو کو بات ٹالنے کا فن بخوبی آتا تھا۔وہ حویلی کے گیٹ کی طرف چلا اور اُس کا چھوٹا دروازہ جیسے ہی کھلا اندر سے ایک ملازم نمودار ہوا جس نے دیتو کے ہاتھ سے فلک شیر کا بیگ لے لیا۔دیتو نے اُس سے کہا۔''انہیں اندر لے جاؤ۔میں چوہدری صاحب کو اطلاع کر کے ابھی آیا۔''

دیتو جانے لگا تو فلک شیر نے کہا۔''میرے سوال کا جواب مجھے نہیں ملا۔''

دیتو ہنسا۔''آپ اندر جا کر آرام سے بیٹھیں......لسی پانی پئیں۔چوہدری صاحب

آپ کے بارے میں جانتے ہی بھاگتے ہوئے آئیں گے......آپ پڑھے لکھے ہیں۔ہم سے کہیں سمجھ دار ہیں۔ہم کوڑھ مغز بات کو سمجھنے میں دیر کر سکتے ہیں لیکن آپ ٹھیک سمجھتے ہیں۔'' دیتو نے ہنستے ہنستے فلک شیر کو اس کے سوال کا جواب دے دیا تھا۔

فلک شیر جب حویلی کی نشست گاہ میں پہنچا تو اس کا دل چاہا کہ وہ اسی جگہ سے واپس چلا جائے۔جب اُس کے باپ کی حویلی میں اس کے لئے جگہ نہیں رہی تو پھر چاچا کی حویلی میں آنے کا بھی کوئی جواز نہیں بنتا ہے۔اُس نے سوچا کہ ضرور کوئی ایسی بات ہوئی ہوگی جس کی وجہ سے اُس کی دوسری ماں نے اس کا حویلی میں آنا بند کیا ہوگا۔فلک شیر جانے کے لئے گھوما تو پیچھے سیماں جانے کب کی آ کر کھڑی ہوگئی تھی۔فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھا جبکہ سیماں کی نگاہیں تو اس کے چہرے پر منجمد تھیں۔فلک شیر جیسا خوبصورت اور وجیہہ اس کے خاندان میں نہیں تھا۔وہ اس کے سحر میں اور بھی ڈوب گئی تھی۔

''کیا دیکھ رہی ہو؟'' فلک شیر نے پوچھا تو سیماں یکدم چونکی۔

''تمہیں دیکھ رہی ہوں۔'' سیماں نے کہا۔

''میں کوئی دیکھنے کی چیز ہوں۔'' فلک شیر نے مسکرا کر کہا۔

سیماں نے اُس کے چہرے پر اپنی نگاہیں مرکوز کئے ہوئے کہا۔''کوئی میرے دل سے پوچھے کہ تم کیا ہو۔''

''حویلی تو اچھی بنائی ہے۔'' فلک شیر نے اپنی نگاہیں دائیں بائیں گھماتے ہوئے بات بدلنے کی کوشش کی۔

سیماں نے اپنے ہونٹوں پر تبسم کی لکیر سجا کر کہا۔''اَب تم ڈاکٹر بن گئے ہو؟''

''ہاں......'' فلک شیر نے جواب دیا۔

سیماں نے اپنا بازو اس کی طرف بڑھا کر کہا۔''میری نبض پر ہاتھ رکھ کر دیکھو میرے دل کی دھڑکن کیا کہتی ہے۔'' سیماں کی نگاہیں فلک شیر کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

''میں ابھی اتنا سمجھ دار ڈاکٹر نہیں ہوا کہ دل کی دھڑکنوں کے بارے میں جان سکوں۔'' فلک شیر نے بات ٹالنے کے لئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"پھر تو تم کچے ڈاکٹر ہوئے۔" سیماں نے شرارت سے کہا۔

"ہاں تم ایسا سمجھ سکتی ہو۔" فلک شیر نے کہا اور اِدھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "حویلی میں کوئی دکھائی نہیں دے رہا۔ کہاں ہیں سب۔ چاچا' چاچی اور......"

"ابا زمینوں پر گئے ہیں۔ اور امی دوسری چاچی کی طرف گئی ہیں جبکہ بھائی ہوں گے ڈیرے پر......تم اطمینان سے بیٹھ جاؤ۔ جتنے دن بھی تمہیں اس گاؤں میں رہنا ہے اسی حویلی میں ہی تم رہو گے۔ تم میرے مہمان ہو۔"

فلک شیر نے ایک مسکراہٹ اس کی طرف نچھاور کرتے ہوئے کہا۔ "ایسا کیا ہوگیا تھا کہ اَب میں اُس حویلی میں ہی نہیں جا سکتا؟"

سیماں نے فلک شیر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔ "آتے ہی سب کچھ پوچھ لے گا تو باقی دن کیا بات کرے گا؟"

"میں یہاں باتیں کرنے کے لئے نہیں آیا۔" فلک شیر نے کہا۔ "مجھے یہاں چند دن رہنا ہے' آرام کرنا ہے اور چلے جانا ہے۔"

"ابھی آئے ہو جانے کی بات نہ کرو۔" سیماں نے کہا۔ "کسی کی آنکھوں میں انتظار کی گھڑیوں نے کیسے کانٹے بھرے ہیں وہ تو دیکھ لو۔"

فلک شیر نے اپنی آنکھیں چرا کر کہا۔ "پانی ملے گا پینے کے لئے۔"

"لاتی ہوں۔" سیماں نے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ فلک شیر ایسا بھولا نہیں تھا کہ سیماں کی ہر کو بات کو وہ سمجھتا نہ ہو۔ اُسے یہ شک کئی سالوں سے تھا کہ سیماں اُس کے بارے میں کچھ زیادہ ہی سوچ رکھتی ہے۔ لیکن آج اُس نے بہت کچھ اُس پر عیاں کر دیا تھا۔ اسی اثنا میں بختاں آ گئی۔ اُس نے فلک شیر کو دیکھتے ہی خوشی کا اظہار کیا تھا اور زیادہ دیر نہیں گزری تھی کہ منظور احمد بھی دیتو کے ساتھ وہاں آ گیا۔ حویلی میں ایک ہلچل سی ہو گئی تھی۔

❋

دوپہر کا سورج آسمان کے سینے پر چمک رہا تھا۔ علی گوہر اپنی زمینوں کی چھاتی پر کھڑی فصل کو دیکھ رہا تھا۔ گاؤں میں یہ بات تقریباً سبھی کو پتہ چل گئی تھی کہ فلک شیر کو اُس کے باپ نے ڈاکٹری کی تعلیم دلا دی ہے' اور بات جگو کی زبان سے جنگل میں لگی آگ کی طرح پھیلی تھی۔

جگو اسی گاؤں کا رہنے والا تھا۔ کئی سال قبل اُس کا باپ پُراسرار انداز میں قتل ہو گیا تھا۔ جس کا سراغ آج تک نہیں لگ سکا تھا۔ اُس کی ماں جگو کے باپ کے قتل ہونے کے آٹھ ماہ کے بعد اچانک گاؤں چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ گاؤں میں چہ مگوئیاں ہونے لگی تھیں کہ جگو کے باپ کو اس کی ماں نے مروایا ہوگا اور وہ اپنے آشنا کے ساتھ چلی گئی ہے۔ رفتہ رفتہ یہ باتیں اُس پودے کی طرح سوکھ کر ختم ہو گئیں' جو پانی سے محروم ہو گیا ہو۔

جگو جیسے تیسے بڑا ہو گیا تھا۔ لیکن اُس کا دماغ سوچنے سے عاری اور عقل موٹی تھی۔ اکثر کہتے تھے کہ جگو جھلا ہے۔ اُس کے باپ کی چھوڑی ہوئی تھوڑی سی زمین تھی اور ایک گھر تھا۔ زمین پر فرزند کا قبضہ تھا کیونکہ جگو دور کے رشتے سے بختاں کا بھتیجا لگتا تھا۔ فرزند اپنے مطلب کی چیز پر اپنا پاؤں رکھ ہی لیتا تھا۔

جگو چند سالوں سے علی گوہر کے ساتھ رہنے لگا تھا۔ وہ اکثر اُسی کے ساتھ دیکھا جاتا تھا۔ علی گوہر جیسے زیرک انسان کا جگو کو اپنے ساتھ رکھنا کسی کی سمجھ میں آئے یا نہ آئے لیکن وہ سب سمجھتا تھا کہ اُس نے جگو کو اپنا خاص بندا کیوں بنایا ہوا ہے۔

علی گوہر کے علم میں تھا کہ فلک شیر کا منظور احمد کی حویلی میں داخلہ بند ہو گیا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔اور بھائیوں میں ایسے رخنے نے جگہ لے لی ہے جہاں سے اَب ہلکی ہلکی ہوا آنے لگی تھی۔وقت کے ساتھ وہ رخنہ مندمل ہوجاتا ہے کہ اس کی جگہ بڑا شگاف لے لیتا ہے یہ کہنا ابھی قبل از وقت تھا۔ایسی باتوں کا پتہ علی گوہر کو دیتو سے چلتا رہتا تھا۔

علی گوہر کا باپ زندہ تھا تو دیتو اُس سے باتیں کرلیتا تھا' بہت کچھ کہہ کر بہت کچھ بچا لیتا تھا' اور اپنا پیٹ ہلکا کرلیتا تھا۔انسان کا پیٹ گھڑے کی طرح ہی ہوتا ہے۔جب وہ لبا لب بھر جاتا ہے تو انسان مضطرب ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے پیٹ کو ہلکا کیسے کرے۔کوئی جگہ' کوئی کونا' کوئی راستہ ایسا ضرور رکھا ہوتا ہے جہاں وہ اپنے اندر کا بوجھ باہر نکال سکے۔جس کے پاس ایسی کوئی جگہ نہیں ہوتی وہ دیواروں سے ہی باتیں کرلیتا ہے۔برکت دین کے بعد دیتو کے سامنے علی گوہر ہی تھا کہ جس کے سامنے اُس کی زبان سے بہت کچھ چھلک جاتا تھا' اور علی گوہر کے پاس بھی ایسا فن تھا کہ وہ کچھ کہلوانا جانتا بھی تھا۔دیتو بہت کچھ تو نہیں بتاتا تھا لیکن اتنا کچھ بتا دیتا تھا کہ اس کا پیٹ ہلکا ہوجاتا تھا' اور علی گوہر کا مقصد حل ہوجاتا تھا۔

آج فلک شیر کے آنے سے پہلے علی گوہر نے جگو کو سناتے ہوئے کہا تھا۔

”چوہدری منظور احمد کی پہلی بیوی سکھاں کا بیٹا ڈاکٹر بن ہے۔اُس کی ماں سکھاں ہوتی تو کتنا خوش ہوتی۔وہ خود گاؤں کے ایک ایک گھر جاکر اپنے بیٹے کے بارے میں سب کو بتاتی لیکن یہ لوگ ہیں کہ اتنی بڑی خوشی چھپائے بیٹھے ہیں۔کوئی بتانے والا ہی نہیں ہے۔بتانا تو چاہئے لیکن بتائے کون؟“

جگو نے یہ سنا اور اُسی وقت ایک جوش سے اُٹھ کھڑا ہوا تھا۔علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھا اور پوچھا۔”کہاں جارہا ہے۔“

”سب کو بتانے۔“ اُس نے کہا۔

”کیا بتائے گا؟“

”فلک شیر ڈاکٹر بن گیا ہے۔“

”سکھاں کا بیٹا ڈاکٹر بنا ہے۔سکھاں کا......“ علی گوہر یوں کہنے لگا جیسے وہ اپنے آپ سے کہہ رہا ہو۔

جگو وہاں سے چلا گیا تھا' اور جو اُسے سب سے پہلے ملا سلام کے بعد اُس نے

بتایا کہ' سکھاں کا بیٹا فلک شیر ڈاکٹر بن گیا ہے اور اس طرح وہ چلتا رہا اور ہر ملنے والے کو بتاتا رہا کہ بات گاؤں میں پھیل گئی اور وہ پھر علی گوہر کے پاس آ کھڑا ہوا۔علی گوہر اپنی فصل کو دیکھ رہا تھا۔

”سب کو بتا دیا ہے۔“ جگو نے آتے ہی کہا۔

”کیا بتا دیا ہے؟“

”یہ ہی کہ سکھاں کا پتر فلک شیر ڈاکٹر بن گیا ہے۔“ جگو نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”تجھے کس نے کہا تھا کہ بتاؤ جاکر۔“

”آپ نے ہی تو کہا تھا۔“

”میں نے تو نہیں کہا تھا کہ یہ خبر بتانی چاہئے؟......خیر اَب بتا آئے ہو تو کوئی بات نہیں۔لیکن حویلی کے ان لوگوں کو پتہ نہ چلے کہ تم نے یہ بات بتائی ہے۔“ علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا اور پھر بولا۔”ویسے بتایا کیا ہے تم نے؟“

”میں نے بتایا کہ سکھاں کا پتر ڈاکٹر بن گیا ہے۔اور کوئی اس کا ذکر ہی نہیں کررہا ہے۔جس نے بھی سنا اُس نے سکھاں کے لئے ہمدردی کے دو بول ضرور بولے تھے۔ایک بات پوچھوں۔“ جگو نے کہتے ہوئے سوالیہ نگاہوں سے علی گوہر کی طرف دیکھا۔

علی گوہر نے دور سے فلک شیر کو اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔اُس نے جگو سے کہا۔”کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔تُو ایسا کر ابھی یہاں سے چلا جا۔اور پھر......شام کو ملتے ہیں۔“

جگو وہاں سے چلا گیا۔فلک شیر نے پاس آتے ہی علی گوہر کو اپنے سینے سے لگا لیا۔جب وہ دونوں الگ ہوئے تو علی گوہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔”اب تو ڈاکٹر بن گئے ہو......خاندان میں سب سے اونچے ہوگئے ہو۔“

”میں اس لئے ڈاکٹر نہیں بنا کہ خاندان میں میرا قد سب سے اُونچا دکھائی دے۔“ فلک شیر نے کہا۔

علی گوہر اُسے ایک طرف بچھی ہوئی چارپائی کی طرف لے گیا۔دونوں ایک

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ بیٹھ گئے۔فلک شیر نے بیٹھتے ہی کہا۔"یہ میری قسمت ہی ہے کہ میرا تعلق اس گاؤں سے اور حویلی سے جڑا رہ گیا تھا۔اَب میرا تعلق حویلی سے تو ٹوٹ گیا ہے۔میرا آنا جانا بند ہوگیا ہے۔"

"کیا کہہ رہے ہو تم؟"علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے حیرت سے یوں کہا جیسے اُسے واقعی اَب پتہ چل رہا ہو کہ اس کا حویلی میں آنا جانا بند ہوگیا ہے۔"تمہارا حویلی میں آنا جانا کیسے بند ہوگیا ہے اور کس نے کیا ہے؟"

"ظاہر ہے یہ کام میری سوتیلی ماں کا ہوگا۔کیوں کیا......؟ اور سارے گاؤں کے سامنے اپنی گردن تن کر کھڑا ہونے والا میرا باپ اُن کے آگے اتنا بے بس کیوں ہے؟"فلک شیر نے متانت سے کہا۔

علی گوہر نے کہا۔"بیوی جب منہ زور لہروں کی طرح ہوجائے تو پھر بڑے سے بڑا تیراک بھی اپنے آپ کو اس کے سامنے لاچار ہی محسوس کرتا ہے۔"

"شاید اَب کبھی کبھار ہی گاؤں کا چکر لگے۔کئی سال پہلے میں نے تم سے سوال کیا تھا کہ میری ماں کو حویلی سے کیوں نکالا تھا۔میری ماں کو طلاق دی تھی اور مجھے یہ ہی کہا جاتا رہا کہ وہ مرگئی ہے۔آج میرے سوال کا جواب دے گا کہ میری ماں کو طلاق کیوں دی تھی۔"فلک شیر نے ایک بار پھر اُسی سوال کو اس کے سامنے دہرایا۔

"تب میں نے کہا تھا کہ تُو یہ سوال اپنے باپ سے کر۔اس لئے کہ تیرے اندر ہمت پیدا ہو۔لیکن تُو نے کئی سال چپ رہ کر پھر وہی سوال مجھ سے کردیا ہے۔"علی گوہر نے کہا۔

فلک شیر اُٹھ کھڑا ہوا۔"میں اپنی منزل پانا چاہتا تھا اس لئے باپ کا ساتھ کھونا نہیں چاہتا تھا۔"

"اَب تو تُو اپنی منزل پر کھڑا ہے۔پوچھ اپنے باپ سے' اپنے دونوں چاچا سے"علی گوہر بھی اُس کے پیچھے اُٹھ کر کھڑا ہوگیا۔

"جو مجھے یہ کہتے رہے کہ میری ماں مرگئی ہے کیا وہ اَب مجھ سے سچ بولیں گے؟"فلک شیر نے کہا۔"یہ تجھے بتانا ہوگا۔میں جانتا ہوں کہ تجھے پتہ ہے۔"

علی گوہر نے گردن دائیں بائیں ہلائی اور کہا۔"بس اتنا ہی پتہ ہے کہ تمہاری

ماں اس حویلی میں تیری دادی کی خواہش سے آئی تھی۔وہ مرگئی تو تمہاری ماں کو تجھ سے چھین کر طلاق دے دی۔کیونکہ تیری ماں لاوارث تھی۔اپنے تایا کے گھر میں ایک نوکرانی سے بڑھ کر نہیں تھی۔تجھے اس دنیا میں آنا تھا اس لئے کوئی طاقت تجھے آنے سے روک نہیں سکی۔"علی گوہر نے بتایا اور اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"آج میں نے تجھے بتادیا' اَب بتا تُو کیا کرے گا۔باپ کے سامنے کھڑا ہوجائے گا اور اپنی ماں کا حساب لے گا یا سمندر کے اُس پانی کی طرح خاموش ہوجائے گا جو کنارے سے لگا کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح لگتا ہے۔"

فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔"تم مجھے یہ بات اُس وقت ہی بتادیتے جب میں نے پہلی بار تجھ سے پوچھا تھا۔"

"تب بھی تُو کچھ نہیں کرسکتا تھا اور آج بھی تو کچھ نہیں کرسکے گا۔"علی گوہر نے کہا۔"تیرے اندر کی ہمت بے بسی کا شکار ہوچکی ہے۔"

"میری یہ خاموشی تب تک رہے گی جب تک مجھے میری ماں مل نہیں جاتی۔"فلک شیر نے کہا۔

"کیسے تلاش کرے گا اپنی ماں کو......تیری دادی کے علاوہ اُس کا کوئی رشتے دار نہیں تھا۔تیرے پاس اُس کی کوئی فوٹو نہیں ہے۔تم نے کبھی اُسے دیکھا نہیں ہے۔وہ کہاں گئی ہوگی' جب انسان سب کچھ کھو چکا ہو تو اُس کے سامنے جتنے بھی راستے ہوتے ہیں وہ گھپ اندھیروں میں ہی ڈوبے ہوتے ہیں۔راستہ پار ہوگیا تو روشنی مل گئی ورنہ اندھیرے اُس کا مقدر بن جاتے ہیں۔"

فلک شیر کچھ دیر تک چپ رہا اور پھر بولا۔"مجھے یقین ہے کہ جب میری ماں کٹھن راستہ پار کرے گی تو روشنی میں میں اُسے کھڑا ملوں گا۔"فلک شیر نے کہا۔

دونوں کے درمیان کچھ دیر خاموشی حائل رہی اور پھر علی گوہر نے پوچھا"سُنا ہے تیرا باپ تیرے لئے اس گاؤں میں ہسپتال بنانا چاہتا ہے۔"

"میرے ساتھ تو ابھی اس کا ذکر نہیں ہوا ہے۔"فلک شیر نے کہا۔"ویسے بھی میں یہاں رہ کر کام نہیں کرنا چاہتا۔ان سے دور رہنا چاہتا ہوں۔"

"باپ کو انکار کرسکے گا کیا؟"علی گوہر نے مسکرا کر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تیرا کیا خیال ہے نہیں کرسکوں گا۔"

"کرسکے گا کیوں نہیں کرسکے گا۔لیکن اگر تُو اس کام کے لئے راضی بھی ہو جائے تو بھی ایسا انکار ہوسکتا ہے کہ تیرا باپ خود ہی ہسپتال بنانے کا ارادہ بدل دے گا۔"

"وہ کیسے؟"

علی گوہر نے کہا۔"ہر انسان کی اپنی اپنی سوچ ہوتی ہے۔اور اپنا اپنا کہنے کا انداز ہوتا ہے۔تیری جگہ میں ہوتا تو انکار نہ کرتا۔"

"تو کیا کرتے۔" فلک شیر نے پوچھا۔

"کچھ بھی نہیں......بس اتنا کہتا کہ گاؤں میں ہسپتال بن جائے اس سے بڑی بات کیا ہوسکتی ہے۔لیکن اُس ہسپتال کا نام میری ماں کے نام پر ہوگا۔" علی گوہر نے کہہ کر ایک نظر بھی فلک شیر کی طرف نہیں دیکھا' بلکہ وہ دور دیکھنے لگا۔فلک شیر اُس کی بات سن کر اُسے دیکھ رہا تھا۔

***

فلک شیر کو اُس کے دونوں چاچا' اُن کی بیویاں اور بیٹیاں اپنائیت سے ملی تھیں' لیکن خاندان کے کسی بھی لڑکے نے فلک شیر کا نہ تو سامنا کیا تھا اور نہ ہی اُس سے ملنے کی کوشش کی تھی۔فلک شیر کے دل میں بھی ایسی کوئی چاہ نہیں تھی کہ وہ اُن سے ملے۔وہ تو اپنی ہی آگ میں سلگ رہا تھا۔وہ اپنے باپ کے ساتھ اُس وقت تک تعلق رکھنا چاہتا تھا' اس گاؤں میں تب تک آتا رہنا چاہتا تھا جب تک کہ اُسے اپنی کھوئی ہوئی ماں کا کوئی سراغ نہیں مل جاتا' اور وہ اصل حقیقت سے واقف نہیں ہوجاتا تھا۔

رات کے کھانے میں سیماں نے خاص طور پر اہتمام کیا تھا۔وہ بہت کچھ پکانا جانتی تھی۔اُسے معلوم نہیں تھا کہ فلک شیر کیا چیز شوق سے کھاتا ہے۔کبھی پوچھنے کا موقعہ ہی نہیں ملا تھا۔اس لئے اُس نے پانچ' چھ ڈشیں تیار کرلی تھیں۔فرزند علی' بختاں اور سیماں نے فلک شیر کے ساتھ مل کر کھانا کھایا' کھانے سے فارغ ہونے کے بعد فرزند اپنی عادت کے مطابق اپنے ڈیرے پر جانے کے لئے اُٹھا ہی تھا کہ منظور احمد' دیتو کے ساتھ آگیا۔

"لے بھئی فلک شیر میں نے فیصلہ کرلیا ہے۔" منظور احمد نے اِدھر اُدھر کی باتوں کے بعد خوش ہوتے ہوئے کہا۔

"کیا فیصلہ کیا ہے؟" فلک شیر نے پوچھا۔

"اس گاؤں میں اَب میں ہسپتال بناؤں گا۔اس گاؤں میں وہ پہلا ہسپتال ہوگا۔کس جگہ ہوگا' اس کا بھی میں نے سوچ لیا ہے۔" منظور احمد نے کہا۔

"ابھی میں شہر کام کررہا ہوں۔" فلک شیر نے کہا۔

"ہاں ابھی تُو شہر کام کر' ہسپتال کون سا راتوں رات بن جائے گا۔کچھ وقت تو لگے گا ناں۔" منظور احمد نے کہا۔اور پھر فرزند کی طرف دیکھا۔"کیوں فرزند تیرا کیا خیال ہے؟"

"خیال تو ٹھیک ہے۔" فرزند کے دل کی زمین پر اس بات کو سن کر جو خار سر نکال کر باہر نکلے تھے' اُنہیں وہ دبا کر بولا۔

"سارے گاؤں کو پتہ چل گیا ہے کہ تُو ڈاکٹر بن گیا ہے۔دیتو بتا رہا تھا کہ اُس سے کئی لوگوں نے پوچھا کہ فلک شیر ڈاکٹر بن گیا ہے۔سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ سارے گاؤں میں یہ بات نکلی کیسے۔" منظور احمد نے بتایا۔

"کسی نے تو نکالی ہوگی ناں۔" فرزند نے مشکوک نگاہوں سے منظور احمد کی طرف دیکھتے ہوئے پھر اپنی نگاہوں کا رُخ دیتو کی طرف تبدیل کرتے ہوئے کہا۔"کسی کے کہنے پر کوئی تو بولا ہوگا۔"

"خیر......اس میں چھپانے والی کون سی بات ہے۔ہمارے لئے تو یہ فخر ہی ہے ناں۔" منظور احمد نے اور بھی خوشی سے کہا۔"اَب جب ہسپتال بن جائے گا تو سارے گاؤں میں واہ واہ ہوجائے گی۔شہر چھوڑ کر اس ہسپتال کو چلائے گا ناں؟"

"ہاں ابا جی کیوں نہیں چلاؤں گا۔" فلک شیر نے سوچتے ہوئے کہا۔

"شاباش اوئے شاباش۔دل خوش کردیا تو نے میرا۔" منظور احمد نے اپنی مونچھوں پر اُنگلی پھیرتے ہوئے کہا۔

"لیکن ہسپتال کا نام کیا سوچا ہے آپ نے ابا جی؟" اچانک فلک شیر نے سوال کیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کوئی بھی سوچ لیں گے۔" منظور احمد نے لاپروائی سے کہا۔

"لیکن میرے ذہن میں ایک نام ہے۔" فلک شیر نے متانت سے کہا۔

"ہاں بتا کیا نام ہے وہی رکھ لیں گے۔" منظور احمد نے مسرت بھری نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"سکھاں ہسپتال۔" فلک شیر نے باپ کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بلا تامل کہا۔ یہ سنتے ہی منظور احمد کے چہرے پر کھلی ہوئی مسکراہٹ یکدم معدوم ہوگئی اور وہ سنجیدگی سے فلک شیر کی طرف دیکھنے لگا۔ فرزند نے اپنی نگاہیں پھیر لی تھیں۔ جبکہ دیتو بھی تذبذب سے فلک شیر کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

منظور احمد نے متانت سے کہا۔ "تیرے دادا کے نام پر ہسپتال کا نام رکھیں گے۔ چوہدری میرتاج ہسپتال۔"

"ابا جی...... ہسپتال میں مختلف وارڈز ہوتے ہیں اور اُن کے الگ الگ نام ہوتے ہیں۔ ہم وارڈز کے نام دادا جان اور دادی جان کے نام پر بھی رکھیں گے‘ لیکن ہسپتال کا نام سکھاں ہسپتال ہی ہوگا۔" فلک شیر نے نرمی سے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ پہلی بار اُس نے اپنے باپ کے سامنے اپنی ماں کا نام لیا تھا۔ فلک شیر اپنے باپ کے چہرے کے بدلتے تیور بھی دیکھ رہا تھا۔

منظور احمد چپ کھڑا تھا۔ لگتا تھا جیسے الفاظ ساتھ نہیں دے رہے ہیں۔ جو کہنا چاہتا ہے اُس کے لئے قوت نہیں مل رہی ہے۔

"چلو اس پر بھی سوچ لیں گے جب وقت آئے گا۔" منظور احمد نے تذبذب کے انداز میں کہا۔ "ٹھیک ہے تم آرام کرو۔ اس پر پھر بات ہوگی۔"

فلک شیر اس جگہ سے چلا گیا۔ منظور احمد سوچ میں مستغرق ہوگیا تھا۔ فرزند نے بول کر اُسے چونکایا۔

"یہ بات میرے علم میں بھی ہے کہ سارے گاؤں کو پتہ چل گیا ہے کہ فلک شیر ڈاکٹر بن گیا ہے۔ لیکن کسی نے یہ نہیں کہا کہ منظور احمد کا پتر ڈاکٹر بنا ہے۔ فرزند علی اور یاور حیات کے بھتیجے نے ڈاکٹری کر لی ہے۔ سب کا ایک ہی بیان ہے‘ ایک دوسرے کو یہی کہہ کر بتاتے ہیں کہ سکھاں کے پتر نے ڈاکٹری پڑھ لی ہے۔" فرزند نے کہہ کر

منظور احمد کی طرف دیکھا اور پھر بولا۔ "فلک شیر کی پرورش اس حویلی میں ہوئی‘ ڈاکٹری کا خرچہ تم نے کیا اور نام اُس عورت کا لیا جا رہا ہے جس نے کچھ کیا ہی نہیں ہے۔ پاء منظور...... اس سارے معاملے میں ابا جی‘ تم اور ہم کہاں ہیں؟" کچھ توقف کے بعد اُس نے اپنے اندر کا زہر دھیمے لفظوں کے ساتھ نکالتے ہوئے کہا۔ "اتنا کچھ کرنے کے باوجود کوئی تیرا نام اُس کے ساتھ کیوں نہیں جوڑتا۔"

"مجھے بھی حیرت ہے۔" منظور احمد نے ایک ایک لفظ دانتوں سے نکالا۔

"مجھے آج ابا جی کی بات...... غلط ثابت ہوتی نظر آرہی ہے۔" فرزند نے رک رک کر کہہ ہی دیا۔

"کون سی بات؟" منظور احمد نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ کہ پتر ہماری طاقت ہوتے ہیں۔ پَر فلک شیر تو...... سکھاں کی طاقت بن گیا ہے۔" فرزند نے کہا۔ "جب بھی کوئی فلک شیر کا نام لیتا ہے‘ سکھاں زندہ ہوجاتی ہے۔"

منظور احمد کے پاس فرزند کی کسی بات کا کوئی جواب نہیں تھا وہ محض چپ چاپ سنتا رہا اور سوچتا رہا۔ اور اُس کے دل کی زمین پر جیسے زہر کی فصل کی آبیاری ہونے لگی ہو۔

⊛⊛⊛

ضروری نہیں ہوتا کہ کوئی انسان ہی دوسرے انسان کے دل میں کوئی بات ڈالے تو وہی اس کے دل میں اُترتی ہے۔ قدرت کا اپنا نظام ہے۔ جب وہ کوئی بات کسی کے دل و دماغ میں ڈالنا چاہے تو پھر انسان کی ساری تدبیریں ناکام ہوجاتی ہیں۔ جس بیٹے کے لئے میرتاج نے زُعم کی بلندی پر اپنا قدم رکھ کر کہا تھا کہ ’بیٹے حویلی کی طاقت ہوتے ہیں‘ وہ اُس ماں کی طاقت بن گیا تھا جس کا نام و نشان مٹانے کے لئے اُسے حویلی سے رات کے اندھیرے میں نکال دیا تھا۔ سارا گاؤں جب بھی فلک شیر کا نام لیتا تھا اُس کی زبان سے سکھاں کا بیٹا ہی نکلتا تھا۔

فلک شیر نے جب باپ کے سامنے یہ کہا تھا کہ ہسپتال کا نام اُس کی ماں کے نام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر ہوگا تو اُس نے دیکھا تھا کہ منظور احمد کے چہرے پر ایسے ہی ارتعاش پیدا ہوا تھا جیسے کوئی ٹھہرے ہوئے پانی میں کنکر مار دے۔فلک شیر کو یقین ہوگیا تھا کہ اُس کی ماں اس کے باپ کی نفرت کی بھینٹ چڑھ گئی ہے۔نفرت کا زہر آج بھی اُس کے باپ کے اندر موجود ہے۔

فلک شیر ابھی ان ہی سوچوں میں تھا کہ دروازے پر ہلکی دستک سے وہ چونک پڑا۔فلک شیر نے اُٹھ کر دروازہ کھول دیا۔سامنے سیماں کھڑی تھی۔

”ایک طرف ہٹ جاؤ مجھے اندر تو آنے دو۔“سیماں نے جم کر کھڑے فلک شیر سے کہا اور فلک شیر غیر ارادی طور پر دروازے سے ایک طرف ہٹ گیا۔سیماں اندر چلی گئی۔

”کیا بات ہے؟“فلک شیر نے پوچھا۔

”بتادوں؟“سیماں نے اُس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں بتاؤ۔“فلک شیر اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔

”یہ پوچھنے کے لئے آئی ہوں کہ چائے پیؤ گے۔سنا ہے کہ شہر میں رہنے والے چائے پینے کے لئے دن اور رات کو درمیان میں نہیں لاتے۔“سیماں نے پوچھا۔

”جب جی چاہتا ہے چاہے پینا شروع کر دیتے ہیں۔“

”نہیں ......میں رات کو چائے نہیں پیتا۔“فلک شیر نے کہا۔”اور نہ ہی مجھے بار بار چائے پینے کا شوق ہے۔“

”اپنے بارے میں اور بھی کچھ بتادو۔“سیماں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے متانت سے پوچھا۔

”اور کیا بتاؤں؟“

”یہی کہ تم کیا شوق سے کھاتے ہو‘پیتے ہو‘صبح لسی کا شوق ہے کہ چائے کا۔“ سیماں نے کہا۔”اور سب کچھ۔“

”تم پوچھ کر کیا کرو گی؟“فلک شیر نے مسکرا کر کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

”یاد رکھوں گی۔اور پھر ساری زندگی تمہاری پسند کا خیال رکھوں گی۔“سیماں کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔وہ فلک شیر کی طرف دیکھ رہی تھی۔اُس کی بات سن کر فلک

شیر چونکے بغیر نہیں رہا۔سیماں کے دل میں کیا ہے اس کا اُسے اندازہ تھا لیکن وہ اظہار کرنے میں کسی تردد سے کام نہیں لے گی یہ اس کے علم میں نہیں تھا۔

وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور سیماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔”سیماں......میرے بارے میں ایسے خواب دیکھنا چھوڑ دو۔“

”کیوں؟“سیماں نے بلاتامل پوچھا۔

”ضروری نہیں ہے کہ میں تمہارے اس کیوں کا جواب دوں۔“فلک شیر نے کہا۔

”میں بھی یہی چاہتی ہوں کہ تم بھی میرے اس کیوں کا جواب دینے کی بجائے میرے دل و دماغ میں بسیرا کئے ہوئے خوابوں کو تعبیر دے دو۔“سیماں کو جیسے اپنے دل کے اظہار کے لئے موقعے کی تلاش تھی اُس نے فوراً کہہ دیا۔یہ کہتے ہوئے اُس کی زبان پر کوئی لرزش نہیں تھی۔اُس کے لہجے میں اعتماد تھا۔

”سیماں یہ پاگل پن ہے اسے چھوڑ دو۔“فلک شیر کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اُسے کیسے سمجھائے۔

”میں اپنے اس پاگل پن کو کیسے چھوڑ سکتی ہوں۔اسی کے سہارے تو آج میں نے اپنے دل کی بات تجھ سے کہی ہے۔“سیماں نے کہا۔”میں نے آج تک صرف تمہارے بارے میں سوچا ہے‘تمہارے خواب دیکھے ہیں۔اگر تم اپنے دل کی بات کہنے سے ڈرتے ہو تو مت کہو‘میں نے کہہ دی ہے اور اب یہ بات اپنی ماں سے کہتے ہوئے بھی نہیں ڈروں گی۔“

فلک شیر اُس کی آنکھوں میں اُس کے ارادے کی مضبوطی دیکھ رہا تھا۔سیماں کا جنون اُس کے سامنے تھا کہ وہ وقت کو مٹھی میں کرنے کے چکر میں اپنے دل کا حال اُس سے مخفی نہیں رکھ سکی تھی۔اس جگہ اگر فلک شیر صاف انکار کر دیتا‘تو سیماں کچھ بھی کر سکتی تھی۔وہ تو پہلے ہی اس خاندان کی دیوار کے ساتھ اُکھڑی ہوئی اینٹ کی طرح جڑا ہوا تھا۔اُس نے مصلحت سے کام لیتے ہوئے کہا۔”سیماں......ابھی تم اس کمرے سے جاؤ۔“

”کس سے ڈرتے ہو تم؟اپنے باپ سے‘میرے باپ سے یا اپنی اُس سوتیلی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ماں کے غصے سے جس نے تمہارا حویلی میں آنا جانا بند کیا ہوا ہے؟" سیماں نے تیز لہجے میں کہا۔

فلک شیر نے فوراً پوچھا۔ "کیوں بند کیا ہے میرا اس حویلی میں آنا جانا؟"

"وہ جل گئی ہے کہ تم ڈاکٹر بن گئے ہو اور اُس کا اپنا بیٹا اس گاؤں کا آوارہ رہ گیا ہے۔ میں نے تو اُسی دن یہ سوچ لیا تھا کہ اَب تم ہماری حویلی میں آ کر رہو اور میں اپنے دل کی بات تجھ سے کہہ کے رہوں گی۔" سیماں نے کہا۔ "میں نے اس وقت کا سالوں انتظار کیا ہے۔ میں یہ بات کہنے کے بغیر نہیں رہ سکتی تھی۔"

"ٹھیک ہے تم نے کہہ دی میں نے سن لی پھر بات کریں گے۔" فلک شیر کے پاس اس کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اُسے ٹالنے کی کوشش کرتا۔ فلک شیر نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اَب چلی جائے۔

"میں تم سے پیار کرتی ہوں فلک شیر۔ صرف تم سے۔" سیماں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں کہا۔

"سیماں...... میں وہ سراب ہوں جسے تم دیکھ سکتی ہو لیکن تم......" اچانک فلک شیر کا موبائل فون بج اُٹھا۔ بات اُدھوری رہ گئی۔ فلک شیر نے پلنگ پر رکھے موبائل فون کو اُٹھایا' اسکرین پر نیلم کا نام آ رہا تھا۔ اُس نے سیماں کی طرف دیکھا۔ سیماں اُس کی طرف دیکھتی رہی۔ دونوں چپ تھے اور موبائل کی بیل بج رہی تھی۔ جونہی موبائل کی بیل بجنا بند ہوئی سیماں نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"میں نے تمہارے بارے میں ہی سوچا ہے اور تمہیں اپنا کر رہوں گی چاہے مجھے کوئی بھی قربانی کیوں نہ دینی پڑے۔"

پھر وہ متحرک ہوئی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ نیلم کا پھر فون آنے لگا اور بیل کی آواز کمرے کی خاموشی کا گلا دبانے لگی۔

❀ ✪ ❀

فلک شیر ایک نئی اُلجھن میں پھنس گیا تھا۔ سیماں کی دیوانگی اُس پر عیاں ہو گئی تھی۔ وہ اُس کی بات سن کر ہاں تو نہیں کر سکتا تھا لیکن انکار کرنے سے اُسے کس صورتِ حال سے دو چار ہونا پڑ سکتا ہے اس سے وہ بے خبر تھا۔ سیماں کی باتوں کا

اُسے ایک فائدہ یہ ضرور ہوا تھا کہ یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ حویلی میں اس کا داخلہ کیوں اور کس بنیاد پر بند ہوا تھا۔

فلک شیر رات بھر ٹھیک سے سو نہیں سکا تھا۔ اُس نے سوچا کہ وہ حویلی سے باہر نکل کر چہل قدمی کے لئے چلا جائے تا کہ اس کا ذہنی دباؤ بھی کم ہو سکے اور وہ اپنے آپ کو پُرسکون بھی محسوس کر سکے۔ فلک شیر سیڑھیاں اُتر کر نیچے آیا' سکندر خان بھی اپنے کمرے سے نکل کر باہر کی طرف جا رہا تھا۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور وہ رک گئے۔ فلک شیر نے آگے بڑھ کر اپنا ہاتھ مصافحے کے لئے آگے کیا اور مسکرا کر بولا۔ "کیسے ہو سکندر؟"

سکندر نے پہلے اُس کا بڑھا ہوا ہاتھ دیکھا' پھر اُس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور پھر اپنی نگاہیں اُس کے چہرے پر مرکوز کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا۔ "تم سناؤ...... میرے باپ کی حویلی میں کوئی تکلیف تو نہیں ہے تجھے؟"

سکندر کے الفاظ نشتر کی طرح تھے۔ پھر بھی فلک شیر اُس کی بات سن کر مسکرایا اور بولا۔ "چاچا کی حویلی میں مجھے کیا تکلیف ہو سکتی ہے۔"

"چاچا کی حویلی میں ہو اس لئے تکلیف سے بچے ہوئے ہو۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔ اس کا کہنے کا انداز معنی خیز تھا۔ "ایک بات تو بتاؤ۔ تم واقعی ڈاکٹر بن گئے ہو یا کہ تیرا یہ مذاق ہے ہم سب سے؟"

"تجھے کیا لگتا ہے؟" فلک شیر کو اُس کا لہجہ پسند نہیں آ رہا تھا۔ حالانکہ وہ اس سے بڑا تھا لیکن سکندر اُس سے بات ایسے کر رہا تھا جیسے اُس کے سامنے گاؤں کا کوئی کم تر اس کے سامنے کھڑا ہو۔

"مجھے کیا لگنا ہے۔" سکندر نے لاپروائی سے کہا۔ "تو ڈاکٹر بن گیا ہو یا وکیل' تیری برابری پھر بھی ہمارے ساتھ نہیں ہو سکتی۔"

"چوہدری منظور احمد خان کا بیٹا ہوں میں۔" فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ماں تو تیری خاندانی نہیں تھی ناں۔ نوکرانی تھی۔" سکندر نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ فلک شیر کو سنتے ہی غصہ آ گیا تھا۔ اُس کا دل چاہا کہ وہ اس کی زبان کھینچ کر باہر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نکال دے۔اسی اثنا میں فرزند بھی اس طرف آ گیا تھا۔وہ بھی صبح کی سیر کرنے کے لئے باہر کی طرف جانے لگا تھا۔دونوں کو دیکھ کر وہ رک گیا۔

"کیا بات ہے اس طرح کیوں کھڑے ہو۔" فرزند نے پوچھا۔

"یہ کچھ بھول رہا تھا۔میں نے ابھی ابھی اسے یاد کرایا ہے۔" سکندر نے کہا اور باہر کی طرف چل پڑا۔فرزند کی سمجھ میں کوئی بات نہیں آئی تھی اس نے لاپروائی سے سر مارا اور گیٹ کی طرف چل پڑا۔فلک شیر اس جگہ کھڑا پیچ وتاب کھانے کے بعد باہر جانے کی بجائے اپنے کمرے کی طرف چل پڑا۔

❀✪❀

فلک شیر نے فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اَب اس حویلی میں ایک پل بھی نہیں رہے گا۔سکندر کی باتیں اُس سے برداشت نہیں ہوئی تھیں۔اُس نے سوچا کہ وہ اس تذلیل سے بہتر ہے کہ شہر چلا جائے،جب وہ اپنا بیگ لے کر نیچے آیا تو بختاں ہاتھ میں تسبیح کرتی ہوئی ادھر آنکلی تھی۔اسے دیکھتے ہی وہ حیرت سے بولی۔

"کیا بات ہے پتر......کہاں کی تیاری ہے؟"

"واپس شہر جارہا ہوں۔" فلک شیر نے بتایا۔

"کیوں اتنی سویرے؟" بختاں نے متحیر نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہسپتال سے فون آ گیا ہے ایمرجنسی ہے۔چاچا جان کو میرا سلام کہئے گا اور ابا جی سے بھی مل نہیں سکوں گا۔آپ بتا دیجئے گا۔" فلک شیر نے بہانہ کرتے ہوئے کہا۔

"پر پتر......" بختاں کچھ اور بھی کہنا چاہتی تھی۔

"میری مجبوری ہے چاچی جی۔" فلک شیر نے کہا اور اپنا بیگ پکڑ کر حویلی سے باہر نکل گیا۔

فلک شیر پیدل ہی جارہا تھا۔وہ گلیوں سے نکل کر پکی سڑک پر آ گیا تھا۔دھوپ چارسو پھیل گئی تھی۔گاؤں کے لوگ اپنے کام کاج کے لئے باہر نکل چکے تھے۔اچانک پیچھے سے علی گوہر کی جیپ آئی اور اُس کے آگے رک گئی۔

"کدھر کی تیاری ہے ڈاکٹر صاحب؟" علی گوہر نے اپنی گردن باہر نکال کر

مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"واپس جارہا ہوں۔" فلک شیر نے پاس جا کر بتایا۔

"اتنی جلدی۔" علی گوہر نے اُس کا جائزہ لیا۔

"ہسپتال سے فون آ گیا ہے۔ایمرجنسی ہے۔" فلک شیر نے اپنا غصہ دباتے ہوئے جھوٹ کا سہارہ لیا۔

"بیٹھ میرے ساتھ۔" علی گوہر نے کہا اور فلک شیر اس کے برابر میں بیٹھ گیا۔علی گوہر نے جیپ آگے بڑھا دی۔اُس نے فلک شیر کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔"تجھے معلوم ہے کہ جھوٹ وہی بول سکتا ہے جو جھوٹ بولنا جانتا ہو۔تیرا چہرہ کہہ رہا ہے کہ تو اندر سے اُبل رہا ہے۔"

"اَب کبھی میں اس گاؤں میں نہیں آؤں گا۔" فلک شیر کے اندر کا غبار باہر نکلنے کے لئے بے تاب تھا۔انسان جب ایسی حالت میں ہوتا ہے تو اس کے سامنے دو راستے ہوتے ہیں۔ایک یہ کہ کوئی اُسے ایسا مل جائے جس کے آگے وہ اپنے دل کا غبار باہر نکال سکے یا پھر وہ اتنا روئے کہ آنسو اس کے دل کا بوجھ اپنے ساتھ بہا کر لے جائیں۔فلک شیر کو علی گوہر مل گیا تھا۔اور علی گوہر تو ایسے موقعوں کی تلاش میں رہتا تھا۔

علی گوہر اُسے گاؤں سے باہر لے گیا۔سامنے جی ٹی روڈ تھا۔اُس نے جیپ ایک طرف کھڑی کردی اور فلک شیر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔"اَب بتاؤ کیا ہوا ہے کہ تم نے سویرے ہی اپنا سامان اُٹھا لیا ہے؟"

فلک شیر نے کہا۔"اَب برداشت سے باہر ہے۔"

"کیا برداشت سے باہر ہے؟"

فلک شیر نے کچھ دیر توقف کے بعد اُس نے پہلے اپنے اور سیماں کے مابین ہونے والی ساری بات اُسے بتائی اور پھر جو اُسے سکندر نے کہا وہ بھی اُسے بتانے کے بعد اُس نے غصے سے اپنے ہاتھ پر دوسرا ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔"اُس نے میری ہی نہیں میری ماں کی بھی بےعزتی کی ہے۔اسی لئے میں نے یہاں سے چلے جانے کا فیصلہ کرلیا ہے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علی گوہر کے لئے دونوں باتیں بہت اہم تھیں۔اُس نے اپنی آنکھیں گھمائیں۔ اُس نے کہا۔"چل چھوڑ غصہ اور چل میرے ساتھ تجھے حویلی چھوڑ کر آؤں۔"

"مجھے مجبور مت کرنا علی گوہر......تم نے شروع دن سے میرے لئے اپنے دل میں اپنائیت رکھی ہے اس لئے تجھ سے ہر بات کر لیتا ہوں۔لیکن اَب میں حویلی نہیں جاؤں گا۔کاش مجھے میری ماں کا پتہ شہر میں مل جائے۔میرے لئے وہی میری دنیا ہوگی۔"فلک شیر نے کہا۔سب کچھ کہنے کے بعد اتنا ضرور تھا کہ اس کے غصے پر جیسے پانی پڑ گیا ہو۔

"ماں مل جائے تو مجھے ضرور بتانا۔"علی گوہر نے کہا۔

"پہلے کبھی تجھ سے کچھ چھپایا ہے۔"فلک شیر نے کہا۔

علی گوہر نے ونڈ اسکرین سے دیکھا شہر کی طرف جانے والی بس آرہی تھی۔وہ بولا۔"شہر جانے والی بس آرہی ہے۔"

فلک شیر نے فوراً اُس جانب دیکھا اور پھر اپنا بیگ پکڑ کر علی گوہر کا ہاتھ پکڑ کر دبایا اور جیپ سے باہر نکل گیا۔بس آکر رکی' کچھ سواریاں نیچے اُتریں اور چند چڑھنے لگیں۔آخر میں فلک شیر بھی بس میں سوار ہوگیا۔بس چل پڑی۔علی گوہر کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔

❀✪❀

ناشتہ تیار کرنے کے بعد جیسے ہی سیماں اُوپر فلک شیر کے کمرے کی طرف جانے لگی تو بختاں نے کہا۔"فلک شیر چلا گیا ہے۔"

"چلا گیا ہے؟"سیماں نے حیرت سے بختاں کی طرف دیکھا۔

"ہاں......سویرے ہی چلا گیا تھا۔کہتا تھا کہ شہر سے فون آگیا ہے۔کوئی ضروری کام نکل آیا ہے اس لئے رک نہیں سکتا۔"بختاں نے بتایا۔

"کون نہیں رک سکتا؟"باہر سے فرزند آتے ہوئے بولا۔سیماں اپنی جگہ مجسمۂ حیرت بنی کھڑی تھی۔اُسے یقین نہیں آرہا تھا کہ فلک شیر اچانک اور اتنی جلدی چلا گیا ہے۔

"فلک شیر چلا گیا ہے۔"بختاں نے بتانے کے بعد وہی تفصیل فرزند کو بھی بتائی

جو ابھی اُس نے سیماں کو بتائی تھی۔فرزند ایک لمحے کے لئے چونکا اور پھر لاپروائی سے بولا۔"نکل آیا ہوگا کوئی کام اور اُسے جانا پڑا۔اچھا سن ابھی ہم تینوں بھائی اپنی زمینوں پر تھے۔وہاں مجھ سے پاء منظور نے بات کی ہے کہ یاور حیات اپنے پتر نصیر کے لئے سیماں کا رشتہ مانگ رہا ہے۔تیرا کیا خیال ہے؟"

"میرا کیا خیال ہونا ہے۔اچھا ہے۔اس میں بھلا پوچھنے والی کیا بات ہے۔وہ کوئی غیر ہے۔"بختاں نے کہا۔

"میرا ابھی یہی خیال ہے۔"فرزند نے کہا۔"نصیر مجھے بھی پسند ہے۔میں نے کہہ دیا تھا کہ جو پاء منظور کا فیصلہ ہو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہوگا۔"

"اچھا کیا ہے۔"بختاں خوش ہو کر بولی۔

ان دونوں کے پاس کھڑی سیماں ان کی ایک بات بھی نہیں سن رہی تھی۔وہ تو اپنے خیالوں میں مستغرق یہ سوچ رہی تھی کہ وہ تو سات' آٹھ دنوں کے لئے آیا تھا۔پھر فلک شیر اچانک کیوں چلا گیا۔کیا اُسے اس کی کوئی بات اچھی نہیں لگی تھی۔اچانک کیا وجہ ہوگئی تھی کہ وہ چلا گیا۔بہت سے سوال اس کے دماغ میں جنم لینے لگے تھے جن کا ایک بھی جواب اُس کے پاس نہیں تھا۔

سیماں کے پاس کیا باتیں ہو رہی ہیں وہ ان سے بے نیاز وہاں سے چلی گئی۔اس کا رُخ اوپر کی طرف تھا۔سیماں نے کمرے کا دروازہ کھولا۔سامنے بستر کی چادر پر ایک بھی سلوٹ نہیں تھی۔کمبل تہہ کیا ہوا تھا' کمرے میں کوئی چیز بے ترتیب نہیں تھی لگتا تھا جیسے اس کمرے میں کوئی بھی نہیں رہا تھا۔فلک شیر نے جاتے ہوئے بستر وغیرہ ٹھیک کیا تھا اور پھر گیا تھا۔سیماں نے کمرے میں متلاشی نگاہوں سے یوں دیکھا جیسے ابھی فلک شیر کہیں سے نکل آئے گا۔اُس کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔وہ بستر پر بیٹھ گئی اور رونے لگی۔کمرے کی تنہائی میں اُس کے رونے کی آوازعیاں تھی۔

❀✪❀

منظور احمد کو فلک شیر کے اچانک چلے جانے کی خبر دیتو نے دی تھی اور دیتو کو ابھی ابھی فرزند کی حویلی سے آیا ہوا ملازم بتا کر گیا تھا۔اُس وقت یاور حیات بھی پاس ہی بیٹھا ہوا تھا۔منظور احمد یہ بات سن کر کچھ پریشان ہوگیا تھا۔حیرت اُس کے چہرے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے ٹپکنے لگی تھی۔

"وہ اچانک کیوں چلا گیا۔کیا بات ہوگئی؟" منظور احمد نے جیسے اپنے آپ سے خودکلامی کرتے ہوئے پوچھا ہو۔"اتنا ضروری کام تھا کہ مجھے بھی مل کر نہیں گیا۔"

"آپ کے پاس کیسے آتا۔" یاور حیات نے جیسے اُسے یاد دلایا ہو۔

"ہاں یہ بھی ٹھیک ہے۔وہ میرے پاس کیسے آتا۔" منظور احمد نے یاور حیات کی طرف دیکھا۔

"پاء منظور ایک بات کہوں بُرا نہ منانا۔" یاور حیات نے بھی موقعہ محل دیکھتے ہوئے دل کی بات لبوں پر لانے کا فیصلہ کرلیا۔منظور احمد کو علم نہیں تھا کہ فرزند علی اور یاور حیات کی اب آپس میں ایک ہی رائے ہوگئی ہے اور وہ منظور احمد اور فلک شیر کے خلاف آپس میں لفظوں کا تبادلہ بھی کرنے لگے ہیں۔

"ہاں بول کیا بات ہے۔"

"اُسے اس گاؤں سے دور ہی رکھ۔اُس کے نام کے ساتھ تیرا نام جُڑ نہیں سکا۔وہ شہر ہی رہے تو ٹھیک ہے۔" یاور حیات نے بلا تردد کہا۔"فرزند بتا رہا تھا کہ جب یہاں ہسپتال بنانے کی بات ہوئی تو وہ اپنی ماں کے نام پر ہسپتال بنانا چاہتا ہے۔ایسا ہوگیا تو ہم مرجائیں گے پر سکھاں زندہ رہے گی۔"

منظور احمد اپنی جگہ سے اُٹھا اور دو قدم چل کر کھڑا ہوگیا۔پھر وہ گھوما اور یاور حیات کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"اُس کی اس بات نے مجھے بھی بے چین کردیا تھا۔"

"ہسپتال کے بنانے کا ارادہ اپنے دل سے نکال دے پاء منظور...... جو تم نے اس کے لئے کیا وہ ہی کافی ہے۔اس کے تیری حویلی میں نہ آنے سے کتنا سکون رہا ہے۔اپنی حویلی کے سکون کے بارے میں سوچ۔" یاور حیات نے کہا۔

"میرا خیال ہے کہ تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" منظور احمد نے سوچتے ہوئے کہا اور ایک ٹھنڈی سانس خارج کی۔

❀✪❀

علی گوہر اس وقت اپنے گھر کے ایک کمرے میں تھا جب اچانک اُسے دروازے

پر آہٹ سنائی دی اور اُس نے دیکھا کہ رُخسانہ کھڑی ہے۔

"بھابی باہر نہیں ہے کیا؟" علی گوہر اُس کی طرف دیکھنے کے بعد بولا۔

"باہر ہی ہے۔کھیر لے کر آئی ہوں۔بھابی کو دے کر تیرا پوچھا اور ادھر آگئی۔" رُخسانہ نے پوچھا۔

"کیا بات ہے خوش نظر آرہی ہے؟" علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھ کر ایک مسکراہٹ نچھاور کی اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

"تجھے لگتا ہے کہ میں خوش ہوں لیکن ایسا نہیں ہے۔میں تجھے کچھ بتانے کے لئے آئی ہوں۔" رُخسانہ نے کہا۔

"کیا بتانے کے لئے آئی ہے۔" علی گوہر نے پوچھا۔

"ابا اور تایا کے بیچ میرے رشتے کی بات ہو رہی ہے۔بات پکی ہوگئی تو دنوں میں رخصتی ہوجائے گی۔" رُخسانہ کہہ کر چپ ہوگئی۔اور اپنے دوپٹے کے پلو سے کھیلنے لگی۔کچھ دیر قبل کھلا ہوا چہرہ یکدم مرجھا گیا تھا۔

"کیا چاہتی ہے اب؟" علی گوہر نے اُس کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ بھی مجھے بتانا ہوگا۔" رُخسانہ نے اُس کی طرف کھاجانے والی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔"کیا کرنا ہے مَیں بتاؤں؟"

علی گوہر ہنسا۔"مت بتا...... جو کرنا ہوگا میں خود ہی کرلوں گا۔میں تو ایسے ہی تجھ سے پوچھ رہا تھا۔بھائی اور بھابی سے بات کروں گا۔"

"کب کرے گا بات؟" رُخسانہ نے پوچھا۔

"یہ تیری فکر نہیں ہے۔یہ میری فکر ہے۔بھابی سے کھیر کی خالی پلیٹ لے اور اپنے گھر چلی جا۔پھر دیکھ تیرے گھر میرا بھائی اور بھابی کیسے آتے ہیں۔" علی گوہر نے متانت سے کہا۔

رُخسانہ اُس کی طرف دیکھتی ہوئی دھیمے لہجے میں بولی۔"جب مجھے یہ بھی پتہ نہیں ہوتا تھا کہ دل کی دھڑکنیں کسی اور کے لئے بھی دھڑکتی ہیں' تب سے میری چاہت تیرے لئے میرے دل میں دھڑکن بن کر زندہ ہے۔میں نے کبھی کسی کا تصور نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کیا۔تیرے لئے ہر دن اور ہر رات سانس لی ہے۔مجھے کسی امتحان میں نہ ڈالنا۔''

''میں جانتا ہوں۔تم کوئی فکر مت کرو۔''علی گوہر کے لہجے میں یقین تھا۔رخسانہ چہرے پر ایک مسکراہٹ سجا کر چلی گئی۔علی گوہر اُس کے جاتے ہی لاپروائی سے بولا۔

''نشانہ کہیں اور ہو اور نگاہیں کہیں دوسری جگہ......علی گوہر ایسا ہی شکار کھیلتا ہے......پگلی۔''

فلک شیر کے اچانک واپس آجانے پر نیلم اُسے حیرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔اُس وقت فلک شیر ہسپتال میں اپنے کمرے میں بیٹھا تھا۔اُس نے آتے ہی اپنی ڈیوٹی سرانجام دینا شروع کردی تھی۔اور نیلم کو جیسے ہی پتہ چلا تھا کہ فلک شیر واپس آگیا ہے وہ ہسپتال چلی آئی تھی۔

فلک شیر نے نیلم کی طرف دیکھا اور پوچھا۔''میرے سر پر کیا سینگ نکل آئے ہیں'دو کی بجائے تین آنکھیں ہوگئی ہیں'بالوں کی جگہ گھاس اُگ آئی ہے کہ تم مجھے ہی دیکھے جارہی ہو۔''

''میں اس انتظار میں ہوں کہ تم میرے پوچھنے سے پہلے ہی بتادو کہ کیا ہوا تھا کہ تم یوں گئے اور یوں واپس آگئے۔''نیلم نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہم اپنے دلوں میں نفرت کی فصل یوں تیار کرتے ہیں یوں۔''فلک شیر نے چٹکی بجاتے ہوئے کہا۔''دوسرے کو سمجھنے کی کبھی کوشش ہی نہیں کرتے'جو اپنے دل میں آتا ہے اُسے ہی حتمی فیصلہ قرار دیتے ہیں بس۔یہ تو جانو دوسرے کے دل میں کیا ہے۔کیا وہ بھی تم سے نفرت ہی کرتا ہے۔''فلک شیر نے کچھ دیر مزید خاموشی برقرار رکھنے کے بعد کہا اور ایک بار پھر چپ ہوگیا۔

''میری سمجھ میں نہیں آیا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو؟''نیلم نے اطمینان سے پوچھا۔

''میں خاندان میں پڑھ لکھ گیا اور ڈاکٹر بن گیا کسی سے یہ حقیقت ہضم ہی نہیں ہورہی ہے۔سب نے ایک ایک دیوار اپنے ارد گرد کھڑی کر لی ہے۔خون کے رشتے نفرت اور عداوت کے رنگ میں بدل گئے ہیں۔میری ماں کا یہ قصور تھا کہ وہ لاوارث

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی اور اُس کی کوئی حیثیت نہیں تھی۔ جس حویلی میں میں نے آنکھ کھولی اُسی حویلی میں میری دوسری ماں نے مجھے آنے سے روک دیا۔ میں کسی مہمان کی طرح اپنے چاچا کی حویلی میں رہا اور وہاں سے بھی مجھے کانٹوں کا وہ انبار ملا کہ اَب تک میرا جسم چھلنی ہے۔" فلک شیر کی آنکھوں میں نمی اُتر آئی تھی۔ نیلم اُسے پہلی بار اتنے کرب میں دیکھ رہی تھی۔ فلک شیر چپ ہوگیا اور پھر وہ اپنی جگہ سے اُٹھا اور کھڑکی کے پاس کھڑا ہوگیا۔ باہر سڑک پر ٹریفک کا جمِ غفیر تھا۔ اُس نے دور تک اس سیلاب کو دیکھتے ہوئے کہا۔ "انسانوں کے سمندر میں میں اپنی ماں کو کہاں تلاش کروں۔ کس سے اُس کا پتہ پوچھوں۔ میں کتنا بدنصیب ہوں کہ میں نے سانس لی تو مجھ سے میری جنت کھو گئی' کرب کے کانٹوں کی جہنم میرا مقدر بن گئی۔"

فلک شیر باہر دیکھ رہا تھا اور اُس کی آنکھوں سے بہنے والے آنسو اُس کی گالوں سے ہوتے ہوئے گردن کی طرف جارہے تھے۔ نیلم نے ہولے سے اپنا ہاتھ اُس کے کندھے پر رکھ دیا۔

"پلیز مجھے کوئی حوصلہ مت دینا۔ یہ مت کہنا کہ سب ٹھیک ہوجائے گا۔ یہ وہ الفاظ ہیں جو میں نے سینکڑوں بار اپنے آپ سے کہے ہیں۔ خود اپنے آپ کو یہ کہہ کر دلاسہ دیا ہے۔ آج میں اور بھی اکیلا ہوگیا ہوں۔" اس سے پہلے کہ نیلم کچھ کہتی' فلک شیر نے آزردگی سے کہا۔

نیلم نے کہا۔ "تم ایسا مت سوچو کہ تم اکیلے ہوگئے ہو۔ ہم سب تمہارے ساتھ ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ...... میں تمہارے ساتھ ہوں۔ زندگی کی راہ تمہارے لئے کٹھن تھی لیکن اَب نہیں ہے۔ تم نے بہت کچھ پالیا ہے۔"

فلک شیر نے نیلم کی طرف دیکھا اور کہا۔ "شاید یہ تمہارا ساتھ ہی ہے کہ مجھ میں جینے کی ہمت پیدا ہوتی رہتی ہے۔"

"میں پھر کہوں گی کہ ایک دن سب کچھ بدل جائے گا۔ تم حوصلہ ہارنے کی بجائے اپنے آپ کو مضبوط رکھو۔ وقت تمہاری مٹھی میں بھی آئے گا۔" نیلم نے اُسے حوصلہ دیا۔ "اور خوشیاں تمہارے سامنے ہوں گی۔ جو دور ہوچکے ہیں وہ تمہارے نزدیک آنے کے لئے بے چین ہوں گے۔"

"جانے وہ وقت کب آئے گا۔" فلک شیر نے کہا اور کھڑکی سے ہٹ کر ٹشو پیپر سے اپنے بہتے آنسو صاف کئے اور کرسی پر بیٹھ گیا۔

"سمندر کی تیز لہروں کو دیکھ کر یہ کہنا کہ یہ مجھے بھی اپنے ساتھ بہا کر لے جائیں گی اُس کم ہمت اور کمزور کی سوچ ہوسکتی ہے جو مایوسی کے دامن کو پکڑے کھڑا ہو لیکن تم کم ہمت اور کمزور نہیں ہو۔ تم نے وقت کا مقابلہ کیا ہے۔ وقت کو اپنے ہاتھ میں کرنے کی کوشش کی ہے اور آج تم اس مقام پر کھڑے ہو۔ تم کسی کمزور انسان کی طرح مت سوچو فلک شیر...... ورنہ سچ مچ وقت کی بے رحم لہریں تمہیں بہا کر اپنے ساتھ جانے کہاں لے جائیں گی۔" نیلم نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

دونوں کچھ دیر کے لئے چپ ہوگئے۔ فلک شیر نے اپنے آپ کو نارمل کیا اور پھر کہا۔ "میں کوشش کروں گا کہ اس بارے میں زیادہ نہ سوچوں۔"

"اچھا آج شام کو تیار رہنا۔" اچانک نیلم نے بھی اپنا موڈ بدلتے ہوئے کہا۔

"کیوں؟" فلک شیر نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

"روبی اور نوازش کا نکاح ہے۔ آج ہی رخصتی ہے۔" نیلم نے بتایا۔

"اتنی اچانک؟" فلک شیر کی حیرت میں دو چند اضافہ ہوگیا تھا۔

"دونوں ایک دوسرے کے لئے پاگل ہوئے جارہے ہیں۔ روبی نے اپنے گھر والوں کو کہہ دیا تھا کہ وہ کوئی لمبی چوڑی شادی کی تقریب نہیں کرے گی۔ سادگی سے نکاح ہوگا اور رخصت ہوجائے گی۔ پاگل پریمی کو ایک نوازش ہی ملا تھا۔"

"دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔ تم خوامخواہ پریشان ہوتی رہتی ہو۔" فلک شیر نے کہا۔

"میں اس کی بے وقوفی پر احتجاج کرتی ہوں۔ مجھے جانے کیوں وہ اچھا نہیں لگتا ہے۔" نیلم نے کہا۔

"اوکے...... چھوڑو اور میں جانے کے لئے تیار رہوں گا۔" فلک شیر نے مسکرا کر کہا۔

۞۞۞

فلک شیر کے اچانک چلے جانے سے سیماں بہت اُداس ہوگئی تھی۔ وہ اُسے اپنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دل کی دیواروں میں ایسے چھپائے بیٹھی تھی کہ اَب اس کی شدت کا احساس اُسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ بھی اُس کے پیچھے شہر چلی جائے۔وہ ہر دیوار کو توڑ کر چلی جانا چاہتی تھی۔اَب اُسے ہر طرف فلک شیر ہی دکھائی دے رہا تھا۔وہ اُسے کسی بھی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی تھی۔فلک شیر کے لئے جو جذبات اس کے دل میں تھے وہ تب سے تھے جب وہ ان کا مطلب بھی نہیں جانتی تھی۔اُسے یہ خیال بھی پریشان کر رہا تھا کہ اُس کی بات کی وجہ سے ہی وہ اچانک یہاں سے چلا گیا ہے۔وہ مضطرب تھی کہ وہ ابھی اُس کے پاس جائے اور اس کی کہی ہوئی کوئی بھی بات اگر اُسے بُری لگی ہو تو وہ رو کر معافی مانگے اور التجا کی اُس سیڑھی پر چلی جائے کہ فلک شیر اس کے سامنے ہار جائے۔

اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور پلنگ پر نیم دراز سیماں نے گردن اُٹھا کر دروازے کی طرف دیکھا۔بختاں کمرے میں داخل ہوتے ہی سیماں کی طرف بڑھی اور پھر اس کے پاس ہی پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"تیری بات پکی ہوگئی ہے۔" بختاں نے کچھ توقف کے بعد بتایا۔

سیماں چونک کر اُٹھ بیٹھی اور ماں کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کون سی بات پکی ہوگئی ہے؟"

"تیرا رشتہ نصیر کے ساتھ طے ہوگیا ہے۔اسی ہفتے اَب تیری اس کے ساتھ منگنی ہے۔" بختاں نے وضاحت کی۔وہ اس فیصلے سے خوش تھی۔اور اُسے یہ اُمید تھی کہ یہ بات سنتے ہی سیماں شرما کر چپ ہوجائے گی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو امی؟" سیماں نے متحیر نگاہوں سے بختاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"میری منگنی نصیر سے......؟"

"اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات ہے۔ایک نہ ایک دن کسی سے تو تیری منگنی اور پھر شادی ہونی ہی تھی۔" بختاں نے کہا۔

"نہیں امی یہ نہیں ہوسکتا ہے۔" سیماں پلنگ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔وہ یہ بات سن کر مضطرب ہوگئی تھی۔اور پریشانی اس کے چہرے سے عیاں ہوگئی تھی۔

"کیوں نہیں ہوسکتا ہے۔تیرے تایا ابا کا فیصلہ ہے۔چھوٹے بھائیوں کی رضامندی

ہے۔اور تُو کہہ رہی ہے کہ یہ نہیں ہوسکتا ہے۔" بختاں نے اُس کی پشت میں کھڑی ہوتے ہوئے کہا۔

"تایا ابا نے یہ فیصلہ مجھ سے پوچھ کر نہیں کیا کہ میں مان جاؤں۔" سیماں نے کہا۔

"تجھے موت آئے یہ تُو کیا کہہ رہی ہے۔" بختاں نے تیزی سے اس کی طرف بڑھ کر کہا۔

"منع کر دے امی......میں نصیر سے منگنی نہیں کروں گی۔" سیماں نے دوٹوک اپنا فیصلہ سنا دیا۔

"ہائے تجھے باؤلے کتے نے کاٹ لیا ہے۔تُو جانتی ہے خاندان کے فیصلے وہ تینوں بھائی مل کر کرتے ہیں۔لیکن یہ تو بتا کہ میں منع کیوں کروں۔بات کیا ہے؟" بختاں کی آنکھیں سیماں کا جائزہ لے رہی تھیں۔اور اُسے بھی حیرت ہونے لگی تھی۔"نصیر تجھے اچھا نہیں لگتا ہے؟"

سیماں نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن پھر چپ ہوگئی اور پھر اُس نے کہہ ہی دیا۔"کیونکہ میں......فلک شیر سے شادی کروں گی۔"

بختاں نے جیسے ہی یہ سنا پہلے تو وہ مبہوت رہ گئی اور پھر اپنا ہاتھ اُس کے منہ پر رکھ دیا۔خوف بختاں کے چہرے پر عیاں ہوگیا اور اُس نے کہا۔"یہ کیا کہہ رہی ہے تُو......یہ سبق کس نے تیری کھوپڑی میں ڈال دیا ہے۔"

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔اور اس کے لئے مجھے کسی نے نہیں کہا ہے۔" سیماں کے لہجے میں اَب اعتماد آگیا تھا۔اُس نے سوچ لیا تھا کہ ایک نہ ایک دن تو یہ بات اپنی ماں سے کہنی ہی تھی۔پھر آج کاہے کا ڈر۔

"چپ ہوجا......چپ ہوجا۔خبردار جو تُو نے پھر ایسی بات کی۔تیری قسمت کا فیصلہ ہوچکا ہے۔" بختاں نے دانت پیس کر اپنی آواز دھیمی رکھتے ہوئے کہا۔

سیماں نے سوچا کہ یہ ہی موقعہ ہے کہ وہ اپنی ماں سے صاف کہہ دے۔ماں کے ذریعے سے یہ بات آگے تک چلی گئی تو ہوسکتا ہے کہ وہ سب نصیر کی بجائے فلک شیر کے بارے میں سوچنے پر مجبور ہوجائیں اور فلک شیر اُس کا نصیب بن

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائے۔اُس نے اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے پُراعتاد لہجے میں کہا۔''میں چپ نہیں ہوسکتی۔ہم ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں۔''

بختاں اُس کی بات سن کراور بھی حیران رہ گئی اور بولی۔''کیا کہا تُو نے......تم دونوں......وہ فلک شیر بھی......؟''

''ہاں فلک شیر بھی۔یہ دنوں کی بات نہیں ہے۔ہم سالوں سے ایک دوسرے کو چاہتے ہیں۔''سیماں نے مزید اپنی طرف سے کہہ دیا۔

''بس......''ایک بار پھر بختاں نے تیز سرگوشی کے انداز میں کہا۔''تیری زبان پر اُس کا نام نہ آئے۔تم نے کہا اور میں نے سنا۔کیا کہا اور کیا سنا ہم دونوں بھول جاتے ہیں۔تیرے ابا تک یہ بات چلی گئی تو وہ مجھے بھی اس حویلی سے نکال دے گا۔''

''کیوں نکال دے گا؟فلک شیر کوئی غیر ہے۔ابا کا سگا بھتیجا ہے۔''سیماں نے بختاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن ہمارا رشتہ اس کے ساتھ اتنا ہی ہے کہ وہ تیرے تایا ابا کی پہلی بیوی کی اُولاد ہے۔اس کے علاوہ ہمارا اُس کے ساتھ کوئی تعلق اور واسطہ نہیں ہے۔میری بات کان کھول کرسن لے۔بڑوں میں تمہاری اور نصیر کی بات ہوچکی ہے۔اگر تم پھر اس کا نام اپنی زبان پرلائی تو نہ تیرے لئے اچھا ہوگا اور نہ ہی میرے لئے۔''بختاں نے دھیمے لہجے میں کہا۔لیکن اُس کا ہرلفظ درشت تھا۔بختاں اس تصور سے ہی ڈرگئی تھی کہ یہ بات اگر فرزند تک پہنچ گئی تو وہ جانے کیا کردے۔اورتو اور بختاں نے کسی پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا تھا لیکن اُس نے فلک شیر اور سکندر کے درمیان ہونے والی ساری بات بھی سن لی تھی۔سیماں کا بھائی فلک شیر سے کتنی نفرت کرتا ہے اس کا علم سیماں کو نہیں تھا۔

بختاں کمرے سے چلی گئی تھی ۔اور سیماں نے لاپروائی سے اپنا سر جھٹک دیا تھا۔

* * *

علی گوہرابھی باہر سے آیا ہی تھا کہ رُخسانہ اُس کے پیچھے ہی چلی آئی۔علی گوہر کی بھابی اُس وقت روٹیاں پکا رہی تھی۔رخسانہ علی گوہر کے پیچھے ہی کمرے میں چلی گئی

تھی۔علی گوہر کی بھابی رضیہ دونوں کے بیچ کا چکر ہے جانتی تھی۔اس لئے وہ چپ چاپ اپنا کام کرتی رہی۔

''کیا بات ہے؟''علی گوہر نے جیسے ہی رخسانہ کو اپنے پیچھے دیکھا اُس سے پوچھا۔

''آج وہ لوگ آرہے ہیں اور تم نے کوئی بات ہی نہیں کی۔''رُخسانہ نے تفکر آمیز لہجے میں کہا۔

''علی گوہراُس کی بات سن کر چپ رہا اور پھر بولا۔''کبھی تم نے ندی کے دوکناروں کو دیکھا ہے۔ایک ساتھ رہتے ہیں لیکن مل نہیں پاتے'جانتی ہو کیوں؟''

''مجھے یہ نہیں جاننا۔''رُخسانہ نے کہا۔

''یہ جانوگی تو بات کو سمجھ سکوگی۔''علی گوہر نے کہا۔

''تم مجھ سے سیدھی سیدھی بات کرو۔ندی اور کنارے بیچ میں نہ لاؤ۔''رُخسانہ نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھا اور متانت سے بات کا سرا پھر اُسی جگہ سے جوڑا۔''دونوں کنارے اس لئے نہیں مل پاتے کیونکہ اُنہیں پانی ملنے نہیں دیتا۔جب پانی خشک ہوجاتا ہے تو وہ خلا ان کے بیچ آجاتا ہے۔دوری ان کا مقدر بنی رہتی ہے۔''

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''

''دیکھو ہم اس گاؤں میں رہتے ہیں۔کمزور اور بے بس لوگوں کی طرح۔ہم پر اُن لوگوں کی چلتی ہے جن کے پاس طاقت ہوتی ہے۔''علی گوہر نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

''مجھے تمہاری ایک بات کی بھی سمجھ نہیں آرہی ہے۔ان باتوں سے ہمارا کیا تعلق ہے۔''رُخسانہ کواُس کی باتوں سے اُکتاہٹ ہونے لگی تھی۔

''تعلق ہے۔میں تو کل ہی اپنے بھائی اور بھابی کو تمہاری طرف بھیجنے لگا تھا لیکن......''علی گوہر نے جان بوجھ کراپنا جملہ اُدھورا چھوڑ دیا تھا۔

''لیکن کیا؟''رُخسانہ نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''ناصر بیچ میں آ گیا۔'' علی گوہر نے لاچاری سے کہا۔

''ناصر......؟'' رُخسانہ کی متحیر نگاہیں اس کے چہرے پر جم گئیں۔

''چوہدری منظور احمد کا پتر......اُسے کہیں سے پتہ چل گیا ہے کہ تیری کہیں ہاں ہونے والی ہے۔اور پھر جلدی شادی بھی ہو جائے گی۔وہ تو اُن لوگوں کو مارنے پر تلا ہوا ہے جو اس مقصد کے لئے تیرے گھر آئیں گے۔'' علی گوہر نے کہا۔

''وہ ایسا کیوں کرے گا؟'' رُخسانہ کو یکدم غصہ آ گیا۔

''یہ مجھے بھی اب ہی پتہ چلا ہے کہ وہ ...... تجھے چاہتا ہے۔تیرا دیوانہ ہے۔اور تجھے اپنانا چاہتا ہے۔کوئی اور بیچ میں آئے وہ برداشت نہیں کر سکتا ہے۔'' علی گوہر نے پریشانی کے لہجے میں کہا۔

''بکواس کر رہے ہو تم۔'' رخسانہ یکدم آگ بگولہ ہو گئی تھی۔لیکن اس کی آواز کمرے سے باہر نہیں گئی تھی۔

''میری یہ بکواس حقیقت ہے۔اُس نے مجھے خود بتایا ہے۔تیرا ہمسایہ ہوں اس لئے بتا رہا تھا کہ میں اُس کا پیغام تجھ تک پہنچا دوں۔وہ تو اپنی ماں کو تیرے گھر بھیجنے ہی والا تھا۔میں تو اس کی باتیں سن کر حیران رہ گیا تھا۔میرے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔'' علی گوہر نے کہا۔

''تم نے بس سنا اور چپ ہو گئے۔'' رُخسانہ نے پوچھا۔

''تو کیا کرتا۔اُس سے لڑتا' اُس کی گولی کا نشانہ بن جاتا۔'' علی گوہر نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

''اس نے میرے بارے میں ایسا کہا اور تم سن کر ڈر گئے۔تمہارے اندر کی ہمت کہاں چلی گئی تھی۔'' رُخسانہ نے کہا۔

''میری ہمت کیا کرتی۔اور کیا میں وہاں یہ اعلان کرتا کہ رخسانہ کو میں چاہتا ہوں۔کیا انجام ہوتا جانتی ہو۔'' علی گوہر بولا۔''وہ تجھے کسی پاگل کی طرح چاہتا ہے۔''

''اور تم......؟'' رُخسانہ نے اُس کی طرف دیکھا۔اور جواب کا انتظار کرنے لگی۔

''میں بھی چاہتا ہوں تجھے۔'' علی گوہر نے ہولے سے کہا

''لیکن کسی بزدل کی طرح۔جس کے اندر بات کرنے کی ہمت نہیں

ہے۔'' رخسانہ نے فوراً کہا۔

''تُو بھی تو مجھے چاہتی ہے۔تیرے اندر بات کرنے کی کتنی ہمت ہے؟ بندوق سے نکلی ہوئی گولی سے ہر کوئی ڈرتا ہے۔ہر ایک کو اپنی جان کی پروا ہوتی ہے۔اور پھر ناصر کو کون نہیں جانتا۔اس کا جوشیلا پن کس سے چھپا ہوا ہے۔میں کچھ کہہ دیتا تو اس وقت تمہارے سامنے یوں کھڑا نہ ہوتا۔''

''تم اس کے جوشیلے پن سے ڈر گئے اور گھر بیٹھ گئے۔میری زندگی کی اب تک کی سانس میں تم ہو۔اس کی پروا نہیں ہے تجھے؟'' رخسانہ نے کہا۔

''میری سانسوں اور دل کی دھڑکن میں بھی تم ہی ہو لیکن ہم اپنی ہمت ناصر کو دکھا نہیں سکتے۔ہمیں کچھ سوچنا ہوگا۔''

''میری زندگی کا آج فیصلہ ہو رہا ہے۔اور تم سوچنے کی بات کرتے ہو۔'' رخسانہ بولی۔

''تو کیا کروں؟'' علی گوہر نے جھلا کر پوچھا۔

''تمہاری جگہ میں ہوتی تو یہ سنتے ہی اُس کے منہ پر تھپڑ مار دیتی۔'' رخسانہ نے جذباتی ہوتے ہوئے کہا۔

''یہ کہنا آسان ہے' کرنا مشکل ہے۔نہ میں کر سکتا ہوں اور نہ تم ہی کر سکتی ہو کہ جا کر اُس کے منہ پر تھپڑ مار دو کہ اس کی گونج پورے گاؤں میں سنائی دے کہ اُس کی جرأت جواب دے جائے۔تمہارا باپ چوہدری منظور سے ٹکر لے سکتا ہے لیکن میرا نام اُن لوگوں کے سامنے آ گیا تو میرے لئے زمین تنگ ہو جائے گی۔'' علی گوہر اُس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔''تم ابھی جاؤ اور مجھے تین بجے اُسی جگہ ملنا۔وہاں سے آگے تمہاری سہیلی رہتی ہے اُس سے ملنے کا بہانہ کر کے نکل آنا' وہاں بات کریں گے۔''

''یہاں بات کرنے میں کیا ہے؟''

''باہر بھابی ہے اور ہم اندر ہیں...... مجھے عجیب سا لگ رہا ہے تم بات سمجھنے کی کوشش کرو۔میں وہاں تمہارا انتظار کروں گا۔یہاں مجھ سے بات نہیں ہو رہی ہے۔'' علی گوہر نے کہا۔رُخسانہ نے اُس کی طرف دیکھا اور پھر تیزی سے کمرے سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

باہر نکل گئی۔علی گوہر اس کے پیچھے ہی نکلا' رخسانہ گھر کی دہلیز پار کر چکی تھی۔رضیہ کا چولہا اس کمرے کے پاس ہی تھا۔اُس نے سب کچھ سن لیا تھا۔لیکن وہ چپ رہی تھی۔

"میر تاج کی حویلی کی در و دیوار ہلانے کے لئے مجھے کب اور کس وقت کون سا مہرہ استعمال کرنا ہے اس کے لئے مجھے کسی سچ اور جھوٹ کی ضرورت نہیں ہے۔"علی گوہر نے اپنے دل میں اُٹھنے والی آواز کو خود ہی دبا دیا۔علی گوہر ابھی جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ ہاجراں بھی آ گئی۔

❁✪❁

رخسانہ کے دل میں علی گوہر کی محبت کی جو تپش تھی اس کا اندازہ علی گوہر کو تھا۔وہ کبھی کچی گولی نہیں کھیلتا تھا۔اُس کا مقصد میر تاج کے بیٹوں کی بربادی تھی۔اس کے لئے اُسے جس کی بھی قربانی دینی پڑے وہ تیار رہتا تھا۔اسی لئے وقت آنے پر اُس نے رُخسانہ کو اپنی شطرنج کی بساط پر ایک مہرے کی طرح کھیل دیا تھا۔

ابھی تین نہیں بجے تھے کہ علی گوہر اُس جگہ جا پہنچا جہاں ناصر ہاتھ میں بندوق لئے پھر پرندوں کا شکار کھیل رہا تھا۔وہ چوہدری منظور کی زمینیں تھیں اور پاس ہی ناصر نے اپنے دوسرے چاچا زاد بھائیوں کے ساتھ مل کر الگ ہی ڈیرہ بنایا ہوا تھا۔علی گوہر کو علم تھا کہ اس وقت ناصر اسی جگہ ہوتا ہے۔

ناصر بندوق سے دور بیٹھے پرندے کا نشانہ لے رہا تھا۔دائیں بائیں کھیتوں پر ان کے ملازم کام کر رہے تھے' جن میں خواتین بھی تھیں۔علی گوہر چپکے سے ناصر کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔

"کوئی نشانہ لگا بھی ہے کہ ایسے ہی نشانہ باندھے ہی کھڑے ہو؟"علی گوہر نے اس کے عقب سے کہا۔

ناصر نے کہا۔"تم کب آئے ہو علی گوہر؟"

"تجھے دور سے دیکھا تو اِدھر آ گیا۔"علی گوہر نے کہا۔

"تُو یہ جانتا ہے کہ میں نشانہ باندھنے والوں میں سے نہیں ہوں' نشانہ لگانے والوں میں ہوں۔"ناصر نے کہا اور اس کے ساتھ ہی اُس نے گولی چلائی' جو کسی

پرندے کو تو نہیں لگی البتہ درختوں پر بیٹھے پرندے گولی کی آواز سے اُڑ کھڑے ہوئے۔

"تمہارا نشانہ کچا ہے۔"علی گوہر نے ہنس کر کہا۔

"میں نے نشانہ ٹھیک سے لگایا ہی نہیں تھا۔"ناصر نے کہا۔

علی گوہر ہنسا اور ایک درخت کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔وہ اس انداز میں بیٹھا تھا کہ دائیں جانب سے اُسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔"تم اپنی ناکامی چھپا رہے ہو۔"

ناصر نے علی گوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"چلو اُٹھو اور میرے ساتھ شکار کرو۔دیکھتے ہیں کون جیتتا ہے۔"

علی گوہر نے دور اُس جانب دیکھا' رُخسانہ چلی آ رہی تھی۔جہاں اُس نے بلایا تھا وہاں تک جانے کے لئے یہ ہی راستہ استعمال ہوتا تھا۔علی گوہر نے ایک نظر اُس کی طرف دیکھ کر ناصر سے کہا۔"ویسے تُو بھی عجیب ہے۔جس کا تجھے شکار کرنا چاہئے اُس کا شکار تُو کرتا نہیں ہے۔"

"کیا مطلب ہے تیرا؟"ناصر نے اُس کی طرف دیکھا۔

"اتنا حاکم دین پٹواری کا میرے ہاں آنا جانا ہوتا تو میں اُس کی بیٹی کا رشتہ مانگ لیتا۔"علی گوہر نے یوں کہا جیسے وہ درخت سے بات کر رہا ہو' آس پاس کے پودوں کو کہہ رہا ہو۔

"یہ حاکم دین پٹواری اور اُس کی لڑکی بیچ میں کہاں سے آ گئی۔"ناصر نے پوچھا۔

"بس ایسے ہی اُسے دیکھا تو بات کر دی میں نے۔"علی گوہر اس جگہ سے رخسانہ کی طرف دیکھ رہا تھا جو ابھی فاصلے پر تھی۔ناصر نے علی گوہر کی نظروں کا تعاقب کیا تو اس کی نگاہ بھی رخسانہ پر پڑ گئی۔

"یاد ہے ایک زمانے میں تُو اسے پسند کیا کرتا تھا لیکن اس کے تھپڑ سے ڈر گیا تھا۔"علی گوہر نے کہا اور ہنسنے لگا۔وہ ماضی کی بات کا مزہ لینے لگا تھا۔کہ ناصر کو چوسی ہو جائے۔

"میں کسی سے ڈرتا نہیں ہوں۔"ناصر نے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"جانتا ہوں تُو اس معاملے میں کتنا بہادر ہے۔چل ایک طرف ہوجا......دیکھ آج میں اس سے بات کروں گا۔یہاں اس جگہ روک کر۔" علی گوہر نے کہا۔

"تُو بات کرے گا اس سے؟" ناصر نے کہہ کر ایک قہقہہ لگایا۔

"میں تو کر ہی لوں گا تُو اپنی ہمت کی بات کر۔" علی گوہر اُٹھ کھڑا ہوا لیکن درخت کے پیچھے ہی رہا۔

ناصر غصیلا نوجوان تھا۔اُس کی بات سن کر وہ یکدم سنجیدہ ہوگیا اور بولا۔"تم نے شاید میری ہمت دیکھی نہیں ہے۔"

"دیکھی ہے۔یاد ہے جب اس نے کہا تھا کہ تم نے کبھی شیشے میں اپنا منہ دیکھا ہے اور پھر تیری ہمت ہی تو تھی کہ تیری زبان بند رہی تھی۔" علی گوہر نے کہا اور تمسخرانہ انداز میں ہنسا۔ناصر اُسے گھورنے لگا۔علی گوہر پھر بولا۔"ناصر......دائیں بائیں نکل جا۔آج میں اس سے بات کر کے رہوں گا۔"

"تم بیچ میں مت آنا۔" ناصر نے علی گوہر کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے غصے کو دباتے ہوئے کہا۔علی گوہر اس چوڑے درخت کے پیچھے ہی رہا۔وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تھا۔ناصر جیسے گرم مزاج لوگوں کو طیش میں لا کر کام لینا آسان ہوتا ہے۔

رُخسانہ کی نظر ناصر پر پڑ گئی تھی۔وہ پہلے ہی اُسے اچھا نہیں لگتا تھا اوپر سے علی گوہر نے جو اُسے بتایا تھا اُس پر اُسے مزید غصہ آ گیا تھا۔وہ چلتی ہوئی جیسے ہی اس کے آگے سے گزرنے لگی ناصر نے اُسے اپنے لہجے میں مخاطب کیا۔

"اے......رک اور بات سن۔"

رُخسانہ نے رک کر اُس کی طرف دیکھا اور بگڑ کر بولی۔"کیا ہے۔"

ناصر چل کر اُس کے پاس ہوگیا۔اور بولا۔"پہلے سے بھی زیادہ خوبصورت ہوگئی ہے۔"

"تڑاخ......" ایک زناٹے دار تھپڑ ناصر کی گال پر پڑا تو اس کی آواز سن کر ارد گرد کام کرتے لوگ بھی اپنا اپنا کام چھوڑ کر اسی جگہ کھڑے ہوگئے۔ناصر کو اس کی اُمید نہیں تھی۔وہ پہلے تو ششدر کھڑا رہا اور پھر آگ بگولہ ہو کر بولا۔"کمینی تیری یہ

ہمت۔"

"تجھے تمیز سکھائی ہے کہ دوسروں سے بات کیسے کرتے ہیں۔" رُخسانہ نے چیخ کر کہا۔

"ابھی بتاتا ہوں تجھے۔" سیخ پا ناصر نے اپنی بندوق سیدھی کر لی اور رخسانہ کی طرف رُخ کرتے ہی جیسے ہی ٹریگر دبایا عین وقت پر کمال ہوشیاری سے علی گوہر اس درخت کے عقب سے یوں نکلا جیسے وہ اس جگہ نہیں تھا بلکہ اسی طرف سے کہیں دوسری جگہ سے بھاگتا ہوا آیا ہے۔علی گوہر نے اُس کی بندوق کی نال پکڑ لی اور اوپر کی جانب کر دی۔گولی فضا میں چلی گئی۔سب لوگ مبہوت کھڑے دیکھ رہے تھے۔

"چھوڑ مجھے علی گوہر......یہ یہاں سے زندہ نہیں جائے گی۔" ناصر چیخا۔

"پھر زندہ تُو بھی نہیں بچے گا۔" علی گوہر نے کہا اور پھر اُس نے کھیتوں میں کام کرنے والوں کو پکارا۔"ادھر آؤ اور اسے سنبھالو......"

ناصر کو سنبھالنا دوبھر ہو رہا تھا۔علی گوہر نے رُخسانہ کو اشارہ کیا کہ وہ اس جگہ سے واپس چلی جائے۔رخسانہ برق رفتاری سے واپس چلی گئی۔ناصر چیختا رہا۔اُسے مار دینے کی دھمکیاں دیتا رہا۔سب کے سامنے اُس کے منہ پر رخسانہ نے تھپڑ مار دیا تھا۔اور یہ کوئی چھوٹی بات نہیں تھی۔علی گوہر دل ہی دل میں مسکرایا۔

❁✪❁

رُخسانہ اپنے گھر میں آتے ہی سیدھی کمرے میں چلی گئی۔وہ گھبرائی ہوئی تھی۔وہ شاید ناصر کے منہ پر تھپڑ مارنے کی ہمت نہ کرتی لیکن علی گوہر کی باتوں نے اُسے غصے کے کنارے پر کھڑا کیا ہوا تھا۔اس لئے اُس سے ایسی جرأت سرزد ہوگئی۔وہ سوچ رہی تھی کہ جانے اَب کیا ہوجائے۔ناصر کیسا ہنگامہ کھڑا کر دے۔پھر وہ یہ سوچ کر کانپ کر رہ گئی کہ اگر عین وقت پر علی گوہر نہ آتا تو یقیناً ناصر کی بندوق سے نکلی گولی اس کے سینے میں اُتر گئی ہوتی۔

رُخسانہ اسی کمرے میں بند رہی اور اس کا خوف کم نہیں ہوا تھا۔بہت سے اندیشے اُسے اپنے حصار میں لئے ہوئے تھے۔کہ اچانک ہاجراں اس کے گھر میں آ گئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

صحن میں رخسانہ کی ماں اپنی دوسری بیٹی کے سر پر تیل کی مالش کر رہی تھی۔ہاجراں نے دُعا سلام لینے کی بجائے پریشانی سے کہا۔"رخسانہ کہاں ہے باجی؟"

"اندر ہے۔"رخسانہ کی ماں نے بتاتے ہوئے اس کی طرف تشویش سے دیکھا کیونکہ جس لہجے میں ہاجراں نے پوچھا تھا'اُس میں خوف تھا اور گھبراہٹ کا عنصر نمایاں تھا۔علی گوہر نے گھر آتے ہی پہلا کام جو کیا تھا وہ یہ ہی تھا کہ اُس نے سبق دے کر ہاجراں کو رخسانہ کے گھر بھیج دیا تھا۔

"میں اُس طرف سے آ رہی تھی کہ رخسانہ کو میں نے ناصر کے پاس کھڑے دیکھا۔چوہدری منظور کا پتر ناصر......پھر رخسانہ نے اُس کے منہ پر تھپڑ مار دیا اور ناصر نے اس کی طرف بندوق کھڑی کر دی۔کیا ہوا تھا؟"ہاجراں نے جاننے کے لئے رُخسانہ کے چہرے کی طرف دیکھا۔

رخسانہ کی ماں نے سنا تو وہ مالش کرنا بھول گئی اور فکرمندی سے اُٹھ کر ہاجراں کا منہ دیکھنے لگی۔جبکہ یہ بات رخسانہ نے بھی سن لی تھی اور دوسرے کمرے میں براجمان رخسانہ کے باپ حاکم دین کے کانوں میں بھی پڑ گئی تھی۔

"یہ......تم کیا کہہ رہی ہو۔"

"میں نے اپنے گھر جاتے ہی سامان ایک طرف رکھا اور جاننے کے لئے اِدھر آ گئی۔"ہاجراں نے کہا اور پھر بولی۔"ویسے آپ لوگوں کو اس بات کا نہیں پتہ؟"

اسی اثنا میں حاکم دین باہر آ گیا۔اُس نے رخسانہ کی ماں سے کہا۔"کہاں ہے رخسانہ؟"

"رخسانہ......رخسانہ......"اس کی ماں نے گھبرائی ہوئی آواز میں بلایا۔رخسانہ کمرے سے باہر نکل آئی۔

"ہاجراں بہن سچ کہہ رہی ہے؟کیا ہوا تھا۔"حاکم دین نے پوچھا۔

"میں زاہدہ کی طرف جا رہی تھی اور......"رُخسانہ نے گھبراہٹ سے کہنا چاہا۔

"اور......"حاکم دین نے پوچھا۔

"ناصر نے میرے ساتھ بدتمیزی کرنے کی کوشش کی اور میں نے اس کے منہ پر

تھپڑ مار دیا۔"رخسانہ نے فوراً اپنا اُدھورا جملہ مکمل کر دیا۔

حاکم دین نے سنا تو اُس کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔سامنے والے کمرے میں رخسانہ کا بھائی اکبر بھی تھا۔اُس نے اپنا ریوالور اُٹھایا اور باہر کی طرف بھاگنے لگا تو رُخسانہ کی ماں نے اُسے روک لیا۔"کیا کرنے جا رہا ہے۔"

"میں اس کی کھوپڑی اُڑا دوں گا۔"اکبر نے دانت پیس کر کہا۔

"تُو کچھ نہیں کرے گا۔آج تیری بہن کی بات پکی کرنے کے لئے مہمان آ رہے ہیں۔ہنگامہ ہو گا تو بات پھیلے گی۔تیرا باپ'چوہدری منظور سے بات کرے گا۔"رخسانہ کی ماں نے اُس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا۔

"تیری ماں ٹھیک کہتی ہے۔رُخسانہ نے اُسے سبق تو اچھا دے دیا ہے۔چوہدری منظور کے پاس جا کر میں اُسے مزید خبردار کر دیتا ہوں۔اس کے بعد بھی اگر کچھ ہوا تو اُس کے سینے میں گولی مارنے کا حکم سب سے پہلے تجھے میں دوں گا۔"حاکم دین نے بھی مصلحت سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"میں بھی ساتھ چلوں گا۔"اکبر نے کہا۔

"لیکن جب تک میرا حکم تجھے نہیں ملے گا'تُو کچھ نہیں کرے گا۔"حاکم دین نے کہا اور اکبر ریوالور نیفے میں دے کر باپ کے ساتھ باہر نکل گیا۔ہاجراں نے معنی خیز انداز میں انہیں جاتے ہوئے دیکھا اور اپنے دانت ایک دوسرے کے اوپر رکھ کر دبا لئے۔

❀✪❀

چوہدری منظور اس وقت دیتو کے ساتھ حویلی کے ایک حصے میں براجمان تھا جب حاکم دین اور اکبر اُس کے پاس آئے۔منظور احمد نے مسکرا کر اُن کا استقبال کیا۔مصافحے کے لئے ہاتھ آگے بڑھایا'جسے حاکم دین نے اپنے ہاتھ میں لے کر کہا۔

"چوہدری منظور احمد......سالوں سے ہم ایک دوسرے کی طرف اپنا ہاتھ پیار سے بڑھاتے آ رہے ہیں۔مجھے ڈر لگنے لگا ہے کہ اب کہیں ہاتھ ایک دوسرے کی طرف بڑھیں تو ان میں بندوقیں نہ ہوں۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم حاکم دین؟" منظور احمد نے ہولے سے مسکرا کر کہا۔

"اور یہ بھی کہہ دیتا ہوں کہ اس کا ذمہ دار تمہارا پتر ناصر ہوگا۔" منظور احمد کا ہاتھ چھوڑے بغیر حاکم دین نے کہا۔ اُس کی بات سن کر منظور احمد کو کچھ پریشانی سی ہونے لگی تھی۔ اُس نے متانت سے پوچھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو حاکم دین؟"

"اپنے پتر ناصر کو بلاؤ اور جو میں نے کہا ہے اس کا مطلب اُس سے پوچھو۔ آج اُس نے میری عزت کی طرف بُری نگاہ سے دیکھا ہے۔" حاکم دین نے کہا اور منظور احمد کا ہاتھ چھوڑ دیا۔ اس کی بات سنتے ہی منظور احمد کے چہرے پر ایک تغیر آ گیا تھا۔ اس کی متانت اور بھی گہری ہو گئی تھی۔ بات سمجھنے میں اُسے دیر نہیں لگی تھی۔ حاکم دین کا بھی ایک اثر و رسوخ تھا' اس کا بھی خاندانی پس منظر بہت مضبوط تھا اور پھر وہ اور اس کا پٹواری بیٹا اس کے سیاہ و سفید کا ساتھی بھی تھا۔

"دیتو...... ناصر کو ابھی یہاں لے کر آ۔" منظور احمد نے کہا اور دیتو بھاگ کر باہر نکل گیا۔ حاکم دین کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ اکبر اُس کے عقب میں کھڑا رہا۔ منظور احمد خاموش کھڑا رہا۔ کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔

ناصر کچھ دیر پہلے ہی حویلی میں پہنچا تھا۔ جونہی وہ دیتو کے ساتھ اندر آیا' حاکم دین اور اکبر کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے وہ لاپروائی سے باپ کے پاس کھڑا ہو گیا۔ منظور احمد نے ناصر کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھتے ہوئے کہا۔ "حاکم دین تمہاری شکایت لے کر آیا ہے۔ کیا حرکت کی تھی تم نے؟"

ناصر نے ایک نظر حاکم دین کی طرف دیکھ کر کہا۔ "انہوں نے کیا بتایا ہے ابا جی؟"

"میں تیرے منہ سے سننا چاہتا ہوں۔" منظور احمد نے یکدم چیخ کر کہا۔ "میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ میرے خاندان کا کوئی لڑکا کسی کی عزت کی طرف بُری نگاہ ڈالے۔ تم نے ایسی جرأت کیوں کی؟"

ناصر نے اپنے باپ کی طرف دیکھا اور کچھ توقف کے بعد کہا۔ "جو ہونا تھا ابا جی ہو گیا۔ اب اس بات کو چھوڑ دیں۔"

"یہ چھوٹی بات نہیں ہے۔ معافی مانگ ان سے میرے سامنے۔" منظور احمد نے غصے سے کہا۔

"میری کھال کھینچ دیں لیکن معافی نہیں مانگوں گا۔" ناصر نے باپ کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے صاف لفظوں سے کہہ دیا۔

"یہ تم مجھے کہہ رہے ہو' اپنے باپ کو؟" منظور احمد کا غصہ اور بھی بڑھ گیا تھا۔

"چوہدری منظو راحمد...... میں یہاں اس لئے نہیں آیا کہ یہ مجھ سے معافی مانگے۔ یہ بات تیرے علم میں لانے کے لئے آیا تھا کہ میں بھی کمزور نہیں ہوں۔ آج جو بھی ہوا اس کی سزا میری بیٹی نے اسے دے دی ہے۔ لیکن اگر یہ باز نہ آیا تو اس کے سینے میں میرے پتر نے اگر گولی اتار دی تو یہ مت کہنا کہ برسوں کی جان پہچان کا بھی تم نے لحاظ نہیں کیا حاکم دین۔" حاکم دین نے کھڑے ہو کر کہا اور پھر چند ثانئے منظور احمد کی طرف دیکھنے کے بعد مزید بولا۔ "میں کہہ کر جا رہا ہوں۔ آگے تم باپ بیٹا سوچ لو دشمنی کی جڑوں کو پانی دینا ہے کہ یہیں سے جڑیں کاٹ دینی ہیں۔" حاکم دین نے کہا اور اپنے بیٹے کے ساتھ چلا گیا۔

منظور احمد پیچ و تاب کھا کر رہ گیا تھا۔ یہ حاکم دین تھا جس کی زبان کو وہ کھینچ کر منہ سے باہر نہیں نکال سکتا تھا۔ کوئی اور ہوتا تو اول منظور احمد کے سامنے آنے کی ہمت ہی نہ کرتا اور اگر آ کر کچھ ایسا کہہ دیتا تو شاید وہ اپنی ٹانگوں پر چل کر حویلی سے جانہ پاتا۔

"تیری وجہ سے آج مجھے اس کی یہ بات سننی پڑی ہے۔ اُس کے سامنے تم نے میری بات نہ مان کر میری بے عزتی کی ہے۔" منظور احمد نے اپنی آنکھیں نکال کر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"جو بے عزتی اس کی بیٹی نے کی ہے اس کی سزا وہ جانتی نہیں ہے۔ میں نہیں چھوڑوں گا اُسے ابا جی۔" ناصر باپ کی بات کی پروا کئے بغیر بولا۔

"بکواس بند کر۔" وہ چیخا۔

اسی اثنا میں نور بانو بھی آ گئی جو کہ ناصر کے پیچھے اس کمرے تک آ گئی تھی اور باہر کھڑی ہو کر سب سننے لگی تھی۔ اُس نے کہا۔ "کیا ہو گیا ہے۔ کیوں اتنا چلا رہے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہو۔اگر اس نے کچھ کہہ دیا ہے تو اس میں کیا قیامت آ گئی ہے۔اس عمر میں ایسی غلطیاں ہو جاتی ہیں۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پتر کا خون ہی چوس لیا جائے۔"

"تم جانتی ہو کہ الیکشن سر پر ہیں۔ہم اس کے لئے تیاری کر رہے ہیں۔اور یہ نئے گل کھلا رہا ہے۔"منظور احمد نے کہا۔

"اس کی اس حرکت سے آپ کے سر پر لگے پھول جھڑ نہیں جائیں گے۔"نور بانو نے کہا۔

"تمہارا اس طرح سے اپنے پتر کا ساتھ دینا مجھے اچھا نہیں لگ رہا نور بانو......لیکن اسے سمجھا دے کہ اگر اس نے کوئی حرکت ایسی کی کہ جس کی وجہ سے مجھ پر کسی نے اُنگلی اُٹھائی تو اچھا نہیں ہوگا۔"منظور احمد نے خبردار کرتے ہوئے کہا۔

"پھر کیا ہوگا ابا جی؟"ناصر نے باپ کے سامنے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

"میں تجھے حویلی سے باہر نکال دوں گا۔"منظور احمد نے کہا۔

"حاکم کی لڑکی کو مزہ تو ضرور چکھاؤں گا چاہئے مجھے آپ اس گاؤں سے باہر نکال دیں۔مجھے پروا نہیں ہے۔"ناصر نے لاپروائی سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔منظور احمد کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا۔علی گوہر کی چنگاری نے حویلی میں اچانک آگ پکڑ لی تھی۔

❀✪❀

رات ہو گئی تھی۔

رخسانہ کے گھر جو مہمان اس کی بات پکی کرنے کے لئے آنے والے تھے وہ آ گئے تھے لیکن علی گوہر کی طرف سے کوئی نہیں آیا تھا۔رُخسانہ کا انتظار زہر بن کر اس کی رگوں میں دوڑنے لگا تھا۔علی گوہر نے اُسے یقین دلایا تھا کہ وہ اپنے بھائی اور بھابی اور خاندان کے بزرگوں کے ساتھ اس کے گھر آئے گا اور اس کا رشتہ مانگے گا۔رخسانہ کو یقین تھا کہ اس کا باپ علی گوہر کو اہمیت دے گا۔اس کی وجہ یہ بھی تھی کہ دور سے گھوم کر خاندان کی ایک لڑی آپس میں ملتی تھی اور پھر یہ کہ برکت دین کے ساتھ حاکم دین کی اچھی دوستی بھی تھی۔اس کا دل سچ کہہ رہا تھا کہ جھوٹ' یا پھر اس کی دیوانگی تھی کہ علی گوہر کے گھر سے جو بھی آئے گا اُسے اس کا باپ خالی ہاتھ نہیں

لوٹائے گا۔اس نے جو سوچا تھا جو اس کا دل کہتا تھا' سب کچھ اس کے برعکس ہوا تھا اور اُس کی اُمید ٹوٹ گئی تھی۔

رخسانہ کی بات پکی ہو گئی تھی اور شادی کے دن بھی ساتھ ہی رکھ دیئے تھے۔

رخسانہ نے خاموشی سے سب کچھ قبول کر لیا تھا۔وہ ماں اور باپ کی عزت کی خاطر اپنے لب کھول کر بے وقوفی نہیں کرنا چاہتی تھی' کیونکہ جس کے لئے وہ ایسا کرتی اُس نے اس کی چوکھٹ پر کھڑا ہونا بھی گوارہ نہیں کیا تھا۔لیکن اُس نے یہ فیصلہ ضرور کیا تھا کہ وہ علی گوہر کو ایک بار مل کر اس کے بزدل ہونے کا طعنہ اُس کے سامنے کھڑی ہو کر ضرور دے گی جو ناصر سے ابھی تک ڈر کر کسی سہمے ہوئے بچے کی طرح اُسے بھول کر اپنے گھر کی چوکھٹ کے ساتھ لگا ہوا تھا۔رخسانہ کو علی گوہر پر شدید غصہ تھا۔

یہ تو محض رُخسانہ کا خیال تھا لیکن علی گوہر نے جو کھیل کھیلنا تھا وہ اُس نے کھیل دیا تھا۔رُخسانہ اُسے پسند تھی۔دل میں اس کے لئے کسک اُٹھتی تھی لیکن اس کے سامنے میر تاج کے خاندان سے اپنے باپ کا انتقام لینا زیادہ اہم تھا۔اس کے لئے وہ کچھ بھی قربان کرنے کے لئے تیار تھا۔اُس نے انتقام کے سانپ کو سینے سے لگا کر سالوں نفرت کا دودھ پلایا تھا۔اپنا خون جلا کر اس کی پرورش کی تھی۔اپنے نمکین آنسو چھپا کر ان آنکھوں میں انگار بھرے تھے۔زبان پر اپنائیت کی چاشنی کا دھوکہ سجا کر اُس نے اپنے اندر کا زہر تھوڑا تھوڑا کر کے باہر نکالا تھا۔اور ابھی اُس کے اندر بہت زہر تھا جسے نکال کر میر تاج کے خاندان کی بربادی دیکھنی تھی۔ان سب باتوں سے...... رُخسانہ لاعلم تھی۔اُسے صرف یہ بات یاد تھی کہ علی گوہر نے اپنی بزدلی کے سبب اس سے بے وفائی کی ہے۔اور علی گوہر اپنی چال چل کر اگلی چال کے چلنے کے انتظار میں تھا۔

✲

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

روبی کی شادی انتہائی سادگی سے نوازش کے ساتھ ہوگئی تھی۔شادی کے ایک ہفتے کے بعد نیلم نے دونوں کی دعوت شہر کے ایک بہترین ہوٹل میں کی جس میں اس نے فلک شیر کو بھی مدعو کیا تھا۔فلک شیر اور نیلم دس،پندرہ منٹ کے وقفے سے ہوٹل میں پہنچ گئے تھے۔لیکن دونوں میاں بیوی کا کہیں اتہ پتہ نہیں تھا۔نیلم نے جو میز ریزرو کرائی تھی،دونوں وہاں براجمان ہوگئے تھے۔

"فون کرکے پوچھو کیا بات ہے۔"فلک شیر نے پوچھا۔

"فون کرنے کی کیا ضرورت ہے تب تک ہم باتیں کرتے ہیں۔"نیلم نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنائیت سے کہا۔"ایک بات کہوں۔"

"تمہیں کچھ کہنے کے لئے کیا کسی اجازت کی ضرورت ہے۔"فلک شیر نے کہا۔

"تم آج بہت خوبصورت لگ رہے ہو۔بہت زیادہ خوبصورت لگنے کی وجہ جانتے ہو کیا ہے؟"نیلم نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"کیا ہے؟"فلک شیر نے پوچھا۔

"تم پر یہ لباس بہت جچ رہا ہے۔"نیلم نے فلک شیر کی پینٹ،شرٹ،خوبصورت نیلے رنگ کی ٹائی اور کوٹ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

فلک شیر مسکرایا۔"جانتی ہو میں تمہیں اچھا کیوں لگتا ہوں۔"

"کیوں لگتے ہو؟"

"کیونکہ ہم دونوں بس ایک دوسرے کو ہی دیکھتے ہیں،ایک دوسرے کے بارے میں ہی سوچتے ہیں اور......"فلک شیر اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔اور اُس

نے جان بوجھ کر اپنا جملہ اُدھورا چھوڑ دیا تھا۔

"اور......؟"نیلم نے پوچھا۔

"اور ہم ایک دوسرے کے علاوہ کسی کو بھی دیکھنا نہیں چاہتے ہیں۔"فلک شیر نے نیلم کی جھیل سی آنکھوں میں اُترتے ہوئے اپنا جملہ مکمل کردیا۔نیلم ٹکٹکی باندھے اُسی کی طرف دیکھے جارہی تھی اور پھر بولی۔

"شاید یہ ہی وجہ ہے کہ ہماری چاہت کی خوشبو اِردگرد بھی پھیل گئی ہے۔"اُس نے مسکرا کر میز پر پڑے کانٹے کو اُٹھا کر آہستہ آہستہ رگڑنا شروع کردیا تھا۔

"کیا مطلب؟"فلک شیر نے چونک کر پوچھا۔

"ممی اور ڈیڈی بھی ہمارے بارے میں اَب سنجیدگی سے باتیں کرنے لگے ہیں۔شاید وہ کوئی فیصلہ بھی کرچکے ہیں،اور ممکن ہے کہ وہ اَب ہم دونوں کی طرف سے کوئی اظہار ہو وہ اس انتظار میں ہیں۔"نیلم نے بتایا اور کانٹا پھر اسی جگہ پر رکھ دیا۔

"آج کل کے ماں باپ کتنے ہوشیار ہوگئے ہیں۔باریک بینی سے بہت کچھ دیکھ لیتے ہیں۔"فلک شیر نے مسکرا کر کہا۔

"شاید ہم نادان ہوگئے کہ اُنہیں بہت کچھ محسوس کرانے کا موقعہ دے دیتے ہیں۔"نیلم نے اپنا نظریہ بیان کیا۔

"یا پھر ہم خود اُنہیں موقعہ دیتے ہیں۔کچھ جاننے کا،کچھ سمجھنے کا۔"فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"شاید......یا پھر......نہیں۔"نیلم اپنی ایک رائے قائم نہیں کرسکی۔

فلک شیر نے کہا۔"نیلم میں اَب گاؤں چھوڑ آیا ہوں۔میں اَب اپنی دنیا اسی جگہ بسانا چاہتا ہوں۔لیکن سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ اپنی طرف سے کسے شامل کروں۔باپ کو،چاچا کو،کچھ سمجھ میں نہیں آرہی ہے کہ میرے ساتھ کون ہے......جو میرا اپنا ہے؟"

اس سے پہلے کہ نیلم کوئی جواب دیتی روبی اپنے شوہر نوازش کے ساتھ آگئی۔ دونوں پُرتپاک انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ ملے۔نیلم کو نوازش پسند ہی نہیں تھا، محض وہ روبی کی وجہ سے یہ دعوت کررہی تھی،نوازش کی آنکھوں میں عجیب بات تھی۔ وہ دیکھتا تھا تو لگتا تھا جیسے اُس کی نظر میں ملاوٹ ہے۔سب اپنی اپنی جگہ براجمان ہو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گئے تھے۔

''تم اتنی دیر سے کیوں آئی۔''نیلم نے روبی سے پوچھا۔

''ایم سوری کہ مجھے دیر ہوگئی۔دراصل ہوا یہ کہ آج ہمارے ہوم سے پانچ بزرگ خواتین اپنے گھر یا اپنے رشتے داروں کے ساتھ رخصت ہورہی تھیں۔اور مجھے بھی وہاں جانا پڑا۔تھینکس گاڈ کے اُن لوگوں کو خیال آیا اور وہ اُنہیں اپنے ساتھ لے گئے۔ہاں البتہ ایک......''

''شکر کیجیے پانچ تھیں زیادہ ہوتیں تو آج ہم ڈنر پر آہی نہیں سکتے تھے۔''نوازش نے اُس کی بات کاٹتے ہوئے کہا اور ہنسا۔

''ایسا ہوتا تو میں اسے وہاں سے اُٹھا کر لے آتی۔''نیلم نے فوراً کہا۔

''اچھا چھوڑوں ان باتوں کو میں پہلے ہی وہاں سے روتی ہوئی آئی ہوں۔بڑے جذباتی منظر بھی ہورہے تھے۔یہ بتاؤ کھانے کا آرڈر دیا۔''روبی نے جلدی سے کہا۔

''بہت بھوک لگی تھی تو گھر سے ہی کھا کر آتی۔''نیلم نے بھی تیزی سے کہا اور چاروں ہنسنے لگے۔

❁✪❁

سکھاں کو'ہوم' تک حاجی نیامت لے کر آیا تھا۔حاجی نیامت کا بڑا بیٹا ملک سے باہر گیا تو اُس نے پھر اپنے دونوں بھائیوں کو بھی اپنے پاس بلالیا تھا۔اسی دوران حاجی نیامت کا انتقال ہوگیا۔اور اُس کی بیوہ صغراں گھر میں اکیلی ہی رہ گئی تھی۔لڑکیوں کی شادی ہوگئی تھی۔بچے ماں کو ہر ماہ خرچ بھیجتے تھے اور ماں کا ہر طرح سے خیال رکھتے تھے لیکن روزگار کے سلسلے میں ملک سے باہر ہونے کی وجہ سے ماں کے پاس نہ ہونے کی مجبوری اُن میں مانع تھی۔صغراں کو اُنہوں نے اپنے پاس بلانے کی کوشش کی بھی کی تھی لیکن وہ اپنا شہر گھر اور محلہ چھوڑنا نہیں چاہتی تھی۔اس جگہ سے اس کی بہت سی یادیں بھی وابستہ تھیں۔

ایک دن وہ ایسے ہی'ہوم' گئی تو اُس کی نگاہ سکھاں پر پڑی۔وہ سکھاں کے پاس چلی گئی'باتیں ہوئیں اور زندگی کا ایک حصہ اس ہوم کی چاردیواری میں گزارنے والی سکھاں کی باتوں میں ایک کرب بھی تھا اور اُداسی بھی اور ایک انجانا سا انتظار بھی

تھا......صغراں نے اُسی وقت فیصلہ کیا کہ وہ اسے اپنے گھر لے جائے گی۔اس کی تنہائی کی ساتھی بھی مل جائے گی اور سکھاں کو گھر بھی نصیب ہوجائے گا۔اور جس دن چار خواتین اس'ہوم' سے جارہی تھیں تو ایک سکھاں بھی تھی جو صغراں کے ساتھ اُس کے گھر چلی گئی تھی۔

اگر ڈنر پر روبی کا جملہ مکمل ہوجاتا اور نوازش مداخلت نہ کرتا تو شاید فلک شیر کو اپنی ماں کا سراغ مل جانے میں مدد مل جاتی۔

❁✪❁

اُس دوپہر علی گوہر اپنے گھر کی چھت پر اپنے پالتو کبوتروں کو دانہ ڈال رہا تھا کہ رُخسانہ نے اپنی چھت سے اُسے دیکھا اور نیچے اُتر کر سیدھی اُس کے گھر چلی آئی۔صحن میں اس وقت صرف ہاجراں بیٹھی ہوئی تھی۔علی گوہر کی بھابی اپنے لڑکے کے سکول میں گئی ہوئی تھی۔رخسانہ نے کچھ دیر ہاجراں کے پاس بیٹھنے کے بعد کہا۔

''مجھے علی گوہر سے ایک کام تھا۔اوپر چلی جاؤں''

''ہاں کیوں نہیں۔ایک ساتھ پل کر بڑے ہوئے ہو'اس میں پوچھنے والی کیا بات ہے۔''ہاجراں نے فوراً کہا اور رخسانہ اُوپر چلی گئی۔علی گوہر کو پتہ چل گیا تھا کہ رخسانہ اُوپر آئی ہے لیکن وہ کبوتروں کی جانب مصروف رہا۔اُنہیں دانہ ڈالتا رہا۔اور کبھی کوئی کبوتر ہاتھ میں پکڑ کر اس کا جائزہ لینے لگ جاتا۔

''نظر ملانے کی ہمت نہیں ہے تو چلی جاؤں کیا۔''رخسانہ نے اُس کی پشت میں کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔اس کے لہجے میں کاٹ تھی۔

علی گوہر نے اُس کی آواز سنتے ہی چونک کر ایسے اُس کی طرف دیکھا جیسے ابھی اُس کی آمد کا پتہ چلا ہو۔''ارے تم کب اوپر آئی۔''

''جیسے تم جانتے نہیں تھے۔''رُخسانہ نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

''تم ہی کیا سب جانتے ہیں کہ میری دو آنکھیں ہیں اور دونوں آگے میرے چہرے پر لگی ہوئی ہیں۔''علی گوہر نے مسکراتے ہوئے اپنی آنکھوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''میں تم سے دوٹوک بات کرنے آئی ہوں۔''رخسانہ نے متانت سے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

''کیا بات۔''علی گوہر نے پوچھا۔

''میں نے ایک لڑکی ہو کر اُس کے منہ پر تھپڑ مار دیا اور تم ایک مرد ہو کر اپنا خوف اپنے دل سے نہیں نکال سکے اور مجھے مجبور کر دیا کہ میں اپنے ماں باپ کے فیصلے کے آگے گردن جھکا دوں۔''رُخسانہ نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''بات یہ نہیں ہے۔''علی گوہر نے کہا۔

''تو کیا ہے۔''رُخسانہ نے فوراً پوچھا۔

''بس اتنا جان لے کہ جو تجھے ملا ہے وہی تیرا نصیب اور مقدر ہے۔''علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''میں نے بہت سوچا اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ابھی مجھے شادی بیاہ کے جھنجٹ میں پڑنا نہیں چاہئے۔اس لئے میں چپ ہو گیا۔''

''اس کا مطلب کہ تم میرے ساتھ دھوکہ کرتے رہے ہو؟''رُخسانہ نے تیز لہجے میں کہا۔

''دھوکہ......؟تم اسے دھوکہ کہہ رہی ہو۔دھوکہ تو تب ہوتا اگر میں تیری جگہ کسی اور لڑکی سے شادی کر رہا ہوتا۔میں تو کسی سے بھی شادی نہیں کر رہا۔اور تم دیکھو گی کہ ابھی میں کسی سے بھی شادی نہیں کروں گا۔''علی گوہر نے کہا۔

''اگر ایسا تھا تو تم نے مجھے بہت پہلے کیوں نہیں بتا دیا۔میں تو تیرے پاس اُس دن بھی آئی تھی۔''رُخسانہ نے تڑپ کر کہا۔

''پہلے بتا دیتا تو کیا کرتی؟''علی گوہر نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے اطمینان سے پوچھا۔

''کم از کم دن رات میں تیرے بارے میں تو نہ سوچتی۔تیرے خیالوں کی مالا ہر وقت تو نہ جپتی رہتی۔تیرے انتظار میں آخری پل تک کسی آہٹ کے انتظار میں اپنے آپ کو کانٹوں پر تو لوٹ پوٹ نہ کرتی رہتی۔اُس خوشی کو اپنے چہرے پر بھی سجاتی جو میرے گھر والوں کے چہروں پر اُس دن تھی۔''رُخسانہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے اور بولتے ہوئے اس کی آواز میں تغیر آ گیا تھا۔

''یہ اچھا نہیں ہے کہ میں نے تجھے اب بتایا ہے جبکہ تُو چند دنوں کے بعد رخصت ہو کر یہ گاؤں ہی چھوڑ دے گی۔تیرے لئے مجھے بھولنا بہت آسان ہو جائے گا۔تم

خوشی خوشی یہ گاؤں چھوڑ دے اور تیرے ساتھ کوئی یاد نہیں جائے گی۔''علی گوہر نے کہہ کر ایک کبوتر اُٹھا لیا اور اُسے ہاتھ میں لے کر پیار کرنے لگا۔شاید وہ اپنے اندر کا کرب چھپانے کی کوشش کر رہا تھا۔

رخسانہ اس کے پاس آئی اور اُس کا چہرہ دیکھتے ہوئے دانت پیس کر بولی۔''تم یہ سب کتنے آرام سے کہہ رہے ہو۔مجھے تو لگتا ہے کہ تجھے کبھی مجھ سے......پیار تھا ہی نہیں۔تم کوئی ڈرامہ کرتے رہے ہو۔''

''میں اُن میں سے نہیں ہوں جو ہاتھ سے کچھ جا رہا ہو تو آنکھوں کو سمندر کے پانی سے بھر لیتے ہیں۔میں علی گوہر ہوں۔ہاتھ سے نکل گیا تو گیا......ہاتھ سے خود جانے دیا تو ماضی کے پل بنا کر کبوتروں کی طرح اُڑا دیئے کہ پھر کبھی اس چھتری پر آ کر نہ بیٹھنا۔''علی گوہر نے اطمینان سے کہا اور اپنے ہاتھ میں پکڑا کبوتر آسمان کی طرف اُڑا دیا۔کبوتر اُوپر اُڑنے لگا۔علی گوہر نے اُس اُڑتے کبوتر کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

رخسانہ اُس کا لہجہ اور اطمینان دیکھتی ہی رہ گئی۔اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ وہی علی گوہر ہے۔وہ اپنے غصے کو دانتوں سے نکالتی ہوئی بولی۔''تم نے مجھے ہمیشہ دھوکے میں رکھا۔تم دھوکے باز ہو......تم میرے ساتھ دل لگی کرتے رہے ہو۔جبکہ تمہارے دل میں میرے لئے کچھ تھا ہی نہیں۔مجھے لگتا ہے کہ تم نے اُس دن بھی مجھ سے جھوٹ بولا تھا اور مجھے ناصر پر ہاتھ اُٹھانے کے لئے مجبور کر دیا تھا۔وہ بھی تمہاری کوئی چال تھی جس میں میں آسانی کے ساتھ آ گئی تھی۔''

''مجھے کوئی چال کھیلنے کی ضرورت نہیں ہے۔باقی باتیں سمجھ گئی ہو تو اچھا ہوا۔اب جاؤ۔تمہاری بات پکی ہو چکی ہے میرے ساتھ اس طرح چھت پر کسی نے دیکھ لیا تو سو باتیں ہوں گی ایک بھی بات تیرے ہونے والے سسرال پہنچ گئی تو تم نہ اِدھر کی رہو گی اور نہ اُدھر کی۔''علی گوہر نے کہا اور ہولے سے مسکرایا۔ایسی بات کرنے کا اس کا یہ بھی مقصد تھا کہ اُس نے تو وقت آنے پر اپنے پیار کو بھی انتقام کی بھینٹ چڑھا دیا تھا'اب رُخسانہ اُس کا خیال اپنے دل سے نکال کر ہی یہاں سے جائے تو اچھا ہے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رخسانہ کے لئے اُس کی باتیں بہت تکلیف دہ تھیں۔اُس نے نفرت آمیز نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا اور جانے کے لئے سیڑھیوں کی طرف بڑھی اور پھر رک کر اُس نے علی گوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''تم نے میرے ساتھ اچھا نہیں کیا۔تم نے میرے ارمانوں کا بھی خون کیا اور مجھے اپنی باتوں سے ایسا زہر بھی دے دیا ہے کہ یاد رکھنا جس دن مجھے موقعہ ملا میں وہ زہر تیرے جسم میں ضرور اُتار دوں گی۔''رُخسانہ نے نفرت سے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

علی گوہر اپنے آپ سے بولا۔''جو خود زہر سے بھرا ہوا اُس پر کوئی دوسرا زہر کیا اثر کرے گا۔''رخسانہ چلی گئی تھی علی گوہر کی آنکھوں میں اُتری نمی اُس نے نہیں دیکھی تھی۔

❁✪❁

دسمبر کا مہینہ تھا۔آسمان کو بادلوں نے اپنی آغوش میں لیا ہوا تھا اور ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ہوا کا تیز جھونکا آتا تو درخت'فصلیں اور کھیت جھومنے لگتے تھے۔سردی کی شدید لہر نے پورے گاؤں کو جیسے اپنے حصار میں لے لیا ہو کہ دور تک کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا'اس کی بڑی وجہ ایک تو یہ تھی کہ کام والی جگہ پر کسی چھت کے نیچے درمیان میں آگ لگا کر لوگ ایک دائرے کی شکل میں بیٹھ کر آپس میں باتیں کرنے لگے تھے'بہت سے اپنے گھر سے باہر ہی نہیں نکلے تھے۔

سیماں نے اپنی گردن صحن کے اُوپر لگے چھجے سے نکال کر آسمان کی طرف دیکھا تو بارش کے قطرے اُس کے چہرے پر جیسے ہی گرے'ایسا لگا جیسے پھول شبنم میں نہا گیا ہو۔سیماں جلدی سے پیچھے ہٹ گئی۔اس وقت وہ اس جگہ اکیلی ہی کھڑی تھی۔اُس نے پھر سے دیوار کے ساتھ ٹیک لگا لی تھی اور زمین پر گرتی بارش کو دیکھنے لگی تھی۔اُس کے دل میں ایک اُداسی اور ہلچل سی برپا تھی۔

اسی اثنا میں بختاں اُسے آوازیں دیتی ہوئی اس طرف آ گئی۔سیماں نے ماں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔''کیا ہے امی؟''

''میں تجھے اندر ڈھونڈ رہی تھی۔یہاں کیا کر رہی ہے۔''بختاں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''یہ اسی حویلی کا صحن ہے۔اپنی حویلی کے اندر ہی کھڑی ہوں۔''سیماں نے روکھے لہجے میں جواب دیا اور اپنی نگاہیں بارش پر مرکوز رکھیں۔

''سیماں تُو اُکھڑی اُکھڑی کیوں ہے؟''بختاں کی نگاہیں اُس کا جائزہ لینے لگیں۔

''تُو جانتی ہے امی۔''سیماں نے جواب دیتے ہوئے بھی اپنی نگاہیں بارش پر ہی مرکوز رکھی تھیں۔اَب یہ معلوم نہیں تھا وہ واقعی بارش کو دیکھ رہی ہے کہ دل'دماغ اور نظریں کہیں اور ہی ہیں۔

''یہ جان لے اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ہم ابھی تیرے تایا منظور کی حویلی سے آ رہے ہیں۔سولہ تاریخ طے ہوئی ہے تیری منگنی کی۔مردوں کے کاموں کے سو بکھیڑے ورنہ منگنی تو کل بھی ہو سکتی تھی'اس لئے فیصلہ یہ ہی ہوا کہ سولہ تاریخ کو نہ شہر کا کوئی کام ہے اور نہ ہی کسی کو کچہری جانا ہے۔''بختاں نے اس کے اور پاس ہوتے ہوئے کہا۔

''امی ایک بات تو بتا۔''

''ہاں پوچھ۔''

''اتنی جلدی کیا ہے کہ اس بارش میں بھی آپ تایا ابا کی طرف چلے گئے میری منگنی کی تاریخ طے کرنے؟''سیماں نے اپنی ماں کی طرف دیکھتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

''ہم کون سا پیدل بارش میں نہاتے ہوئے گئے تھے۔دو قدم پر تیرے تایا ابا کی حویلی ہے پھر بھی ہم جیپ میں ہی گئے تھے۔''بختاں نے کہا۔''کل فیصلہ ہوا تھا اس لئے ہم پہنچ گئے تیرے تایا ابا کی حویلی میں۔''

سیماں نے اپنی ماں کی طرف رُخ پھیرتے ہوئے کہا۔''امی مجھ پر رحم نہیں ہو سکتا۔میری بات تُو ابا تک نہیں پہنچا سکتی؟''

''تیرا دماغ تو نہیں خراب سیماں؟''بختاں نے یکدم اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''اَب تو تیرا تایا ابا بھی اُسے ناپسند کرنے لگا ہے۔اُس نے خود کہا ہے کہ وہ اس منگنی میں فلک شیر کو نہیں بلائے گا۔اُسے بھی اپنی حویلی کا سکون عزیز ہو گیا ہے۔میں نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس دن بھی کہا تھا کہ آئندہ تیری زبان پر اُس کا ذکر نہ آئے لیکن تو باز نہیں آ رہی ہے۔"

"میں باز نہیں آؤں گی۔ مجھے نصیر پسند نہیں ہے۔ میں فلک شیر کو چاہتی ہوں اور وہ مجھے چاہتا ہے۔ کل کو میں نے کوئی قدم اُٹھا لیا تو پھر نہ کہنا امی۔" سیماں نے صاف کہہ دیا۔

اُس کی بات سن کر بختاں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "کیا قدم اُٹھائے گی تُو۔ گھر سے بھاگ کر ہماری عزت کو مٹی میں ملا دے گی؟"

"اسی لئے تو کہتی ہوں کہ ابا کو بتا کہ میں کیا چاہتی ہوں۔" سیماں نے کہا۔ "تاکہ اس کی نوبت ہی نہ آئے۔"

"جانتی ہے تُو...... یہ بات مردوں تک پہنچ گئی تو کیا طوفان اُٹھ جائے گا۔ کیا قیامت آ جائے گی۔ تیری ٹانگیں تو ٹوٹیں گی ہی' اس بڑھاپے میں میرا سر بھی گردن سے الگ کرا دے گی تُو۔" بختاں نے دانت پیس کر کہا۔ "وہ ہمارا کچھ نہیں لگتا۔ اُسے بھول جا۔ میں پھر تجھے یہی کہتی ہوں۔"

سیماں نے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور سمجھانے کے انداز میں التجا آمیز لہجے میں کہا۔ "ہم غلام ہیں امی۔ اپنے مردوں کے آگے اپنی بات کہنے کا کوئی حق نہیں رکھتی ہیں؟ ہماری تقدیر کا جو وہ فیصلہ کر دیں وہ بالکل ٹھیک ہے اور جو ہم اپنی قسمت کے بارے میں کچھ سوچ لیں وہ غلط ہے۔ ہماری سوچ سے ہمارے مردوں کی توہین ہو جائے گی؟ ہمیں کہنے کا حق کبھی نہیں مل سکتا ہے؟" سیماں کے لہجے میں لاچاری بھی عیاں ہو گئی تھی۔

بختاں نے اُس کی طرف دیکھا اور اپنے آپ کو نرم کرتے ہوئے کہا۔ "میری بچی...... یہ ہماری ریت رواج ہے کہ ہمارے بڑے ہی اپنی اُولادوں کے فیصلے کرتے ہیں۔ وہ اپنی عورتوں کو اس میں بولنے کا حق نہیں دیتے۔"

"کیوں......؟ شاید اسی لئے بغاوت جنم لیتی ہے۔" سیماں نے فوراً کہا۔

"مجھے یہ پتہ نہیں ہے۔ لیکن ماں اور باپ کی عزت کو پیروں تلے دے کر جب کوئی بیٹی اپنی مرضی کرتی ہے تو وہ قیامت کو اس گھر کا دروازہ دکھا کر جاتی ہے۔ ماں

باپ اور خاندان کے بڑے اپنی اُولادوں کے لئے غلط نہیں سوچتے۔ تُو بھی ایسا سوچنا بند کر دے۔ اور پھر میرے سامنے یہ ذکر نہ کرنا۔" بختاں نے کہا۔

بختاں عجیب اُلجھن میں پھنس گئی تھی۔ اُس کی سمجھ میں یہ نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ بات اس کے باپ تک پہنچائے کہ اسے یہیں دبا کر رکھے؟ وہ اپنی حویلی کے مردوں کو جانتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ سب فلک شیر کو پسند نہیں کرتے ہیں۔ اُس کا پڑھ لکھ جانا کسی سے بھی ہضم نہیں ہوا ہے۔ سب نے ہی اپنے اپنے دل میں اُس سے جلن کا ایک ایک انگارہ چھپا کر رکھ لیا ہے۔ اَب تو منظور احمد کو بھی نور بانو نے مجبور کر دیا تھا کہ وہ فلک شیر سے دور ہوتا جائے اور ایسا ہونے بھی لگا تھا۔ بھائیوں کی اُولادوں میں بھی کون ہے جو فلک شیر کو پسند کرتا ہے۔ جس کو اُس سے ہمدردی ہے؟ سچ تو یہ ہے کہ فلک شیر اس خاندان سے الگ ہو گیا ہے' اُسے الگ کر دیا گیا ہے۔ وہ اُس پرندے کی طرح بچھڑ گیا ہے جو اُڑان میں اُن سے آگے نکل گیا اور بجائے اس کے کہ وہ سب اُس سے آ ملتے' اُنہوں نے اس اُڑان کو برداشت نہیں کیا اور اپنی اپنی راہیں ہی بدل لیں۔

بختاں اپنی جگہ مجبور تھی اور سیماں کو فلک شیر کے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ پانچ دن کے بعد اس کی منگنی نصیر کے ساتھ تھی اور وہ کسی بھی قیمت پر ایسا نہیں چاہتی تھی۔

❀✪❀

فرزند اور یاور حیات کھلی فضا میں اپنی زمینوں پر چارپائیاں بچھائے براجمان تھے۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی منظور احمد اور دیتو اس جگہ سے اُٹھ کر گئے تھے۔

"پاء منظور بھی اَب فلک شیر کو ناپسند سا کرنے لگا ہے۔ باتوں باتوں میں اُس نے یہ بھی کہہ دیا کہ اباجی کا وہ فیصلہ ٹھیک نہیں تھا کہ سکھاں کے ساتھ اُس کے پتر کو نہیں بھیجا۔ جب جب وہ حویلی کے پاس آیا ہے نور بانو اس کے سامنے ضرور کھڑی ہوئی ہے۔ نہ آنے سے حویلی میں سکون رہتا ہے۔" یاور حیات نے کہا اور حقے کا کش لے کر نے فرزند کی طرف بڑھا دی۔

"اس سے یہ بات تو ثابت ہوتی ہے کہ پاء منظور نے فلک شیر کو ڈاکٹر بنایا نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے وہ بن گیا ہے۔'' فرزند نے کہا۔

''لیکن ابھی کچھ کہا نہیں جاسکتا ہے۔ہوسکتا ہے کہ پاء منظور یہاں بھی ہوشیاری دکھا رہا ہو۔'' یاور حیات نے کہا۔

''ہاں ہوسکتا ہے۔'' فرزند نے بھی اُس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔

''ناصر کے بارے میں پتہ چلا......کیا کیا اُس نے اور کیا ہوگیا اُس کے ساتھ۔'' یاور حیات نے کہا۔

''ہاں پتہ چلا ہے کہ اُس نے حاکم دین کی لڑکی کو چھیڑ دیا تھا اور جواب میں اُس نے ناصر کے منہ پر تھپڑ مار دیا۔'' فرزند نے کہا۔'' حاکم دین کوئی عام آدمی نہیں ہے کہ اس کے ساتھ ٹکر لے لی جائے۔سو کام پڑتا ہے اس کے ساتھ'اس کے پٹواری پتر کے ساتھ اور ناصر نے اس تعلق خراب کرنے کی کوشش کی ہے۔''

یاور حیات نے کہا۔''اور کیا۔اَب جو کام ہو رہا ہے وہ اگر ہونے سے پہلے ہی بگڑ جاتا تو کیا ہوتا۔اچھا کیا پاء منظور نے کہ نرمی سے کام لے کر اس تعلق کو خراب ہونے سے بچا لیا' ورنہ ٹھیک نہ ہوتا۔''

اسی اثنا میں دھول اُڑاتی ہوئی کار وہاں سے گزری۔اس کار کو اُن کا بوڑھا ڈرائیور چلا رہا تھا اور کار کی پچھلی سیٹ پر راحیلہ اپنے دھیان براجمان تھی۔فرزند نے اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔

''ہم میں لڑکیوں کو پڑھانے کا رواج تو نہیں تھا پرَ تُو نے راحیلہ کو کالج میں داخلہ لینے کی اجازت دے کر اس رواج کو توڑ دیا ہے۔''

یاور حیات اس کی بات سن کر ہولے سے مسکرایا اور بولا۔''راحیلہ میری لاڈلی دھی ہے۔اِس کی کسی بات کو انکار کی تلوار سے کاٹنے کا میرا من ہی نہیں کرتا۔اس لئے اسے اجازت دے دی۔میں نے اسے کہہ دیا ہوا ہے کہ بارہ جماعتیں پڑھ کر پھر کالج جانے کا نام نہیں لینا ہے۔''

''چل ٹھیک ہے۔'' فرزند نے بھی کہا اور مسکرا دیا۔

❀✪❀

فرزند نے کار میں اپنے دھیان بیٹھی ہوئی راحیلہ کو تو دیکھ لیا تھا لیکن اُس کی نگاہ دور موٹر سائیکل پر سوار اُس نوجوان پر نہیں گئی تھی جس کا نام گلزار خان تھا۔اور اُس نے اپنی موٹر سائیکل ایک طرف روک لی تھی۔اُس نے جینز کے ساتھ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔اُس کا تعلق ساتھ والے گاؤں کے ایک گھرانے سے تھا۔اس گھرانے میں بہت سے افراد پڑھے لکھے تھے۔اُن کی لڑکیاں بھی تعلیم یافتہ تھیں۔اور نوجوان نسل اپنے گاؤں میں زمینوں پر کام کرنے کی بجائے شہروں میں سرکاری نوکریوں پر فائز تھی۔اُن کے بڑوں نے بھی یہ نہیں چاہا تھا کہ اُن کی اولاد اس گاؤں کی ہی ہو کر رہ جائے۔وہ خود اپنا اثر ورسوخ بڑھانے کے لئے ایسا ہی چاہتے تھے۔کیونکہ وہ بھی ایک بڑا خاندان تھا۔ہر جگہ اُن کے تعلقات تھے۔اور اُن کی اپنی ہی ایک سوچ تھی۔اُن کی اُولادیں شہروں میں بھی آباد ہوگئی تھیں اور گاؤں سے بھی اُن کا ناطہ نہیں ٹوٹا تھا۔

گلزار خان اُس خاندان کا چشم و چراغ تھا۔جو کالج میں پڑھتا تھا اور وہ کبھی شہر اپنے بھائیوں کے ساتھ ہوتا تھا تو کبھی گاؤں اپنے بڑوں کے پاس آجاتا تھا۔راحیلہ سے اس کی جان پہچان کالج کے ابتدائی دنوں میں ہی ہوگئی تھی اور اَب دونوں ایک دوسرے کو پسند کرنے لگے تھے۔ایک دوسرے کی محبت کے اسیر ہوچکے تھے۔کالج سے نکل کر دونوں اکثر و بیشتر ایک دوسرے سے ملتے تھے'گھومتے تھے'اور کھاتے پیتے تھے۔جس کا راحیلہ کے خاندان کے کسی فرد کو بھی علم نہیں تھا۔اور اگر ہو جاتا تو شاید راحیلہ پھر کبھی کالج کا منہ نہ دیکھتی۔اور اس گاؤں میں مقید ہو کر رہ جاتی۔

آج گلزار نے راحیلہ سے اُس کا گاؤں دیکھنے کی خواہش ظاہر کی تھی۔راحیلہ نے فوراً منع کر دیا تھا کہ وہ اس کے گاؤں میں نہ آئے۔لیکن گلزار نے ضد کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اُس کے ساتھ ہی جائے گا۔راحیلہ کے منع کرنے کے باوجود وہ اپنی موٹر سائیکل پر اُس کے پیچھے ہی اُس کے گاؤں پہنچ گیا تھا۔اس کار کے پیچھے گلزار کو آتا دیکھ کر راحیلہ کو پریشانی ہو رہی تھی۔وہ ڈر رہی تھی۔ایک جگہ راحیلہ نے بہانے سے گردن گھما کر اپنے عقب میں گلزار کو اپنے پیچھے آتا ہوا دیکھا تو ایک عجیب سا خوف اس کے جسم میں سرایت کر گیا تھا۔اُس نے جلدی سے ایک کاغذ پر کچھ لکھا اور۔اور اس کا گولا سا بنا کر ڈرائیور کو محسوس کرائے بغیر کار سے باہر پھینک دیا۔گلزار نے دیکھ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

لیا تھا کہ اس نے ایک کاغذ کا گولہ باہر پھینکا ہے جو سڑک پر گرا نظر آ رہا تھا۔گلزار نے اپنی موٹر سائیکل کی رفتار آہستہ کر لی تھی اور اُس کاغذ کے گولے کے پاس جا کر اُس نے موٹر سائیکل روک دی۔راحیلہ کی کار سڑک کا موڑ مڑ چکی تھی۔

گلزار نے دور تک اپنی نظر دوڑا کر گاؤں کا جائزہ لیا۔اس سڑک کے دائیں بائیں اونچے نیچے درخت دور تک کھڑے تھے لگتا تھا کہ ان درختوں نے اس سڑک کو اپنے حصار میں لیا ہوا ہے۔وہ اپنے آپ سے بولا۔"بیوٹی فل......گاؤں تو اچھا ہے۔یہاں اگر کسی سے دوستی ہو جائے تو اس جگہ آنے کا بہت اچھا بہانہ بن سکتا ہے۔لیکن کون کرے گا مجھ سے دوستی اور کیوں کرے گا۔"اُس نے اپنے آپ کو کہتے ہوئے موٹر سائیکل سے اُتر کا وہ کاغذ کا گولا اُٹھایا اور اُسے کھول کر پڑھا۔

راحیلہ نے جلدی اور ٹیڑھے میڑھے انداز میں لکھا تھا۔"پلیز یہاں سے ہی چلے جاؤ۔کل ملیں گے۔"

تحریر پڑھ کر گلزار مسکرا دیا۔اور پھر اپنے آپ سے بولا۔"ڈرتی ہے۔میں تو خود اسی جگہ سے واپس چلا جانا چاہتا ہوں۔تمہارا گاؤں دیکھنا تھا دیکھ لیا۔"

گلزار نے کاغذ کو اپنی مٹھی میں لے کر پھر ایک گولا سا بنایا اور اُسے اپنی جیب میں ڈال کر جونہی وہ موٹر سائیکل کی طرف مڑا وہ ٹھٹک گیا۔

ایک درخت کے ساتھ علی گوہر لگا کھڑا تھا اور اُس کی نگاہیں اُس پر مرکوز تھیں۔

علی گوہر نے یہ بھی دیکھ لیا تھا جب راحیلہ نے کاغذ کا وہ گولہ کار سے باہر پھینکا تھا'اور اس کاغذ کو جب اُس نوجوان نے اُٹھا کر پڑھا تھا تو بھی علی گوہر اسی جگہ کھڑا تھا۔گلزار یہ نہیں جانتا تھا کہ اس جگہ سے علی گوہر کی زمین شروع ہوتی ہے۔اور علی گوہر کی عقابی نگاہیں تو ایسی باتوں کو تلاش میں رہتی تھیں۔اور ایسا ہی شکار اُس کی نگاہوں نے آج کر لیا تھا۔یہ بات علی گوہر کے لئے عجیب بھی تھی اور حیرت انگیز بھی تھی۔

"اس گاؤں کے نہیں لگتے ہو دوست۔"علی گوہر نے مسکرا کر پوچھا۔"کس چکر میں اس گاؤں کا چکر لگایا جا رہا ہے؟"

"ہاں......یہاں کا نہیں ہوں۔اور چکر تو میرے پاؤں میں ہے۔گھومتا رہتا ہوں۔"گلزار بھی مسکرایا۔علی گوہر کی مسکراہٹ نے اُسے متاثر کیا تھا۔اور اُسے لگا تھا

کہ وہ دوسروں سے مختلف نوجوان ہے۔

"آؤ بیٹھتے ہیں۔کچھ گپ شپ کرتے ہیں۔ایک دوسرے کو اپنے بارے میں بتاتے ہیں۔شاید ہم میں دوستی ہی ہو جائے۔اور پاؤں کے چکر کا مقصد بھی مل جائے۔کیا خیال ہے؟"علی گوہر نے کہا۔

گلزار تو پہلے ہی یہ چاہتا تھا کہ اس گاؤں میں آنے کا کوئی بہانہ بن جائے۔اور پھر یہ کہ اس نے یہ کاغذ کار سے گرتا اور پھر گلزار کو اُٹھاتا ہوا بھی دیکھ لیا تھا'اُس کی دانست میں دوستی اور اعتماد کی فضا پیدا کرنا کچھ لازمی سا ہو گیا تھا۔علی گوہر کا دوستانہ لہجہ بھی متاثر کن تھا۔

"ہاں کیوں نہیں۔ہم تو دوستوں کے دوست اور دشمنوں کے دشمن ہیں۔"گلزار نے کہا اور اپنی موٹر سائیکل کو پکڑ کر ساتھ لانے کے لئے جونہی بڑھا'علی گوہر نے اُسے روک دیا اور اپنے ایک آدمی کو آواز دے کر کہا کہ وہ اس کی موٹر سائیکل لے کر آئے۔علی گوہر اور گلزار ایک ساتھ اُس طرف چل پڑے جہاں بیٹھنے کی جگہ بنی ہوئی تھی۔

دونوں اس ڈیرے کے اندر چلے گئے تھے جہاں جگو پہلے سے ایک چارپائی پر لیٹا ہوا تھا۔علی گوہر نے اُسے اُٹھا کر لسی پانی لینے کے لئے بھیج دیا اور دونوں بیٹھ گئے۔

"میرا نام علی گوہر ہے۔اس گاؤں میں رہتا ہوں اور یہ تھوڑی سی زمین اور یہ بیٹھنے کی بنائی ہوئی جگہ ہماری ہے۔"علی گوہر نے بتایا۔

"میرا نام گلزار خان ہے۔ساتھ والے گاؤں فتح پور کا رہنے والا ہوں۔فتح محمد میرے دادا کا نام تھا۔"اُس نے بھی اپنا تعارف کرایا۔

"ایک بار میں گیا ہوں فتح پور۔اچھا گاؤں ہے۔"علی گوہر نے کہا۔"ویسے میں تمہارے گاؤں ایک گھوڑی دیکھنے کے لئے گیا تھا۔اُس گھوڑی کو میں خریدنا چاہتا تھا لیکن بات بنی نہیں۔"علی گوہر نے اچانک معنی خیز انداز میں اس کی طرف دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔"ویسے تمہارا چکر یہاں کسی گھوڑی کو خریدنے کا تو نہیں لگتا ہے۔چکر کچھ تو سمجھ میں آ گیا ہے'باقی تم سمجھانا چاہو تو اور بھی سمجھ میں آ جائے گا'ہو سکتا ہے کہ مجھے تمہاری مدد کرنے کا موقع مل جائے۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گلزار نے علی گوہر کی طرف دیکھا اور وہ مسکرایا۔ ''تم نے دوستی ہوجانے کی بات کی تھی۔''

''ہاں...... مجھ سے اچھی دوستی شاید ہی کوئی نبھاتا ہو۔'' علی گوہر نے پُر یقین لہجے میں کہا۔

''اور دشمنی؟'' گلزار نے پوچھا۔

''دشمنی کی چوکھٹ پر آکر میں اپنی شکست تسلیم کر لینے والا بندا ہوں۔ انسان کو وہی کام کرنا چاہئے جو اُسے آتا ہو۔ اس لئے دوستی کے پیڑ کے نیچے ہی رہتا ہوں۔'' علی گوہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

گلزار نے اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ ''پہلی ہی ملاقات میں تم اچھے لگے ہو۔ تم سے مل کر دوستی کرنے کو خود بخود دل چاہنے لگا ہے۔ مجھے بھی تم بہترین دوست پاؤ گے۔ کیسا حسین اتفاق ہے کہ تمہارے گاؤں میں قدم رکھا اور تم جیسا دوست مل گیا۔''

علی گوہر نے اُس کا ہاتھ تھام لیا۔ اور کہا۔ ''دوست ہی نہیں' رازداں بھی ہوں۔ مجھے تم اپنی سوچ سے بھی کہیں زیادہ آگے پاؤ گے۔''

علی گوہر کا یہ ہی کمال تھا کہ وہ دوست بنانا جانتا تھا۔ باتوں کا گورکھ دھندہ اُسے آتا تھا۔ دونوں کے درمیان دوستی ہوگئی تھی اور کچھ ہی دیر میں گلزار نے اپنے اور راحیلہ کے تعلق کو اس کے آگے کھول دیا۔ گلزار کے لئے اَب اس تعلق پر پردہ ڈالنا مشکل تھا۔ علی گوہر دل ہی دل میں بہت خوش تھا۔ لگتا تھا جیسے اُس کے دل میں سلگتے انگاروں کو ہوا مل گئی ہے اور وہ مزید سرخ ہوگئے ہیں۔

❁ ✪ ❁

روبی کی شادی کو چار دن ہوئے تھے اور وہ منہ بسورتی ہوئی نیلم کے پاس آ گئی۔ اس وقت نیلم اپنے گھر کے ٹیرس پر کھڑی تھی۔ وہ روبی کو یوں اچانک اور اُترے ہوئے چہرے کے ساتھ دیکھ کر متحیر رہ گئی تھی۔ روبی نے میک اَپ بھی نہیں کیا ہوا تھا۔ اُس نے اپنے کندھے پر اپنا ہینڈ بیگ لٹکایا ہوا تھا۔ اُس کی آنکھیں سرخ تھیں لگتا تھا

جیسے وہ رات بھر سوئی نہیں ہے۔ نیلم نے اُس کا جائزہ لیا۔ اُسے دیکھ کر لگتا تھا جیسے وہ آفس کے لئے گھر سے نکلی تھی اور سیدھی اس کے پاس آ گئی ہے۔

''کیا ہوا۔ خیریت تو ہے؟'' نیلم نے پوچھا۔

''ایم سوری میں اس وقت تمہارے گھر آ گئی۔'' روبی نے افسردہ سے لہجے میں کہا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے تم کسی بھی وقت میرے گھر آ سکتی ہو لیکن یہ بتاؤ بات کیا ہے۔ تمہارا چہرہ اُداس اور مرجھایا ہوا ہے۔ اور تمہاری آنکھیں بھی سرخ ہیں جیسے تم ساری رات جاگتی رہی ہو۔'' نیلم نے اُس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''صرف جاگتی ہی نہیں رہی' میں روتی بھی رہی ہوں۔'' روبی نے کہا۔ ''ساری رات روتی رہی ہوں۔''

''کیوں...... نوازش سے لڑائی ہوگئی ہے کیا؟'' نیلم نے فوراً پوچھا۔

''تم ٹھیک کہتی تھی کہ وہ میرے قابل نہیں ہے۔ تمہاری اس کے بارے میں رائے بالکل ٹھیک تھی۔ وہ واقعی اس قابل نہیں ہے۔ شادی کے تیسرے دن ہی اُس نے اپنی اوقات میرے سامنے کھول کر رکھ دی۔'' روبی جو کہ ایک مضبوط اعصاب کی لڑکی تھی' کہتے ہوئے پھر سے رو دی۔

''تم میرے کمرے میں آؤ۔ وہاں بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔ اور یہ رونا دھونا بند کر دو۔'' نیلم نے اُسے حوصلہ دیا اور ساتھ لے کر اپنے کمرے میں آ گئی۔ پہلے اُس نے روبی کو کرسی پر بیٹھایا' ایک گلاس پانی کا دیا۔ روبی نے دو گھونٹ پانی کے لینے کے بعد گلاس ایک طرف رکھا اور بولی۔

''نوازش کہیں کوئی جاب نہیں کرتا۔ وہ اپنے دوست کے ساتھ مل کر جواء کراتا ہے' یہ ہی اس کا روزگار ہے۔''

''تجھے اُس نے خود بتایا کیا؟''

''ہاں...... وہ بھی ایسے کہ جہاں وہ یہ کام کراتے ہیں وہاں پولیس چھاپا مارنے والی تھی یا کوئی اور گڑ بڑ تھی۔ اُنہیں بروقت پتہ چل گیا۔ اور نوازش سب لوگوں کو رات کے وقت اپنے گھر میں لے آیا اور وہاں وہ اُن سب کو جواء کھلاتا رہا۔ میرے پوچھنے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پر اُس نے صاف بتادیا کہ وہ یہ ہی کام کرتا ہے۔کل تک معاملہ ٹھیک ہوجائے گا'یہ آج کی رات ہے۔میں اُس کے ساتھ لڑی' جھگڑی' لیکن اُس نے میری کوئی پروا نہیں کی ہے اور مجھے سختی سے چپ کرادیا۔ بلکہ مجھے مارنے کے لئے ہاتھ بھی اُٹھایا'اور کہا کہ میں اپنی جاب کبھی نہیں چھوڑوں گی۔ میں بھی جو کماؤں گی اُسے دوں گی۔''

''وہ تو میری سوچ سے بھی کہیں زیادہ کمینہ نکلا۔''نیلم بڑبڑائی۔

روبی نے پھر کہا۔''میں ساری رات سٹور میں جاگتی رہی اور روتی رہی کہ میرے گھر میں کیا ہورہا ہے۔دن نکلنے سے پہلے سب ایک ایک کرکے چلے گئے۔نوازش کمرے میں بند ہوکر سوگیا اور میں آفس جانے سے پہلے تمہارے پاس آگئی۔میرا دل بھرا ہوا تھا اور میں چاہتی تھی کہ اس بات کو کسی کے آگے بیان کردوں یا پھر اپنا سر دیوار کے ساتھ پھوڑ دوں۔''روبی کہہ کر رونے لگی۔نیلم اس کے پاس چپ ہوکر بیٹھ گئی۔وہ کچھ دیر تک اُسے رونے دینا چاہتی تھی تاکہ غبار باہر نکل آئے۔جب وہ چپ ہوئی تو وہ بولی۔

''روبی......جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا ہے۔لیکن تجھے سب ہی کہتے تھے کہ نوازش کا پیچھا چھوڑ دو۔وہ تمہارا کزن ہے۔لیکن تم نے کسی کی بھی نہیں مانی۔''

''شادی کے تیسرے دن یہ پچھتاوہ کسی سانپ کی طرح میرے سینے پر کنڈلی مارے بیٹھ گیا ہے۔''روبی نے کہا۔''میں نے ایک فیصلہ کیا ہے۔''

''کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''آج میں صاف لفظوں میں نوازش سے کہہ دوں گی کہ وہ اپنے اس کام سے باز آجائے ورنہ......''روبی نے کہا۔

''ورنہ کیا کرے گی؟''نیلم نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

''ورنہ میرا اُس کے ساتھ گزارہ مشکل ہے۔''روبی نے دوٹوک کہہ دیا۔

''تم ابھی اتنی جلدی یہ فیصلہ مت کرو۔اُسے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کرو۔شاید اس کی سمجھ میں بات آجائے۔''نیلم نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میں جان چکی ہوں کہ وہ سمجھنے والوں میں سے نہیں ہے۔''روبی نے کہا۔''وہ اچھا انسان نہیں ہے۔''

''ایسا مت کہو'اور کسی بھی جذباتی قدم کو اُٹھانے سے پہلے اپنی عقل استعمال ضرور کرلینا۔شاید وہ تمہارے نرمی سے بات کرنے سے سمجھ جائے اور وہ اس کام سے باز آجائے۔بگڑے ہوئے سلجھ بھی تو جاتے ہیں۔اس لئے ایک کوشش کرکے دیکھو پھر آگے سوچیں گے۔''نیلم نے کہا اور روبی چپ ہوگئی۔

❀✪❀

علی گوہر اچانک شہر چلا گیا تھا۔شام کے سائے رفتہ رفتہ دن کے اُجالے کو معدوم کررہے تھے۔وہ اپنی جیپ خود ہی چلاتا ہوا گاؤں کے میں داخل ہوا تو اُس کی نگاہ سیماں پر پڑی جو اس وقت اپنی ماں بختاں کے ساتھ پیدل اپنی حویلی کی طرف جارہی تھیں۔دونوں گاؤں کے اکلوتے ڈاکٹر کے گھر سے آرہی تھیں۔ڈاکٹر کی بیٹی کی سیماں کے ساتھ دوستی تھی اور اُس کی چند روز کے بعد شادی تھی۔سیماں اپنی سہیلی کے بلانے پر اپنی ماں کے ساتھ اُس کے گھر گئی تھی۔پیدل جانے کی خواہش سیماں نے خود کی تھی۔شاید اُس کی اُداسی ختم نہیں ہوئی تھی اور وہ اس بہانے حویلی سے باہر نکلی تھی۔

علی گوہر نے دائیں بائیں دیکھا'وہ کئی دنوں سے سیماں کے ساتھ بات کرنا چاہتا تھا لیکن اُسے موقعہ نہیں مل رہا تھا۔اَب اچانک اُسے سیماں دکھائی دی تو اُس کے ساتھ اس کی ماں بھی تھی۔علی گوہر نے اپنی جیپ کی رفتار بہت ہی دھیمی کردی تھی۔اُن کی حویلی بھی اس جگہ سے دور نہیں تھی کہ علی گوہر بہانے سے اُنہیں اپنی جیپ میں بیٹھا لیتا'سامنے اُن کی حویلی کی بلندی دکھائی دے رہی تھی۔

اچانک علی گوہر نے جیپ کی رفتار بڑھائی اور اُن کے برابر میں لاکر بختاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔''السلام علیکم......چاچی......؟''

''وعلیکم السلام علی گوہر کیا حال ہے تیرا؟''بختاں رک گئی۔علی گوہر جیپ سے باہر نکل آیا اور بولا۔

''تیری دُعا ہے چاچی۔آؤ میری جیپ میں بیٹھ جاؤ تمیں چھوڑ دیتا ہوں۔''

''نہیں یہ سامنے تو حویلی ہے۔''بختاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”پتہ نہیں کیوں چاچی جب بھی تجھے دیکھتا ہوں اپنی ماں کا چہرہ سامنے آجاتا ہے۔کچھ تو ہے جو میری ماں سے ملتا ہے‘تیری آنکھیں‘بال‘ماتھا‘مسکرانے کا انداز یا پھر میری ماں جیسا دل۔“علی گوہر نے ایک تیر چھوڑا۔

”سب مائیں ایک سی ہی ہوتی ہیں۔اس لئے ایک طرح کی ہی نظر آتی ہیں۔“بختاں نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تو پھر بیٹھو میری جیپ میں مجھے لگے گا کہ میں نے اپنی ماں کو ہی اپنے ساتھ بٹھایا ہے۔“علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے پیار سے کہا۔

”جانتی ہوں تجھے اپنی ماں سے بہت لاڈ تھا۔چل تیرا دل رکھنے کے لئے بیٹھ جاتی ہوں۔“بختاں سے رہا نہ گیا اور دونوں جیپ میں بیٹھ گئیں۔حویلی زیادہ دور نہیں تھی۔جونہی حویلی آئی۔بختاں نیچے اُتر گئی اور سیماں نے اُترنے کے لئے جیپ کا دروازہ کھولا تو علی گوہر نے دھیمی آواز میں کہا۔

”میں ابھی شہر سے آرہا ہوں۔تمہارے لئے فلک شیر کا میرے پاس پیغام ہے۔جیسے بھی کہیں بھی مجھے ملو۔“

سیماں نے علی گوہر سے یہ بات سنی تو وہ ایک لمحے کے لئے ٹھٹک گئی۔اُس نے علی گوہر کی طرف حیرانی سے دیکھا۔اس کے دل کی دھڑکن فلک شیر کا نام سنتے ہی تیز ہوگئی تھی۔وہ مضطرب ہوگئی تھی۔چاہتی تھی کہ ابھی پوچھ لے لیکن وہ ایسا نہیں کرسکتی تھی۔وہ جیپ سے باہر نکل گئی ۔ یقیناً اس کے پاس فلک شیر کا پیغام ہوگا کیونکہ وہ اُس کا دوست ہے۔سیماں نے سوچا۔حویلی کے اندر جاتے ہوئے سیماں کے دل کی دیواروں پر چراغاں ہوگیا تھا۔اور آنکھوں میں ایسے ستارے ٹمٹما اُٹھے تھے کہ اُسے فلک شیر اپنے دائیں بائیں ہی نظر آنے لگا تھا۔علی گوہر نے گویا یہ بات کہہ کر گھپ اندھیرے میں دیا روشن کردیا تھا۔

علی گوہر تیر نشانے پر لگانے کا ماہر تھا۔اُس نے نشانہ لگا دیا تھا اور اَب وہ یہ جانتا تھا کہ سیماں کے دل کی تڑپ اُس سے ملنے کا راستہ بھی تراش لے گی۔علی گوہر وہاں سے چلا گیا تھا۔سیماں سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔لیکن اُس کی بے چینی اور منتشر دل کی دھڑکنوں نے جیسے اُسے بے حال کردیا تھا۔وہ خود ہی اپنی دانست سے

سوچنے لگی تھی کہ فلک شیر نے کیا کہا ہوگا۔کیا پیغام ہے علی گوہر کے پاس......؟ اور کبھی وہ سوچتی ‘ کیا وہ اپنی باتوں سے فلک شیر کے دل کے بند دروازے کو کھولنے میں کامیاب ہوگئی ہے؟

❁✪❁

رُخسانہ کی شادی کی ڈھولک کے لئے منظور احمد اور اس کے بھائیوں کے گھر والوں کو بھی حاکم دین نے خود اپنی بیوی کے ساتھ اُن کی حویلیوں میں جاکر پیغام دیا تھا۔دراصل حاکم دین اور اُس کا بیٹا بھی منظور احمد سے کسی طرح کا بگاڑ نہیں چاہتا تھا۔اور منظور احمد تو پہلے ہی اس حق میں تھا کہ اُن کی حاکم دین کے خاندان سے بنی رہے۔

رات کو حویلی کی عورتیں‘ رُخسانہ کے گھر جانے کے لئے تیار تھیں۔نور بانو نے پہلے تو جانے کے لئے لیت ولعل سے کام لیا‘ لیکن جب منظور احمد نے کچھ مجبور کیا تو نور بانو بھی جانے کے لئے تیار ہوگئی۔البتہ ناصرا اپنی جگہ پیچ وتاب کھاتا رہا تھا۔

جونہی یہ بات سیماں کے کانوں میں پڑی کہ سب عورتیں رُخسانہ کی ڈھولک پر جارہی ہیں تو جیسے اُسے راستہ مل گیا ہو۔وہ بھی آناً فاناً جانے کے لئے تیار ہوگئی۔

حویلی کی خواتین گاڑیوں میں جب حاکم دین کے گھر پہنچیں تو اُن کا استقبال کیا گیا‘اور اُنہیں عزت واحترام سے بٹھایا گیا۔رُخسانہ بھی سب کے ساتھ ملی۔نور بانو نے بھی اُس سے ملتے ہوئے ایسا اظہار نہیں کیا کہ اُسے اس پر کوئی ملال یا غصہ ہے۔بڑے لوگوں میں یہ بات ہوتی ہے کہ وہ اپنی رقابت اور دشمنی کو بناوٹی مسکراہٹوں میں چھپا کر ملتے ہیں‘ کیونکہ وہ کوئی تعلق نہیں نبھا رہے ہوتے بلکہ اپنے مفاد کو تحفظ دے رہے ہوتے ہیں۔ایسا ہی دونوں خاندانوں میں بھی تھا۔

علی گوہر کے گھر والے بھی رُخسانہ کے گھر گئے ہوئے تھے۔ڈھولک کی تھاپ پر گیت گائے جارہے تھے‘تالیوں کی آواز دور تک سنائی دے رہی تھی۔علی گوہر اپنے گھر کے صحن میں کرسی پر بیٹھا تھا۔اُس نے اپنے گھر کا دروازہ کھولا ہوا تھا۔لگتا تھا جیسے اُسے کسی کی اچانک آمد کا انتظار ہے۔اُس کا رُخ دروازے کی طرف تھا۔اور وہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتظار سیماں کے نمودار ہونے پر معدوم ہوا۔سیماں نے پہلے جھانک کر اندر دیکھا۔جیسے ہی اُس کی نگاہ علی گوہر پر پڑی وہ دو قدم چل کر دروازے پر ہی کھڑی ہوگئی۔

ڈھولک جب عروج پر تھی۔ایک گہما گہمی کا سماں تھا۔قہقہوں کی پھلجڑیاں ایک دوسرے سے بے نیاز کئے ہوئے تھیں تو سیماں چپکے سے اُٹھ کر علی گوہر کے پاس آ گئی تھی۔

''مجھے تمہارا ہی انتظار تھا۔اندر آ جاؤ گھر میں کیا اس گلی میں کوئی نہیں ہے۔سب حاکم دین کے گھر میں ہیں۔''

''تم مجھے کچھ بتانا چاہتے تھے۔''مضطرب سیماں نے آتے ہی سوال کیا۔

''ہاں اسی لئے تو تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔جو ذمہ داری لی ہے وہ نبھانے کے لئے موجود ہوں۔دوستی بھی عجیب رشتہ ہے۔جیسے سمندر کا نیلا پانی ہو۔کنارے پر کھڑے رہو تو مطلب کی دوستی 'پانی میں اُترو تو امتحان۔''علی گوہر نے مسکراتے ہوئے کہا۔وہ اپنی جگہ بیٹھا تھا۔اور اُس کی نگاہیں سیماں پر مرکوز تھیں۔''لیکن مجھے فلک شیر کے ساتھ ہر قیمت پر دوستی نبھانی ہے۔''

''مجھے جلدی بتاؤ کہ فلک شیر نے کیا پیغام بھیجا ہے۔''سیماں کے لہجے میں بے قراری تھی۔

''جاننے کی جلدی ہے۔''وہ پھر مسکرایا۔

''میں ڈر رہی ہوں۔بڑی مشکل سے آئی ہوں۔کوئی بھی آ سکتا ہے۔''سیماں کی آواز میں گھبراہٹ تھی۔''میں جلدی واپس چلی جانا چاہتی ہوں۔''

''میں یہ ذمہ داری لینا نہیں چاہتا تھا۔لیکن فلک شیر نے مجھے واسطہ دیا کہ میں تجھے ملوں۔مجھے ڈر ہے کہ اگر میرا نام آ گیا تو میں تم دونوں کے عشق میں مفت میں مارا جاؤں گا۔''علی گوہر نے کہا۔سیماں اس کی طرف دیکھ رہی تھی اور جاننے کے لئے بے چین تھی۔وہ پھر بولا۔''میں کل شہر گیا تھا تو اُس نے مجھے خصوصی طور پر اپنے پاس بلایا تھا۔وہ تمہیں بہت چاہتا ہے۔''

''وہ مجھے چاہتا ہے؟''اُس نے جلدی سے پوچھا۔

''کیا وہ تجھے نہیں چاہتا؟''علی گوہر نے اُلٹا سوال کر دیا۔

''میرا مطلب ہے کہ اس نے کیا کہا ہے۔''سیماں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''وہ تو اُس دن بھی تمہیں بہت کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن ڈرتا تھا کہ وہ کیسے کہے۔اس کا کون ہے؟وہ تو اپنے باپ کی حویلی میں نہیں جا سکتا ہے۔اس لئے وہ تم کو دور رہنے کا ہی کہتا رہا۔''علی گوہر نے کہا۔

''وہ مجھے کہتا تو سہی ......میں ہوں ناں اُس کے ساتھ۔''سیماں بے اختیاری سے بولی۔

''ساری رات جاگ کر جب وہ کسی فیصلے پر پہنچا تو سویرے ہی اُسے سکندر نے بے عزت کر کے اُس حویلی سے چلے جانے پر مجبور کر دیا۔''علی گوہر نے متانت سے کہا۔

''سکندر نے کچھ کہا تھا اُسے؟''سیماں نے متحیر نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔یہ انکشاف اس کے لئے حیران کن تھا۔

''ہاں......ورنہ شاید وہ اُس دن تمہیں بتا دیتا کہ وہ خود تجھے کتنا چاہتا ہے۔وہ کب سے تمہارے لئے محبت کا پھول اپنے دل میں چھپائے بیٹھا ہے۔''علی گوہر نے کہا۔''سکندر کے رویے نے اُس کے اندر کی تڑپ اُس کے اندر ہی رہنے دی اور وہ اپنے دل کی بات اپنے دل ہی میں لے کر چلا گیا۔''

سیماں اُسے ششدر نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔''تبھی وہ اتنی سویرے اچانک چلا گیا تھا؟''

''ہاں......لیکن محبت ایک سمندر ہے جو دل کی قید میں زیادہ دن نہیں رہ سکتا ہے۔ایک آگ ہے جس کے شعلے خاموشی کو جلا دیتے ہیں۔اس لئے مجبور ہو کر اُس نے مجھ سے ہر بات کی۔ایک میں ہی تو اس کا دوست ہوں۔وہ اپنی دنیا بسانا چاہتا ہے۔تمہارے ساتھ۔''علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میرے ساتھ......''سیماں مسرت کی پنکھڑیوں کو کھلتے ہوئے اپنے دل پر خود بھی محسوس کرتی ہوئی بولی۔علی گوہر ایسا ہی چاہتا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ہاں۔اَب تمہارے پاس دوراستے ہیں۔ایک یہ کہ تم اپنے ماں باپ سے بات کرو۔جبکہ میری نظر میں اُن سے بات کرنا فضول ہے۔پتھر سے سر پھوڑنے کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔اور دوسرا راستہ یہ ہی ہے کہ تم اگر اُس کے لئے اپنا سب کچھ چھوڑ سکتی ہو تو یہاں سے اُس کے پاس چلی جاؤ۔" علی گوہر نے اُکساتے ہوئے کہا۔وہ بڑے مشاق انداز میں اُسے اپنی چال کے گرداب میں لا رہا تھا۔

"پہلا راستہ تو بند ہے۔" سیماں نے تھرتھراتے ہونٹوں سے کہا۔

"تو پھر دوسرا راستہ چُن لو۔وہی ایک راستہ ہے جو تمہارے سامنے ہے۔وہ اکیلا ہے۔اور تمہاری راہ دیکھ رہا ہے۔تم جانے کے لئے تیار ہو تو میں اُسے فون کر دیتا ہوں۔وہ اپنا ڈرائیور بھیج دے گا اور تم اُس کے ساتھ شہر چلی جانا۔" علی گوہر نے جلدی سے کہا۔

"میں اُس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی۔میں نے دن اور رات اسی کو چاہا ہے۔میں ہر قربانی دینے کے لئے تیار ہوں۔اپنا گھر اپنا خاندان سب کچھ اُس کے لئے چھوڑ دینے کو تیار ہوں۔" سیماں نے فوراً بولی۔

"اگر تم تیار ہو تو کل رات آٹھ بجے وہ سفید کار بھیجے گا۔جو کہ بڑے بوہڑ کے پاس رکے گی۔تم اُس کے ساتھ چلی جانا۔فلک شیر تمہارے انتظار میں ہوگا اور پھر ایک نئی دنیا بسا لینا۔" علی گوہر بولا۔

سیماں اُس کی بات سن کر ایک لمحے کے لئے سوچ میں پڑ گئی۔یکدم خوف اور ڈر اس کے چہرے سے عیاں ہونے لگا تھا۔علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔"ڈرتی ہو؟خوف آرہا ہے کہ حویلی سے جائے گی تو کیا ہوگا۔یہ مار دیں گے تجھے......ایسا کچھ نہیں ہوگا۔فلک شیر سب انتظام کئے بیٹھا ہے۔اُسے اَب تیرا ہی انتظار ہے۔ورنہ میں اُسے کہہ دیتا ہوں کہ تم اس کے لئے کچھ نہیں چھوڑنا چاہتی ہو۔"

"میں اس کے لئے اپنی جان بھی دینے کے لئے تیار ہوں۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"تو پھر کل رات آٹھ بجے جانے کے لئے تیار ہو؟" علی گوہر نے پوچھا۔

"ہاں تیار ہوں۔" سیماں نے یکدم ہر خوف کی چادر ہٹا کر کہا۔

ٹھیک ہے میں اُسے کہہ دیتا ہوں۔لیکن یاد رکھنا اُسے کوئی دھوکہ نہ دینا ورنہ وہ مر

جائے گا۔اور مجھ غریب کا نام کہیں مت لینا ورنہ تم دونوں کا ساتھ دینے کی سزا جو مجھے ملے گی میں وہ برداشت نہیں کر سکوں گا۔" علی گوہر نے کہتے ہوئے اپنے ہاتھ اُس کے آگے جوڑ دیئے۔

"سیماں ساری دنیا کو دھوکہ دے سکتی ہے لیکن فلک شیر کے ساتھ وہ ایسا نہیں کر سکتی ہے۔اور تمہارا نام بھی نہیں آئے گا۔میں کل رات بڑے بوہڑ کے پاس پہنچ جاؤں گی۔" سیماں نے مصمم ارادے سے کہا۔

"ٹھیک ہے اَب تم جاؤ۔" علی گوہر نے کہا اور سیماں تیزی سے باہر نکل گئی۔علی گوہر نے سیماں کو اپنی چال کے حصار میں قید کر لیا تھا۔

گلی میں کوئی نہیں تھا۔حاکم دین کے گھر کا صحن ہی اتنا کشادہ تھا کہ وہاں ایک ساتھ کئی مہمان بیٹھ سکتے تھے اس لئے سب اسی جگہ تھے۔کوئی بھی باہر نہیں تھا۔گلی کی تمام خواتین بھی اس وقت حاکم دین کے گھر میں ہی تھیں اس لئے کسی نے بھی یہ نہیں دیکھا کہ سیماں کی ملاقات علی گوہر سے بھی ہوئی ہے۔اور علی گوہر نے جہاں میر تاج کے بیٹے کی رسوائی کا سامان کیا تھا وہاں اُس نے اپنے دوست فلک شیر کو بھی قربانی کا بکرا بنا دیا تھا۔جبکہ فلک شیر اس ساری بات سے لاعلم تھا۔

علی گوہر شہر گیا تھا لیکن دوسرے کاموں کے ساتھ وہ اپنے دوست کے پاس بھی گیا تھا۔جس کا رینٹ اے کار کا بزنس تھا۔وہ اُسے بول کر آیا تھا کہ شاید ایک آدھ دن میں اُسے کار کی ضرورت پڑے۔اس کے گاؤں سے ایک لڑکی کو شہر لانا ہے۔وہ شہر کے ایک اخبار میں کام کرتی ہے اور گاؤں میں رہ کر کوئی تحقیقی کام کر رہی ہے۔اس کا کام ختم ہونے والا ہے۔اور واپسی کے لئے کار کا انتظام کرنے کا کام مجھے سونپا گیا ہے۔

اس کے دوست کو اس سے کوئی سروکار نہیں تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے کہ سچ......اُسے اپنے کرائے سے مطلب تھا'اس لئے اُس نے کہا تھا کہ جیسے ہی اس کا فون آئے گا'وہ کار بھیج دے گا۔کار کہاں کھڑی کرنی ہے یہ بھی علی گوہر نے سمجھا دیا تھا۔

دراصل اس جگہ ایک بہت بڑا بوہڑ کا درخت تھا۔اس کے ساتھ ہی بہت سال

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پہلے ایک ڈسپنسری بنی تھی جو کہ سیاست کا شکار ہو کر ویران ہو چکی تھی۔ وہ جگہ کچھ الگ تھلگ تھی‘ لیکن گاؤں کی طرف آنے والی سڑک کے پاس ہی تھی‘ اور یاور حیات کی حویلی سے سیدھا راستہ اس طرف آتا تھا۔ علی گوہر نے بڑی سوچ سے اس جگہ کا انتخاب کیا تھا تاکہ سیماں آسانی کے ساتھ یہاں پہنچ سکے۔

علی گوہر نے میر تاج کے خلاف ایک اور چال کھیل دی تھی۔ جو انگاروں بھری تھی۔

❋

ناصر کے چہرے پر غصہ تھا۔ اس خیال نے اُسے مضطرب کیا ہوا تھا کہ جس لڑکی نے اُس کے منہ پر تھپڑ مارا تھا‘ اس کی شادی کی ڈھولک پر اس کے خاندان کی خواتین بن سج کر گئی ہوئی تھیں۔ اُس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ ابھی جائے اور رُخسانہ کے سر پر گولی مار کر وہاں ایسا کہرام برپا کر دے کہ وہ اپنا انتقام بھی لے لے اور اس کا غصہ بھی ٹھنڈا ہو جائے۔

ناصر اپنے کمرے سے باہر نکل آیا اور حویلی سے باہر جانے کے لئے جیسے ہی وہ بیرونی حصے میں آیا وہاں بیٹھے ہوئے منظور احمد نے دیتو کو کہہ کر اُسے رکوالیا۔ اس وقت منظور احمد اپنے دوستوں اور بھائیوں کے ساتھ محفل جمائے بیٹھا تھا۔ منظور احمد نے اپنی جگہ بیٹھے ہوئے ہی ناصر کے تیور دیکھ لئے تھے۔ وہ رُخسانہ کو مارنے کے ارادے سے باہر تو نہیں جا رہا تھا لیکن اُس کے تیور خطرناک دکھائی دے رہے تھے۔ منظور احمد اُس کے پاس چلا گیا۔ اور الگ لے جا کر بولا۔

”کہاں جا رہے ہو؟“

”ایسے ہی باہر جا رہا ہوں۔“ ناصر نے خشک لہجے میں جواب دیا۔

”ایک بات یاد رکھنا مجھے کوئی گڑ بڑ نہیں چاہئے۔“ منظور احمد نے اُسے خبردار کرنے کے لہجے میں کہا۔

”مجھے گڑ بڑ کرنے کی کیا ضرورت ہے۔“ ناصر نے باپ کی طرف دیکھے بغیر جواب دیا۔

منظور احمد پھر بولا۔ ”ہم ایک گاؤں کی لمبی چوڑی لاوارث زمین کو اپنے نام

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کرانے کے چکر میں ہیں۔اور اُس کے لئے حاکم دین کا پتر ہمارے لئے کام کر رہا ہے۔ہم نے بہت سا پیسہ خرچ کیا ہے۔اور بات آخری موڑ پر ہے۔تمہارے کسی بھی جذباتی قدم سے ہمارا سارا کھیل بگڑ جائے گا جو کہ میں برداشت نہیں کروں گا۔"

ناصر نے باپ کی طرف دیکھا اور کہا۔"آپ کو اپنی زمین اور پیسہ پیارا ہے۔یہ احساس نہیں ہے کہ اُس لڑکی نے میرے منہ پر جو بلا وجہ تھپڑ مارا ہے اُس سے میری کتنی بے عزتی ہوئی ہے۔"

"بلا وجہ کوئی کسی کو تھپڑ نہیں مار دیا کرتا۔"

"تو ٹھیک ہے'میں بھی اگر کوئی قدم اُٹھاؤں گا تو وہ بلا وجہ نہیں ہوگا۔پھر آپ کے ہاتھ سے کیا جاتا ہے اس سے مجھے کوئی سروکار نہیں ہوگا۔"ناصر نے لاپروائی سے کہا۔

منظور احمد کو غصہ آ گیا۔"تم باپ کا مقابلہ کرنے لگے ہو۔بھول گئے ہو کہ میں تمہارا باپ ہوں۔اور تم باپ کے سامنے کھڑے ہو۔"

"آپ بھی تو کسی کی زمین کو ناجائز اپنے قبضے میں لینے کے لئے پُتر کو بھول گئے ہیں۔"ناصر نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

"وقت آئے گا تو اس کا بھی حساب کر لیں گے۔"منظور احمد نے کہا۔

"پھر جھگڑا کس بات کا ہے ابا جی......پتہ نہیں کب وقت آ جائے اور مجھے حساب لینے کا موقعہ مل جائے۔"ناصر نے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔منظور احمد اُس کے تیور کا تغیر دیکھتا ہی رہ گیا۔

❀✪❀

رات کے آخری پہر وہ سب رخسانہ کے گھر سے واپس آئی تھیں۔سیماں تو سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی تھی۔علی گوہر سے ملنے کے بعد اُس کے لئے اس جگہ بیٹھنا دوبھر ہو گیا تھا۔وہ چاہتی تھی کہ ابھی سب کچھ ختم ہو جائے اور وہ واپس اپنی حویلی میں چلی جائے۔وہ ڈھولک بجانے والیوں کے ساتھ بیٹھی ضرور رہی تھی۔اُس کے ہاتھ تالی بھی بجا رہے تھے لیکن اس کی سوچ فلک شیر کے حصار میں تھی۔اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ فلک شیر بھی اُسے چاہتا ہے۔علی گوہر کی یہ بات بہت وزنی تھی کہ وہ

اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرتا ہے اور اسی لئے وہ اپنے دل کی بات کہے بغیر چلا گیا لیکن وہ اس بات کو اپنے دل کی دیواروں میں زیادہ دن قید نہ رکھ سکا اور میرے سامنے اس کا اظہار کر دیا۔

سیماں نے سوچا کہ فلک شیر اپنی جگہ ٹھیک سوچتا تھا۔وہ کچھ کہنے سے ڈرتا تھا۔اور اَب اپنی بات کہنے کے لئے اُس نے علی گوہر کا سہارا لیا'ورنہ اسے یہ سب کیسے پتہ چلتا؟ لیکن اچھا ہوتا کہ وہ مجھ سے اپنے دل کی بات کہہ دیتا'لیکن جو بھی ہوا ٹھیک ہوا۔اُسے سکندر کا بھی خیال آیا کہ جس نے نہ جانے فلک شیر کو کیا کہہ دیا تھا کہ وہ پھر حویلی میں رکا ہی نہیں اور یہاں سے چلا گیا۔سیماں کے دل میں فلک شیر کے لئے اور بھی ہمدردی اور پیار اُمڈ آیا تھا۔

سیماں سوچتے ہوئے مسرت سے نہال تھی۔اُس نے مصمم فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ کسی کی پروا کئے بغیر فلک شیر کے پاس چلی جائے گی۔نیند اُس کی آنکھوں سے دور تھی اور جاگتی آنکھوں میں اُس کے سپنے تھے۔

❀✪❀

موسم سرد تھا۔

دن کا آغاز بادلوں کی گڑگڑاہٹ اور ہوا کی طغیانی کے ساتھ ہوا تھا۔دور تک دھند چھائی ہوئی تھی۔مکان' کھیت'فصلیں اور وہ تینوں حویلیاں اس دھند میں ڈوبی ہوئی تھیں۔دن کے دس بجے بھی دھند چھائی ہوئی تھی اور اس دھند کو چیرتی ہوئی ایک کار کی روشنی بڑی تیزی سے آ رہی تھی۔اس کار کو گلزار چلا رہا تھا۔اور اُس کا رُخ یاور حیات کی حویلی کی طرف تھا۔اُس دن علی گوہر نے ہی اسے یاور حیات کی حویلی باہر سے دکھائی تھی۔

گلزار نے کار ایک طرف روک دی اور اُس کا رُخ حویلی کی طرف تھا۔وہ پوری حویلی کو دیکھ رہا تھا۔حویلی کا مین دروازہ بند تھا۔اردگرد بھی کوئی نہیں تھا۔پھر اُس نے اپنا موبائل فون نکالا اور علی گوہر کا نمبر ملانے لگا۔

علی گوہر اس وقت اپنے بستر میں ہی تھا۔بیل ہونے پر اُس نے اسکرین پر نمبر دیکھا تو مسکرا کر اُسے کان کو لگا کر کہا۔"جی......گلزار خان۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں تمہارے گاؤں میں ہوں اور تم کہاں ہو؟" گلزار فوراً بے تکلفی سے بولا۔

"میں اپنے بستر میں ہوں۔" علی گوہر نے جواب دیا۔

"ہاں تم بستر میں ہو سکتے ہو کیونکہ تم نے ابھی کسی سے عشق نہیں کیا۔ تمہیں کیا پتہ کہ راتوں کی نیندیں اور دن کا چین کیسے ختم ہو جاتا ہے۔" گلزار نے کہا۔

"مجھے رات کی نیند اور دن کا چین اچھا لگتا ہے اسی لئے تو کسی سے عشق نہیں کیا۔" علی گوہر نے کہا۔ "تم کہاں ہو اس وقت۔"

"میں...... حویلی کے سامنے کھڑا ہوں۔" گلزار نے کہا۔

"کس کی حویلی کے سامنے۔" علی گوہر اس کے جواب سے ہی جان گیا تھا لیکن پھر بھی اُس نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"جس کے دیدار نے بے چین کیا اور بھاگ کر یہاں آ گیا۔" گلزار نے مسکرا کر کہا۔

"تو پھر باہر کھڑے کیا کر رہے ہو۔ حویلی کے اندر جاؤ۔" علی گوہر نے جلدی سے کہا۔

"حویلی کے اندر کیسے چلا جاؤں۔ اندر جا کر یہ بتاؤں کہ میں یہاں کیوں آیا ہوں۔ وہ مجھے لہولہان کر دیں۔" گلزار نے کہا۔

علی گوہر نے اُٹھ کر کھڑکی کھولی باہر دور تک دھند میں دیکھنے کی کوشش کی اور پھر کہا۔ "اندر جا کر سچ بتا دینا کہ تم فتح پور گاؤں کے ہو۔ دھند میں راستہ بھول کر اِدھر آ نکلے۔ دھند ختم ہوتی ہے تو چلا جاؤں گا۔"

"اوئے...... اتنا آسان طریقہ اندر جانے کا۔ یہ بات میرے دماغ میں کیوں نہیں آئی۔" گلزار یکدم خوشی سے چلایا۔

"میں نے کہا تھا ناں کہ تم مجھے دوستی میں بہت آگے پاؤ گے۔ ایسے مشورے تو میری زبان کی نوک پر ہر وقت رہتے ہیں۔ ویسے تم اتنی دھند اور سردی میں آنے کی بجائے اُس سے فون پر بات کر لیا کرو۔" علی گوہر نے کہا۔

"اس کے پاس فون نہیں ہے۔" گلزار نے بتایا۔

"تیرے پاس ہے ناں۔ ایک اُسے بھی دے دے۔" علی گوہر نے ایک اور

مشورہ دیا۔

"گڈ آئیڈیا۔ تم سے دوستی مجھے بہت پہلے کر لینی چاہیئے تھی۔" گلزار نے ہنس کر کہا۔ "تم تو بڑے کام کے آدمی ہو۔"

"فون بند کرو اور حویلی کے اندر چلے جاؤ۔" علی گوہر نے کہا۔ "عاشق باتوں میں وقت ضائع نہیں کیا کرتے۔"

"ابھی حویلی کے اندر نہیں جاؤں گا۔ ہاں اُسے ایک موبائل ضرور لے کر دوں گا۔ تمہارے دوسرے والے آئیڈیا پر ابھی کام ہوگا۔ ابھی کالج ہی جا رہا ہوں۔" گلزار نے فی الحال حویلی کے اندر جانے کا ارادہ بدل دیا۔

"پہلے میری طرف آ جا۔ بیٹھ کر ناشتہ کرتے ہیں۔" علی گوہر نے پیشکش کی۔

"پھر کروں گا۔ ابھی جا رہا ہوں۔ آج اتنا ہی بہت ہے۔" گلزار نے کہا اور مسکراتے ہوئے فون بند کر دیا۔

❀✪❀

رات کے ٹھیک ساڑھے سات بجے ایک بڑی سفید گاڑی گاؤں کی طرف مڑنے والی سڑک کے کنارے پر واقع دکان کے پاس آ کر رکی اور اندر سے ڈرائیور نے اپنا منہ نکال کر بڑے بوہڑ کا پتہ پوچھا۔ دوکان دار نے اچھی طرح سے پتہ سمجھایا اور ڈرائیور نے کار تیزی سے اُس طرف بڑھا دی۔

دن بھر آسمان بادلوں کی آغوش میں رہا تھا اور اس کا ساتھ دھند نے بھی خوب دیا تھا۔ اور پھر کھلی جگہ کی دھند اور سردی تو کچھ زیادہ ہی ہوتی ہے۔ رات کے اس وقت بھی دھند تھی اور دور تک دیکھنا آسان نہیں تھا۔

کچھ ہی دیر کے بعد کار اس جگہ کھڑی تھی۔ اور ڈرائیور نے متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا۔ علی گوہر نے سمجھا دیا تھا کہ وہ اس جگہ انتظار کرے، آنے میں کچھ دیر ہو سکتی ہے۔ اور اگر آدھے گھنٹے تک میڈم نہ آئے تو وہ فون پر اس سے رابطہ کر لے۔

ڈرائیور اطمینان سے کار میں بیٹھا رہا اور اُس نے دھیمی آواز میں پرانے گیت لگا لئے۔ اُس کی دانست میں یہی تھا کہ میڈم ابھی آ ہی رہی ہوگی۔ اور اگر دیر ہو گئی تو وہ علی گوہر کو فون کر لے گا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سیماں کی تیاری مکمل تھی۔اس نے اپنے پاس ایک چھوٹے پرس میں کچھ نقدی ہی رکھی تھی۔سیماں نے اپنے کمرے سے باہر نکل کر جھانکا کوئی بھی نہیں تھا۔اس وقت ویسے بھی حویلی میں سنسانیت ہی ہوتی تھی۔فرزند علی تو باہر گیا ہی ہوتا تھا اس کے بھائی بھی دوستوں کے ساتھ ڈیرے میں ہی ہوتے تھے۔گاؤں کے چوہدری لوگوں کو اپنے ڈیرے میں بیٹھنے کا بھی ایک نشہ ہوتا ہے۔جہاں اُنہیں اپنے معتبر ہونے کا اور بھی احساس ہوتا ہے اور وہ اس کا مزہ لیتے رہتے ہیں۔حویلی میں ایک سیماں اور اُس کی ماں بختاں ہی ہوتی تھیں۔وہ بھی جلدی ہی اپنے کمرے میں چلی جاتی تھیں۔اس وقت بھی حویلی میں وہ دونوں ہی تھیں۔

سیماں تیزی سے نیچے آئی اُس نے مین دروازہ کھولا ہی تھا کہ اچانک پیچھے سے بختاں کی آواز آئی۔

”سیماں......کہاں جارہی ہو؟“

سیماں یکدم گھبرا گئی لیکن اُس نے فوراً اپنے آپ کو سنبھالا۔جس ہاتھ میں اس کا چھوٹا پرس تھا وہ اُس نے اپنی چادر کے اندر کیا ہوا تھا‘ اور وہ بولی۔”پتہ نہیں کیوں طبیعت گھبرا رہی ہے۔باہر کچھ دیر کے لئے بیٹھنے لگی ہوں۔“

”اتنی سردی میں باہر بیٹھے گی۔“بختاں نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”امی طبیعت گھبرا رہی ہے۔لگتا ہے جیسے ابھی اُلٹی آجائے گی۔ہوا میں جانا چاہتی ہوں۔شاید طبیعت ٹھیک ہوجائے۔“سیماں نے کہا اور ساتھ ہی اپنا چہرہ بھی عجیب سا بنالیا جیسے واقعی اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔

”اچھا ٹھیک ہے۔لیکن اگر طبیعت نہ سنبھلی تو بتادینا ڈاکٹر کے پاس لے چلوں گی۔“بختاں نے کہا اور پھر بولی۔”بلکہ تجھے ابھی ڈاکٹر کے پاس نہ لے چلوں۔“

”ابھی میں دیکھتی ہوں۔“سیماں نے کہا۔

”دیکھنا کیا ہے......چلو چلتے ہیں۔“بختاں نے کہا۔

”امی کہا ناں کہ ضرورت ہوئی تو چلے چلیں گے۔ابھی میں کچھ دیر باہر بیٹھ کر دیکھتی ہوں۔“سیماں نے اُکتاہٹ سے کہا۔

”اچھا ٹھیک ہے۔“بختاں نے کہا اور وہاں سے چلی گئی۔

بختاں کے جانے پر سیماں نے سکھ کی سانس لی اور مین دروازے سے باہر نکل کر ایک طرف ہوکر کھڑی ہوگئی۔سامنے گیٹ پر اُن کا ملازم کھڑا تھا۔دو تین ملازم کچھ فاصلے پر آگ تاپائے اس کے اردگرد براجمان تھے۔پہلے تو سیماں اس جگہ ٹہلتی رہی اور پھر اُس نے وقت ضائع کرنے کی بجائے اپنے قدم گیٹ کی طرف بڑھائے اور اس سے پہلے کہ گیٹ ملازم کھولتا‘ سیماں نے گیٹ کھولا اور باہر نکل گئی۔ملازم نے خاموشی سے پھر گیٹ بند کردیا۔

سیماں تیز تیز قدم اُٹھانے لگی۔دن بھر آسمان پر بادل چھائے رہنے اور دھند ہونے کی وجہ سے رات کو سردی کی شدت اور بھی زیادہ تھی۔دور تک کوئی بھی دکھائی نہیں دے رہا تھا۔بڑا بوہڑ اس حویلی سے دور نہیں تھا۔سیماں تیزی سے اُس جانب چلی جارہی تھی۔دھند میں اس قدر تیز چلنا اس کے لئے اس لئے آسان تھا کہ وہ گاؤں کے چپے چپے سے واقف تھی۔

❀✪❀

کچھ دیر کے بعد بختاں کمرے سے باہر نکلی اور اپنے کمرے کی طرف جانے لگی تو وہ رک گئی۔وہ اپنے کمرے کی طرف جانے کی بجائے مین دروازے کی طرف چل پڑی۔باہر نکلی تو سردی کا ایک شدید جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا اور وہ ایک جھرجھری سی لے کر رہ گئی۔بختاں نے باہر نکل کر متلاشی نگاہوں سے اِدھر اُدھر دیکھا اور یہ سوچ کر واپس جانے کے لئے مڑی کہ شاید سیماں اپنے کمرے میں چلی گئی ہے‘ کہ اچانک ملازم نے بھاگ کر پاس آتے ہوئے بتایا۔

”چھوٹی بی بی کو دیکھ رہی ہیں آپ۔“

”ہاں۔“بختاں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”وہ تو ابھی ابھی باہر نکل گئی ہیں۔“ملازم نے بتایا۔

”باہر نکل گئی ہے؟“بختاں نے متحیر نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔اُس کا دل زور سے دھڑکا‘ پریشانی کا ایک تیز جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا کہ اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ ملازم سے کیا کہے......اُسے حکم دے کہ وہ بھاگ کر اس کا پیچھا کرے یا کہ اس خیال سے واپس چلی جائے کہ شاید سیماں خود ہی ڈاکٹر کے پاس چلی گئی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہے۔پھر وہ بولی۔

''کسی کو بھیجو......اس کی طبیعت خراب ہوگئی تھی لگتا ہے وہ خود ہی ڈاکٹر کے پاس چلی گئی ہے۔ڈاکٹر کی طرف بھیجو وہ پتہ کرے۔'' بختاں تذبذب کا شکار ہوگئی تھی۔ایک انجانا سا اندیشہ اس کے دماغ پر براجمان ہوگیا تھا۔

❀✪❀

سیماں نے جونہی ایک کھڑی فصل کا کھیت عبور کیا اچانک کسی سائے کی طرح ایک طرف سے نکل کر علی گوہر اس کے برابر آ گیا۔سیماں اچانک کسی کو دیکھ کر ڈر گئی۔لیکن جیسے ہی اُس نے علی گوہر کو دیکھا اُس کی سانس میں سانس آئی۔کچھ ہی دور گاڑی کھڑی تھی۔علی گوہر اس کے برابر یوں چلنے لگا جیسے وہ اس کے ساتھ ہی آ رہا ہو۔

''دیکھو گھبرانا نہیں ہے۔ڈرائیور سے زیادہ بات نہیں کرنی ہے۔چپ رہنا ہے۔اگر کوئی بات ہو بھی تو کہنا کہ وہ اس گاؤں کی نہیں ہے شہر رہتی ہے۔یہ کار تمہیں شہر ایک دربار کے پاس اُتار دے گی۔تم اُتر جانا اور اُسی جگہ کھڑی ہو کر انتظار کرنا۔فلک شیر آئے گا اور تمہیں لے جائے گا۔''

''یہ مجھے وہاں کیوں اتارے گا۔سیدھا اُس کے پاس کیوں نہیں لے جائے گا۔'' سیماں نے پوچھا۔

''کچھ کام پردے میں رکھ کر کئے جاتے ہیں۔میں نے فلک شیر کو فون کر دیا ہے۔گھبرانا نہیں۔ویسے بھی تم ہمت والی ہو۔'' علی گوہر نے کہا اور کار کے پاس جا کر اُس نے خود پچھلا دروازہ کھولا' سیماں کار میں بیٹھ گئی۔اُس کے چہرے پر گھبراہٹ بھی تھی لیکن وہ ہمت سے کام لے رہی تھی۔علی گوہر نے اپنی جیب سے نکال کر کچھ نوٹ ڈرائیور کو دیئے' کار جانے کے لئے مڑی' اور دوسرے ہی لمحے وہ تیزی سے گاؤں سے باہر جانے کے لئے چل پڑی۔علی گوہر نے اس وقت کے آنے تک ایک ایک پل کانٹوں پر گزارا تھا کہ اُس کو ڈر تھا کہ کہیں اس کا بنا ہوا کھیل بگڑ نہ جائے۔گو کہ اُسے اس کی بہت ہی کم اُمید تھی۔لیکن پھر بھی وہ اس چال کی تکمیل تک بے چین ہی رہا تھا۔سیماں کو بھیج کر وہ معنی خیز مسکراہٹ اپنے چہرے پر سجاتا ہوا کھیتوں میں گم

ہو گیا۔

سیماں کا گاؤں' حویلی' اُس کے ماں باپ بھائی اور رشتے دار پیچھے رہ گئے۔اُس نے سب کچھ ایک فلک شیر کے لئے چھوڑ دیا اور وہ بھی علی گوہر کی باتوں پر اندھا اعتماد کر کے۔شاید اسی لئے کہا جاتا ہے کہ محبت اندھی ہوتی ہے۔کچھ بھی سوچنے کی قوت جیسے سلب ہو جاتی ہے۔آنکھوں کی روشنی اُس جگہ منجمد ہو جاتی ہے کہ کچھ اور دکھائی ہی نہیں دیتا۔سیماں کا جنون اور فلک شیر سے عشق کی انتہا کا فائدہ علی گوہر نے اُٹھاتے ہوئے اپنی دوستی کی بھی پروا نہیں کی تھی۔سالوں سے سینے میں جلتے الاؤ کی آگ اس قدر شدید تھی کہ اُسے بجھانے کے لئے میر تاج کے خاندان کی بربادی درکار تھی اس کے لئے اُسے کسی کو بھی قربان کرنا پڑے وہ اس معاملے میں سنگدل تھا۔

کار تیزی سے شہر کی طرف بھاگتی جا رہی تھی۔سیماں کے لئے اَب فلک شیر کا ساتھ ہی سب کچھ تھا۔وہ کشتیاں جلا کر شہر جا رہی تھی۔محض فلک شیر کے لئے اور اپنے عشق کو پانے کے لئے۔

❀✪❀

تینوں بھائی اپنے ڈیرے پر براجمان تھے اور خوش گپیوں میں مصروف تھے۔آگ کا الاؤ جل رہا تھا۔اُن کے پاس گاؤں کے وہ آدمی بیٹھے ہوئے تھے' جن کا کام اُن تینوں بھائیوں اور اُن کی اُولادوں کی چمچہ گیری کرنا ہوتا تھا۔وہ ہر وقت خوشامدی شکل وصورت اختیار کئے رہتے تھے۔بات بات پر اُن کی تعریفوں کے پل باندھ دیتے تھے' اور اپنی وفاداری اُن پر ثابت کرنے کی کوشش میں رہتے تھے۔ایسے لوگوں کو دراصل کسی نہ کسی چیز کی طمع ہوتی ہے اور خاص موقعوں پر چوہدری اُن کو نواز بھی دیا کرتے تھے اور ضرورت پڑنے پر وہ مانگ بھی لیتے تھے۔اور جب کوئی گاؤں کی بات اُن کے ہاتھ آ جاتی تو وہ بات کا پتنگڑ بنا کر اُن کے آگے بیان کر کے اپنے نمبر بڑھانے کے چکر میں رہتے تھے۔

علی گوہر' سیماں کو بھیجنے کے بعد راستہ بدل کر ان کے ڈیرے کی طرف آ گیا۔فرزند نے اُس کی طرف دیکھتے ہی اُسے اپنے انداز میں مخاطب کیا۔

''اوہ......علی گوہر اتنی ٹھنڈ میں کیا کر رہا ہے۔'' فرزند نے کہا اور وہاں موجود لوگ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہنس پڑے۔

علی گوہر اُن کے پاس آ گیا۔ ''سوچتا سوچتا آپ کی طرف آ گیا ہوں۔''

''کیا سوچتا ہوا آ گیا ہے؟'' منظور احمد نے پوچھا۔ اُس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

''پرسوں ملک پور میں ایک گائے دیکھی۔ خدا کی شان گائے ہے کہ کوئی شاہکار ہے۔ اتنی پیاری اور خوبصورت...... وہ بیچ رہا ہے اور میں سوچ رہا ہوں۔'' علی گوہر تینوں بھائیوں کے پاس ہی کھڑا ہو گیا۔ اُس نے جان بوجھ کر شاہکار کو شہاکار کہا تھا۔

''تو کیوں سوچ رہا ہے۔'' یاور حیات نے پوچھا۔

''سوچوں نہ تو کیا کروں۔ گائے ہے کہ من کو بھا گئی ہے۔ اور جیب ہے کہ خریدنے کی اجازت نہیں دے رہی ہے۔ یہ سوچ کر آپ کی طرف آ گیا کہ آپ ایک نظر اُس گائے کو دیکھ لیں۔ آپ کی طبیعت راضی ہو جائے گی۔ آپ خرید لیں گے تو مجھے لگے گا میں ہی خرید کر اپنے گاؤں لے آیا ہوں۔'' علی گوہر نے کہا۔

''کتنے کی ہے؟'' فرزند نے پوچھا۔

''یہ تو میرے جیسے کمی کمین کا سوال ہے۔ آپ کے سامنے کوئی بھی قیمت کیا حیثیت رکھتی ہے۔ میں تو کہتا ہوں ایک نظر آپ دیکھ لیں۔ کیا غضب کی گائے ہے۔ دودھ بھی اتنا دیتی ہے کہ آپ کے پاس جتنی بھی گائیں ہیں اُس جتنا دودھ نہیں دیتی ہوں گی۔ سوچ سوچ کے آپ کی طرف آ گیا ہوں کہ گھر میں بیٹھے چین ہی نہیں آ رہا تھا کہ گائے ہاتھ سے نکل گئی تو دل میں پچھتاوہ رہ جائے گا۔'' علی گوہر گائے کی تعریف میں ایسے قلابے ملا رہا تھا کہ جیسے وہ اس گائے کو کسی بھی صورت کھونا نہیں چاہتا ہے کہ تینوں بھائی اُس کی اس تعریف سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے۔ ''ورنہ اس ٹھنڈ میں میرے جیسا بندا گھر سے کیا رضائی سے باہر پیر نہیں رکھ سکتا۔''

''علی گوہر کی نظر بھی پرکھ رکھتی ہے۔ فرزند اس کے ساتھ کل جا کر گائے دیکھ لینا۔ اچھی لگے تو خرید لینا۔'' منظور احمد نے کہا۔ علی گوہر کو یقین تھا کہ منظور احمد اس کام کے لئے فرزند سے ہی کہے گا کیونکہ وہ گائے اور بھینس کی پہچان یاور حیات سے اچھی رکھتا تھا۔ علی گوہر یہ سن کر دل ہی دل میں مسکرایا۔

''واہ...... دل خوش کر دیا آپ نے۔ کل سویرے چلیں میرے ساتھ۔ یہ تو ملک پور ہے۔'' علی گوہر نے خوش ہو کر کہا۔

''چلا جاؤں گا تیرے ساتھ اور دیکھ لوں گا کہ کیا شہاکار دیکھ کر آیا ہے تُو۔'' فرزند نے اپنی مونچھوں کو تاؤ دیتے ہوئے کہا۔

''میں کہتا ہوں کہ پہلی نظر میں دیکھ کر آپ اُسے خریدنے کے لئے بے چین ہو جائیں گے۔ لو جی پھر کل سویرے ہی میں آپ کی حویلی میں آ جاتا ہوں۔'' علی گوہر نے کہا۔

''ہاں آ جانا۔'' فرزند نے کہا۔

''اَب میں چلتا ہوں۔ سویرے آ جاؤں گا۔'' علی گوہر خوش خوش باہر نکل گیا۔ اُس کے جاتے ہی منظور احمد رعونت سے ہنسا۔

''یہ اُسی برکت دین کا پتر ہے علی گوہر جس کی ٹانگ توڑ دی تھی ہم نے مار مار کے۔'' اس بات پر وہ تینوں ہنسے اور اُن کے ساتھ بیٹھے آدمی بھی ہنس پڑے۔

''تب بچہ تھا یہ۔'' فرزند نے گردن کھڑی کر کے کہا۔

''تب بڑا بھی ہوتا تو ہما را کیا کر لیتا۔'' یاور حیات نے کہا اور ہنسا۔

''اَب بڑا ہو کے اس نے کیا کر لیا ہے۔ ہمارے آگے پیچھے پونچھ ہلاتا رہتا ہے۔ گائے اسے پسند ہے پیسہ جیب میں نہیں ہے اس لئے اتنی ٹھنڈ میں دوڑتا ہوا آ گیا ہے۔'' منظور احمد نے کہہ کر ہولے سے قہقہہ لگایا۔

اس کے ساتھ ہی تینوں بھائیوں اور وہاں پر موجود ہر آدمی کے چہرے پر قہقہے تھے۔ کسی کے چہرے پر رعونت سے بھرے ہوئے قہقہے تھے تو کوئی اس لئے ہنس رہا تھا کہ اُس کے چوہدری ہنس رہے ہیں۔ علی گوہر گیا نہیں تھا۔ وہ دروازے پر ہی کھڑا تھا۔ وہ جان بوجھ کر اِدھر آیا تھا۔ ان کی باتیں سن کر اُس نے اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ لئے تھے۔ اور اُس کے دل سے آواز اُٹھ رہی تھی۔

''علی گوہر کچھ نہیں بھولا۔ سب یاد ہے۔ اور اُسی یاد کا نتیجہ ہے کہ آگ میں تم لوگوں کی حویلی کے دروازے تک لے آیا ہوں۔ تم لوگ صرف شعلے اُٹھتے دیکھو گے اور وہ ہاتھ نہیں دیکھ پاؤ گے جس نے یہ آگ لگائی ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

❀✪❀

بختاں کی گھبراہٹ دو چند ہوگئی تھی۔ وہ مضطرب ہوکر کبھی اِدھر اور کبھی اُدھر ٹہل رہی تھی۔ سیماں کی وہ باتیں جو وہ فلک شیر کے بارے میں کہتی تھی اور نصیر کو ناپسند کرنے کا اظہار اُس کے سامنے کھلم کھلا کرتی تھی' اندیشوں کے پھنکتے سانپوں کی طرح یاد آنے لگی تھیں۔ یہ بھی خیال آجاتا تھا کہ شاید سیماں کی طبیعت کچھ زیادہ ہی خراب ہوگئی تھی کہ وہ فوراً ڈاکٹر کی طرف چلی گئی۔ لیکن وہ کبھی بھی اکیلی حویلی سے باہر قدم نہیں رکھتی تھی۔ اس لئے وہ اپنے اس خیال کو خود ہی رَد کردیتی تھی۔ بختاں ان ہی سوچوں میں ہچکولے کھا رہی تھی کہ ملازم آگیا اور اُس نے بتایا کہ ڈاکٹر کا کلینک شادی کی وجہ سے بند ہے۔ بختاں کو یاد آیا کہ وہ تو بھول ہی گئی تھی' کل ڈاکٹر کی بیٹی کی شادی ہوئی تھی اور آج وہ لڑکے والوں کی طرف دعوتِ ولیمہ کھانے کے لئے گئے تھے۔ جن کی واپسی شاید ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

یہ خیال آتے ہی بختاں کو اپنے پیروں کے نیچے سے زمین کھسکتی ہوئی معلوم ہونے لگی اور گھبراہٹ کا یہ عالم تھا کہ جیسے ابھی اس کا دم نکل جائے گا۔ خوف سے اس کا جسم لرزنے لگا تھا۔ اندیشے' وسوسے اور خیالات کا انبار کا بوجھ اس قدر بڑھتا ہوا محسوس ہونے لگا تھا کہ بختاں کو یقین سا ہونے لگا تھا کہ' سیماں جو کہتی تھی اُس نے وہ کردیا ہے۔ وہ فلک شیر کے پیچھے چلی گئی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ فلک شیر آیا اور سیماں کو اپنے ساتھ لے گیا ہوگا۔ کل شام کو اس کی نصیر کے ساتھ منگنی تھی۔ اس خیال کے آتے ہی وہ ایک بار پھر کانپ گئی۔ اور دل ہی دل میں دُعا کرنے لگی کہ اس کا یہ خیال محض قیاس ہی ہو۔ اور سیماں ابھی نمودار ہوجائے۔

بختاں کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ حویلی کی ملازموں کو بلا کر پورے گاؤں میں سیماں کے پیچھے اُس کی تلاش میں بھیج دے' یا ابھی انتظار کرنے اور بات مخفی رکھے۔ وہ ابھی اس تذبذب میں تھی کہ سکندر آگیا۔ بختاں لپک کر اُس کی طرف گئی۔

"سکندر...... جاؤ لیڈی ڈاکٹر کے گھر چلے جاؤ۔ سیماں کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ اکیلی ہی اُس کی طرف چلی گئی ہے شاید۔" بختاں نے کہا۔

"اکیلی چلی گئی ہے۔ رات کے اس وقت؟" سکندر نے بختاں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ "وہ تو اکیلی کہیں جاتی ہی نہیں ہے۔"

"میں اندر تھی اور وہ خود ہی چلی گئی ہے۔ ابھی تک نہیں آئی جاؤ جاکر پتہ کرو۔" بختاں نے کہا۔ گھبراہٹ اس کے چہرے اور آواز سے عیاں تھی۔

"کسی ملازمہ کو بھیجو ماں...... وہ پتہ کرکے آئے۔" سکندر نے ماں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

"ملازمہ کو بھیجوں؟" بختاں نے جیسے اپنے آپ سے کہا اور ملازمہ کو آواز دی۔ سکندر لاپرواہی سے وہاں سے چلا گیا۔

بختاں نے ملازمہ کو ہدایت کی کہ وہ لیڈی ڈاکٹر کی طرف جائے اور سیماں کا پتہ کرے کہ وہ دوائی لینے کے لئے گئی تھی ابھی تک آئی کیوں نہیں ہے۔" ملازمہ وہاں سے چلی گئی۔ بختاں پھر کانٹوں پر پیر رکھے ٹہلنے لگی۔ اور جب ملازمہ آئی تو اُس نے بتایا کہ سیماں' لیڈی ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی ہے۔

بختاں کو اَب یقین ہوگیا تھا کہ سیماں نے اس ذہلیز سے اپنا پیر فلک شیر کے لئے باہر نکال دیا ہے۔ بختاں سیدھی سکندر کے کمرے میں چلی گئی۔

"کیا بات ہے ماں۔" سکندر اپنی ماں کو گھبرائی ہوئی دیکھ کر بولا۔

"سیماں وہاں بھی نہیں گئی ہے۔" بختاں کی آواز اُس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"نہیں گئی ہے؟" سکندر چونکا۔

"ہاں...... تم اپنے ابا کو فون کرو کہ وہ فوراً حویلی آجائیں۔" بختاں نے کہا۔

سکندر نے تشویش سے اپنی ماں کی طرف دیکھا اور کہا۔ "ماں...... تیری گھبراہٹ مجھے کچھ اور ہی بتا رہی ہے۔ بات کیا ہے۔"

"اپنے ابا کو بلا...... مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہا ہے۔" بختاں سوچ اور پریشانی میں پلنگ پر بیٹھ گئی اور پھر یکدم وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اُسے لگ رہا تھا جیسے اُس کا جسم بے جان ہوگیا ہے۔ ٹانگوں میں کھڑی ہونے کی بھی سکت نہیں رہی ہے۔

"یہی تو میں پوچھ رہا ہوں کہ خرابی کہاں ہے۔" سکندر نے پھر پوچھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بختاں نے جھنجلا کر کہا۔ ''تُو اپنے ابا کو فون کر کہ وہ فوراً حویلی آجائیں۔اور جا کر دیکھ سیماں کہاں چلی گئی ہے۔اُسے گئے ہوئے آدھے گھنٹے سے زیادہ وقت ہوگیا ہے۔''

سکندر کے چہرے پر بھی تشویش کی شکنیں اُبھر آئی تھیں۔اُس نے اپنے باپ فرزند کو فون کیا۔اور ماں کا پیغام دیتے ہوئے کہا کہ وہ ابھی حویلی آجائیں۔فون بند کرنے کے بعد سکندر اپنی ماں کی طرف دیکھ رہا تھا اور بختاں کی حالت اور بھی پریشان اور مضطرب ہوگئی تھی۔وہ اپنی سوچوں کے ساتھ کہیں اور ہی پہنچ چکی تھی۔

❀✪❀

وہ دربار شہر کے ایک انتہائی بارونق علاقے میں تھا۔دربار کے اندر اور باہر رات گئے تک رش رہتا تھا۔بیرونی حصے میں ایک طرف دکانوں کی طویل قطار دکھائی دیتی تھی جہاں چادریں' تسبیحات اور ایسی ہی دوسری چیزیں واضح دکھائی دے رہی تھیں۔دربار کے مین دروازے سے کچھ فاصلے پر وہ کار رکی اور ڈرائیور نے سیماں کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ ''لیجئے دربار آگیا ہے۔''

سیماں نے کار میں بیٹھے ہوئے دربار کی طرف دیکھا اور کار کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔سیماں دائیں بائیں کا جائزہ ہی لے رہی تھی کہ کار چل پڑی اور رش میں رینگتی ہوئی دور چلی گئی۔سیماں کچھ دیر اسی جگہ کھڑی رہی اور پھر وہ ایک طرف جا کر کھڑی ہوگئی' ایک وہی جگہ تھی جو کہ خالی تھی۔

سیماں پہلی بار شہر آئی تھی۔وہ تو یہ بھی نہیں جانتی تھی کہ وہ اس وقت جہاں کھڑی ہے اس علاقے کا کیا نام ہے۔دربار کے سامنے سے گزرنے والی سڑک کس طرف جاتی ہے۔ دربار کے اردگرد روشنیاں جل رہی تھیں' بوڑھے' جوان' خواتین اور بچے آتے جاتے دکھائی دے رہے تھے۔طرح طرح کی چیزیں فروخت ہو رہی تھیں۔ایک شور تھا' ہلچل تھی' اور رونق تھی۔سیماں کے لئے سب کچھ نیا تھا۔

سیماں کو اس جگہ کھڑی ہوئے پون گھنٹہ ہوگیا تھا۔نہ تو فلک شیر آیا تھا اور نہ ہی کوئی اور کہ جسے فلک شیر نے بھیجا ہو۔اپنی حویلی سے فلک شیر کے لئے نکلنے والی پُرجوش سیماں انتظار کی سولی میں ڈر کے حصار کی قید میں آتی جا رہی تھی۔وہ متلاشی

نگاہوں سے دائیں بائیں اور کبھی دور تک دیکھتی تھی۔لمحہ بہ لمحہ اس کا اضطراب بڑھتا ہی جا رہا تھا۔وہ سوچ رہی تھی کہ ابھی تک فلک شیر کیوں نہیں آیا ہے؟

دو نگاہیں ایسی تھیں جو مسلسل سیماں کو دیکھ رہی تھیں۔وہ نگاہیں دربار کے داخلی دروازے کے ساتھ کھڑے نوازش کی تھیں۔وہ اس دربار میں اکثر کبھی رات کو اور کسی وقت دن کو آتا رہتا تھا۔آج بھی جیسے ہی وہ دربار سے باہر نکلا اُس کی نگاہ سیماں پر جا پڑی تھی جو سہمی ہوئی کھڑی تھی۔نوازش کو مجبور' سہمے اور ڈرے ہوئے چہرے دیکھ کر کبھی اندازہ لگانے میں مشکل پیش نہیں آتی تھی کہ اِن کے پسِ پردہ کیا کہانی ہوسکتی ہے۔اس لئے وہ سیماں کا چہرہ' اُس کا خوف اور بے قراری دیکھ کر اسی جگہ رک گیا تھا۔

نوازش کا اندازہ تھا کہ یہ لڑکی کسی کے پیچھے گھر سے بھاگ کر یہاں آئی ہے اور اسے اُس کا انتظار ہے' یا پھر اس کے ساتھ کوئی ہے جو اس سے بچھڑ گیا ہے۔اور اس کا چہرہ صاف بتا رہا ہے کہ یہ لڑکی اس شہر کی نہیں ہے۔نوازش اس لڑکی کو نہ تو نظرانداز کرسکتا تھا اور نہ ہی چھوڑ کر جا سکتا تھا۔وہ دل کا کمینہ شخص تھا۔اُس کے اندر بہت سے عیب تھے جو کہ اُس نے اپنے خاندان اور روبی سے ہمیشہ مخفی رکھے تھے۔وہ شکل و صورت کا اچھا تھا۔اس سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اُس نے روبی کو اپنا اسیر بنا لیا تھا۔روبی جاب کرتی تھی۔وہ کماتی تھی۔ایک تو نوازش کی شروع سے ہی روبی کی کمائی پر نظر تھی اور دوسری بات یہ تھی کہ وہ روبی جیسی خوبصورت لڑکی کو کھونا نہیں چاہتا تھا۔

وہ روبی سے اپنا پیشہ جہاں تک ممکن ہوسکتا' چھپا کر رکھنا چاہتا تھا لیکن اُس دن کی گڑبڑ نے روبی پر جلد ہی آشکار کردیا کہ اُس کا اصل چہرہ کیا ہے۔نوازش کے لئے اَب یہ کسی پریشانی کی بات نہیں تھی۔کیونکہ اُس کی شادی روبی سے ہوچکی تھی۔اور اُس نے اس سے شادی کرنے کے لئے اپنے خاندان کو مجبور بھی کیا تھا۔نوازش جانتا تھا کہ اَب اُس کے پاس واپسی کا راستہ نہیں ہے۔وہ کس منہ سے جا کر یہ بتائے گی کہ اس کا فیصلہ کتنا غلط ثابت ہوا ہے۔اور یہ سچ بھی تھا' تبھی تو روبی نے اپنے دل کا سارا غبار نیلم کے آگے نکالا تھا۔نوازش کو کوئی پروا ہی نہیں تھی۔

توازش کی نگاہیں بدستور سیماں پر مرکوز تھیں۔اسی طرح جب مزید پندرہ منٹ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

گزر گئے تو نوازش ٹہلتا ہوا اُس کی جانب گیا اور دائیں بائیں دیکھتے ہوئے اس کے پاس جا کھڑا ہوا۔سیماں نے اُس کی طرف دیکھا' اور پہلا خیال اُس کے دماغ میں یہ ہی آیا کہ' اس شخص کو شاید فلک شیر نے بھیجا ہے۔نوازش نے آنکھیں دائیں بائیں گھماتے ہوئے کہا۔

''آپ پریشان دکھائی دے رہی ہیں۔کیا میں آپ کی کوئی مدد کرسکتا ہوں۔''

''آ......پ......کون؟''سیماں نے اُس کا جائزہ لیتے ہوئے گھبرا کر پوچھا۔

''میرا کام یہاں دوسروں کی مدد کرنا ہے۔اس دربار میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ کوئی اپنوں سے بچھڑ جاتا ہے۔کوئی کسی کا انتظار ہی کرتا رہ جاتا ہے اور کوئی نہیں آتا تو میں اُن کی مدد کے لئے پیش ہوجاتا ہوں۔آپ بھی پریشان دکھائی دے رہی ہیں۔مجھے بتائیں کیا مسئلہ ہے۔''نوازش نے پُراعتماد لہجے میں کہا۔

سیماں نے اپنی متلاشی نگاہیں ایک بار پھر دور تک گھمائیں اور پھر کہا۔''آپ فلک شیر کو جانتے ہیں۔''

''کون فلک شیر؟''نوازش یکدم اُس کا نام سن کر چونکا۔لیکن اُس نے ایسا کچھ سیماں پر عیاں نہیں ہونے دیا تھا۔

''وہ ڈاکٹر ہیں۔''سیماں نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔زندگی میں پہلی بار وہ اپنے گاؤں سے اس شہر تک آئی تھی۔اس صورتِ حال میں اُسے کیا کرنا چاہئے وہ اس سے بھی لاعلم تھی۔

یہ سنتے ہی نوازش کو ایک بار پھر حیرت کا جھٹکا لگا کہ اس لڑکی کا اُس سے کیا تعلق ہے۔جہاں اُسے حیرت ہورہی تھی وہاں وہ اس بات پر بھی خوش تھا کہ اُس کے ہاتھ ایک بڑی مچھلی آگئی ہے۔وہ اس سے اچھا فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔وہ بولا۔''آپ کو ڈاکٹر فلک شیر کے پاس جانا ہے۔''

''ہاں۔''سیماں نے ایک نظر اُس کی طرف دیکھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

''کس سلسلے میں؟''نوازش نے پوچھا۔

''وہ......''اچانک سیماں کہتے ہوئے رک گئی۔اور تذبذب میں مبتلا ہوگئی کہ وہ اس سوال کا کیا جواب دے۔اُسے خاموش دیکھ کر نوازش نے اپنی پوری تسلی کے لئے

پوچھا۔

''آپ اُسی فلک شیر کی بات کررہی ہیں جو ایک بہت بڑے زمیندار کا بیٹا ہے۔اور اُن کا نام چوہدری منظور احمد ہے؟''

''ہاں......ہاں......''سیماں ایک دم اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔اُس کی آنکھوں کی چمک عیاں ہوگئی تھی۔مایوس چہرے پر اُمید کی کرن جاگ گئی تھی۔اور پہلی بار وہ مایوسی کے اندھیرے سے کچھ باہر نکلی تھی۔

نوازش نے اُس کا جواب سن کر اپنی آنکھیں گھمائیں۔اُس نے تصدیق کرلی تھی اور سوچنے لگا تھا کہ اس میں بھی کوئی چکر ہے۔لڑکی کا یہاں کھڑا ہونا اور انتظار کرنا۔اس کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ فلک شیر کا اس لڑکی کے ساتھ کوئی چکر ہے؟

''آپ میرے ساتھ چلیں۔''نوازش نے کہا۔

''کہاں؟''سیماں نے پوچھا۔

''ڈاکٹر فلک شیر کے پاس۔''اُس نے کہا۔

''آپ کون ہیں۔''سیماں نے پوچھا۔

''میرا نام سراج ہے اور میں یہاں ریسکیو محکمے میں کام کرتا ہوں۔میں بہت اچھی طرح سے ڈاکٹر فلک شیر کو جانتا ہوں۔ابھی تو میں نے اُن کے والد صاحب کا نام بھی آپ کو بتایا ہے۔آپ تسلی رکھیں اور میرے ساتھ چلیں۔''

''یہ......ریسکو کیا ہوتا ہے؟''

''ریسکیو......یہ ایک سرکاری محکمہ ہوتا ہے جس کا کام مشکل میں پھنسے ہوئے لوگوں کی مدد کرنا ہوتا ہے۔''نوازش کا لہجہ جھوٹ بولتے ہوئے اس قدر پُراعتماد تھا کہ ایک خفیف جھلک بھی جھوٹ کی محسوس نہیں ہورہی تھی۔

سیماں کو یہ تسلی تو تھی کہ اس شخص نے فلک شیر کے باپ کا نام بھی ٹھیک بتایا تھا اور یہ بھی بتایا تھا کہ وہ بہت بڑے زمیندار ہیں۔یقیناً یہ شخص فلک شیر تک اُسے پہنچا دے گا' وہ اُسے جانتا ہے تو اس نے یہ سب بتایا ہے......لیکن وہ اسے بلا کر خود کیوں نہیں آیا' اس کی کیا وجہ ہے؟ اس سوال کو اپنے ذہن میں لئے سیماں' نوازش کے ساتھ چل پڑی۔کیونکہ اس کے سوا اس کے پاس کوئی اور چارہ نہیں تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بختاں نے فرزند علی کو ساری بات بتا دی تھی کہ کیسے سیماں طبیعت کا خراب کہہ کر باہر نکلی اور پھر غائب ہو گئی۔ فرزند ساری بات سن کر پریشان ہو گیا تھا کہ وہ کہاں چلی گئی ہے۔ فرزند نے حویلی کی ایک ملازمہ کو جن گھروں میں سیماں کے جانے کا شک ہو سکتا تھا' کسی بہانے سے بھیج کر پتہ کر لیا تھا لیکن سیماں کا کوئی پتہ نہیں چلا تھا۔ سیماں کے دونوں بھائی بھی اس کی تلاش میں گاؤں کی گلیاں پھر کر آ گئے تھے۔ جب بالکل ناکامی ہو گئی' اور کوئی چارہ نہ رہ گیا تو بختاں کے دل میں جو اندیشہ اور شک سانپ کی طرح کنڈلی مارے بیٹھا تھا' اُسے باہر نکالنے کے لئے اُس نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

''مجھے لگتا ہے سیماں چلی گئی ہے' سیماں...... نصیر کے ساتھ منگنی نہیں کرنا چاہتی تھی۔'' بختاں کی بات سن کر فرزند نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا اور گھورنے لگا۔ اُس کی خاموشی جیسے اس انتظار میں ہو کہ بختاں کچھ آگے بھی کہنا چاہتی ہے تو وہ بھی کہہ دے۔ سکندر اور نوید بھی اپنی ماں کی طرف متوجہ تھے۔ بختاں نے پھر ڈرتے ڈرتے کہا۔ ''سیماں نے مجھ سے کئی بار کہا تھا کہ وہ نصیر کو پسند نہیں کرتی ہے۔''

سیماں کہہ کر چپ ہو گئی تو اس خاموشی کو فرزند نے توڑا۔ ''ایسا کہتی تھی وہ؟''

''ہاں...... میں نے اُس کو سمجھایا لیکن وہ فلک شیر......'' بختاں یکدم کہتے ہوئے رک گئی۔ خوف اُس کی آنکھوں سے مترشح ہونے لگا تھا۔ فلک شیر کا نام سن کر فرزند کے ساتھ ساتھ سکندر اور نوید بھی متحیر اور سوالیہ نگاہوں سے بختاں کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

''فلک شیر......؟ کیا کہنا چاہتی ہے تو؟'' فرزند نے پوچھا۔ اس کا لہجہ کچھ درشت ہو گیا تھا۔ وہ بے چینی سے اُس کی طرف دیکھنے لگا تھا۔

بختاں نے اپنے اندر ہمت پیدا کی اور کہا۔ ''وہ کہتی تھی کہ وہ فلک شیر کو پسند کرتی ہے اور فلک شیر بھی اُسے پسند کرتا ہے۔'' بختاں نے مریل سی آواز میں کہا۔ ''میں نے اُسے سختی سے سمجھایا تھا لیکن وہ شاید سمجھی نہیں تھی اور مجھے لگتا ہے کہ وہ فلک شیر کے ساتھ چلی گئی ہے۔''

''یہ بات تُو مجھے اَب بتا رہی ہے۔ جب اُس نے تم سے یہ بات کی تھی تب تُو نے مجھے کچھ نہیں بتایا؟'' فرزند علی آگ بگولہ ہو کر چیخا کہ بختاں سہم گئی۔ وہ پھر بولا۔

''اتنی بڑی بات کہہ دی اُس نے اور تم نے مجھے نہیں بتایا۔''

''م...... میں نے اُسے سمجھایا تھا۔'' بختاں کی خوف سے بھری آواز نکلی۔

''مٹی سمجھایا تھا تم نے کہ وہ اُس کے ساتھ چلی گئی۔ تیری مت کو کیا ہو گیا تھا۔ کل اُس کی منگنی ہے اور آج وہ ہمارے منہ پر کالک مَل کے چلی گئی ہے۔ فلک شیر اُسے لے گیا۔'' فرزند بہت غصے میں آ گیا تھا۔ اُس کا جسم لرز رہا تھا۔ اور اُس کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ ابھی وہ بختاں کا گلا دبا کر اُس کی جان لے لے گا۔

''میں نے تو یہ سوچا تھا کہ وہ بات آپ لوگوں تک نہ پہنچے اور خیر خیریت سے سب کچھ ٹھیک ہو جائے۔ لیکن اُس نے تو میری بات کو بھی نہ رکھا۔'' بختاں نے کہا اور رونے لگی۔

فرزند کا غصہ اور بے چینی اُس کے چہرے اور جسم سے عیاں تھی۔ سکندر کو بھی فلک شیر پر شدید غصہ آ رہا تھا۔ فرزند علی نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بختاں سے پوچھا۔

''فلک شیر کے بارے میں اُس نے کچھ بتایا تھا؟''

''ہاں وہ کہتی تھی کہ وہ بھی اُسے پسند کرتا ہے۔ دونوں شادی کریں گے۔'' بختاں نے کہا۔

''تم سیماں کے ساتھ کیا کھچڑی پکاتی رہی ہو کہ ہمیں اس کی ہوا تک نہیں لگنے دی اور وہ اس دہلیز کو پار کر گئی۔'' فرزند علی ایک بار پھر چیخا۔ ''اس کا مطلب ہے کہ فلک شیر اس گاؤں میں آیا تھا اور وہی سیماں کو ساتھ لے کر گیا ہے۔ ورنہ وہ تو ایک قدم نہیں اُٹھا سکتی۔''

سکندر نے غصے سے اپنے ہاتھ پر اپنا مکہ مارا اور اس جگہ سے چلا گیا۔ فرزند ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ کہ سکندر ہاتھ میں بندوق لئے آ گیا۔ اور تیزی سے باہر کی جانب جانے لگا تو فرزند نے اُسے روک لیا۔

''کہاں جا رہا ہے تُو؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”شہر جا رہا ہوں۔فلک شیر کو نہیں چھوڑوں گا۔“ سکندر نے دانت پیس کر کہا۔

”وہ تیرے انتظار میں وہاں شہر میں بیٹھا نہیں ہوگا۔“ فرزند نے کہا۔

”جہاں بھی ہوگا اُس ڈھونڈ لوں گا۔“

”پاگل مت بنو۔وہ شہر ہے۔اور شہر سمندروں سے بھی ڈونگے ہوتے ہیں۔اس بندوق کو رکھو اور میرے ساتھ چلو۔پہلے ہم یاور حیات سے بات کرتے ہیں۔“ فرزند نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

سکندر نے نا چاہتے ہوئے بندوق ایک طرف رکھ دی لیکن اُس کا چہرہ بتا رہا تھا کہ وہ آگ کی بھٹی میں سلگ رہا ہے۔فرزند نے جانے سے پہلے بختاں کی طرف دیکھتے ہوئے اُسے خبردار کرتے ہوئے کہا۔”حویلی کی ملازمہ کو سمجھا دے کہ اگر یہ بات اس چاردیواری سے باہر نکلی تو مجھ سے بُرا کوئی نہیں ہوگا۔“

بختاں نے جلدی سے ملازمہ کو بلا کر اُسے سختی سے ہدایت کی اور بھاگ کر اُن کے ساتھ ہی باہر نکل گئی۔

❂✪❂

نوازش جس مکان کے سامنے سیماں کو لے کر کھڑا تھا وہ مکان زرینہ کا تھا۔

زرینہ کی عمر پچاس کے لگ بھگ تھی۔منہ میں ہر وقت چھالیہ رہتی تھیں۔دن ہو یا رات لش پش سوٹ اُس کے بدن پر دکھائی دیتا تھا۔بالوں کو کوئی نہ کوئی سٹائل دے کر رکھتی تھی اور چہرے پر اتنا میک اَپ ضرور ہوتا تھا جس سے اُس کی جھریاں چھپ جاتی تھیں۔بظاہر اُس نے یہ ہی بتایا ہوا تھا کہ اُس کا شوہر دبئی میں بسلسلہء روزگار مقیم ہے۔اور یہاں وہ اپنی تین بیٹیوں کے ساتھ رہائش پذیر ہے۔لیکن ایسا نہیں تھا۔

کئی سال پہلے اُس کا شوہر اُسے طلاق دے چکا تھا۔طلاق کی وجہ زرینہ کی آزاد خیالی تھی جو کہ اُس کے سمجھانے کے باوجود ختم نہیں ہوئی تھی۔وہ کوشش کے باوجود بھی اپنی بیٹیوں کو زرینہ سے حاصل نہیں کر سکا تھا۔تینوں جوان بیٹیوں کی امیر ماں باپ کے بیٹوں سے محض دوستیاں تھیں۔زرینہ اپنی چالاکی اور زیرک ذہن کی بدولت اپنی لڑکیوں کے ذریعے سے امیروں کی بگڑی اُولادوں سے پیسہ کھینچنے کی تگ و دو میں رہتی تھی۔اور وہ اس میں بہت کامیاب بھی تھی۔ایک نوجوان اگر مایوس ہو کر کسی لڑکی

کا ساتھ چھوڑ بھی دیتا تھا تو کوئی نہ کوئی اس کی جگہ اور آجاتا تھا۔اور یہ سلسلہ چلتا رہتا تھا۔

دروازہ زرینہ نے ہی کھولا تھا۔پہلے اس کی نگاہ نوازش پر گئی اور پھر سیماں پر جا کر رک گئی۔چھالیہ اب بھی اُس کے منہ میں تھی۔

”السلام علیکم خالہ......تکلیف کی معافی مانگتا ہوں۔لیکن مجبوری تھی کہ اس دروازے پر دستک دینا پڑی۔“ نوازش نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آجاؤ اندر آجاؤ۔“ زرینہ نے دروازے سے ایک طرف ہوتے ہوئے کہا۔

نوازش،سیماں کو لے کر مکان کے اندر چلا گیا۔زرینہ نے دروازہ بند کر دیا۔سیماں کچھ گھبرائی ہوئی تھی۔اور وہ خوفزدہ نگاہوں سے مکان کا جائزہ بھی لے رہی تھی۔

زرینہ دونوں کو ایک کمرے میں لے گئی۔زرینہ نے نوازش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔”کیا مسئلہ ہو گیا تھا۔“

”اس شہر میں تیرا ایک ہی تو بھتیجا ہے سراج۔“ نوازش نے اپنے سینے پر ہاتھ رکھتے ہوئے بہانے سے زرینہ کو یہ بتا دیا کہ اُس نے اپنا فرضی نام اس لڑکی کے آگے کیا ظاہر کیا ہوا ہے۔زرینہ بھی ایک کھلاڑی تھی۔بات کو سمجھنے میں دیر نہ لگائی۔

”ہاں ہاں کیوں نہیں سراج کیوں نہیں۔“ زرینہ بھی مسکرائی۔

”یہ یہاں ڈاکٹر فلک شیر سے ملنے کے لئے آئی ہیں۔لیکن پتہ بھول گئیں۔وہ تو شکر ہے کہ میں انہیں مل گیا اور یہاں لے آیا ہوں۔آپ اسے رات یہاں رکھ لیں۔صبح میں ڈاکٹر فلک شیر کو مل کر انہیں وہاں لے جاؤں گا۔“

”یہ ڈاکٹر فلک شیر کون ہے۔“ زرینہ نے پوچھا۔

”اتفاق سے میں اُنہیں جانتا ہوں۔“ نوازش نے کہا اور پھر سیماں کی طرف متوجہ ہو کر بولا۔”آپ اطمینان سے یہاں رہیں اور آرام کریں۔کل میں سیدھا اُن کی طرف چلا جاؤں گا۔“

”مجھے ابھی اُن کے پاس جانا ہے۔“ سیماں نے کہا۔

”اس وقت تو ان کا کلینک بند ہوتا ہے۔“ نوازش نے نرمی سے کہا۔

”گھر چلتے ہیں۔“ سیماں نے استدعا کی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"مجھے صرف اُن کے کلینک کا پتہ ہے۔اُن کا گھر کہاں ہے یہ میں نہیں جانتا۔دراصل ہمارا آفس اُن کے کلینک کے عین سامنے ہے۔اس لئے جونہی آپ نے اُن کا نام لیا تھا تو میرے ذہن میں آ گیا۔کچھ جان پہچان بھی ہے۔یہی وجہ ہے کہ میں کچھ ان کا فیملی بیک گراؤنڈ بھی جانتا ہوں۔" نوازش نے ہوشیاری سے کہا۔اُس کا لہجہ ایسا شیریں تھا کہ کوئی بھی پھسل جائے۔"آپ گھبرائیں نہ یہ آپ کا ہی گھر ہے۔اطمینان سے رات بسر کریں۔"

"بیٹی میں اس کی خالہ ہوں۔لیکن تم یہ سمجھو کہ اپنی ماں کے گھر میں ہو۔" زرینہ نے انتہائی پیار سے کہا کہ سیماں کا ڈر اور ہر طرح کا ابہام ایسے دور ہوا کہ جیسے زرینہ کی اس بات میں جادو تھا۔زرینہ کی عمر کا ایک حصہ ایسی باتوں سے دوسروں کو پھسلاتے ہوئے گزر گیا تھا' ایک گاؤں کی مڈل پاس لڑکی کو اپنی باتوں کے شیشے میں اتارنا تو اس کے لئے کوئی معنی ہی نہیں رکھتا تھا۔

"خالہ ان کا خیال رکھنا میں کل آؤں گا۔" نوازش نے کہا۔

"تم بے فکر ہو کر جاؤ۔اور ہاں اپنی ماں سے کہنا کہ بہن کی یاد نہیں آتی ہے کیا۔کتنے دن ہو گئے ہیں اس گھر میں آئے ہوئے۔" زرینہ کے لہجے میں شکوہ تھا۔

"تم تو جانتی ہی ہو خالہ امی کی شوگر آئے دن بڑھی رہتی ہے۔کہیں آنا جانا ہی نہیں ہوتا۔"

"کل آؤں گی تمہاری طرف اور لڑ کر لے آؤں گی اُسے۔" زرینہ نے کہا۔

"میں کہہ دوں گا۔" نوازش نے کہا اور جانے لگا تو پھر بولا۔"خالہ اس تکلیف کی ایک بار پھر معافی چاہتا ہوں۔تم تو جانتی ہو کہ ہمارا گھر چھوٹا اور رہنے والے زیادہ ہیں۔اس لئے انہیں یہاں لے آیا تھا۔" نوازش نے اپنے لہجے میں ایسی عاجزی پیدا کر لی تھی کہ جیسے وہ واقعی اس کے لئے بہت ہی ممنون ہو۔

"تکلیف تکلیف کئے جا رہا ہے۔ایک دوں تیرے منہ پر تو پھر پتہ چل جائے گا کہ تکلیف کیا ہوتی ہے۔" زرینہ نے ڈانٹا۔

"اچھا اچھا۔" نوازش ہنسا اور کہتا ہوا چلا گیا۔

سیماں دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔ان کی اس چالباز گفتگو کا اثر اُس پر یہ ہوا

کہ وہ اور بھی مطمئن ہو گئی کہ یہ شریف اور بھلے لوگ ہیں۔زرینہ اُسے دوسرے کمرے میں لے گئی جہاں وہ اُسے کچھ کھانے کے لئے دینے کے ساتھ ساتھ یہ بھی دریافت کرنے والی تھی کہ وہ کون ہے' کہاں سے آئی ہے اور یہاں کیوں آئی ہے؟زرینہ نے اپنی بیٹیوں کو بھی اس کمرے میں بلا لیا' جو چھپ کر سارا ڈرامہ دیکھ رہی تھیں۔

❁✪❁

"ایسی بات تھی تو بختاں پہلے بتاتی۔اَب پانی ناک تک آ گیا ہے تو بتانے کا کیا فائدہ ہوا؟" ساری بات سننے کے بعد یاور حیات نے فرزند کی طرف دیکھتے ہوئے تاسف سے کہا۔فرزند کے ساتھ نصیر اور نثار بھی بیٹھے ہوئے تھے'ایک طرف سکینہ بیٹھی تھی' اُس کے ساتھ بختاں سر جھکائے ہوئی تھی۔جبکہ دوسری طرف سکندر اور نوید براجمان تھے۔راحیلہ باہر دروازے کے ساتھ لگ کر کھڑی اُن کی باتیں سن رہی تھی۔

راحیلہ اپنے کمرے کی کھڑکی کے پاس کھڑی اُس موبائل فون پر گلزار خان کے ساتھ باتیں کر رہی تھی جو اُس نے آج ہی اُسے دیا تھا کہ اچانک فرزند علی اور اُس کے بیٹوں کو حویلی میں آتا دیکھ کر اُس نے بات ختم کی اور موبائل فون اپنے سرہانے کے نیچے رکھا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔

گلزار مسلسل فون کر رہا تھا لیکن سائی لینٹ پر لگے ہونے کی وجہ سے آواز سرہانے کے نیچے سے باہر نہیں آ رہی تھی۔سیماں کے بارے میں جان کر راحیلہ کو بھی شدید حیرت ہوئی تھی۔اور خوف سے اس کا دل اس لئے بھی دھک دھک کرنے لگا تھا کیونکہ محبت کا جرم اُس سے بھی سرزد ہو چکا تھا۔

"یہی تو اس کی غلطی تھی۔" فرزند نے تاسف سے سر جھٹک کر کہا۔"پہلے بتا دیتی تو نوبت یہاں تک نہ آتی۔یہ بات میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ فلک شیر نے سیماں کو ورغلایا ہے۔اُس کی معصومیت کا فائدہ اُٹھایا ہے ورنہ وہ ایسا کبھی نہیں کر سکتی تھی۔"

"شہر میں رہ کر وہ تیز ہو گیا ہے۔یہ اُس نے ثابت کر دیا ہے کہ اس کی رگوں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں کمینی عورت کا خون ہے۔''یاور حیات نے سوچتے ہوئے نفرت سے کہا۔''اَب کرنا کیا ہے؟''

''پاء منظور کی طرف چلتے ہیں اور اُسے بتاتے ہیں کہ جس کی رگوں میں سکھاں کا گندا خون دوڑ رہا ہے اس نے میری معصوم بچی کو ورغلا کر میری عزت مٹی میں ملادی ہے۔''فرزند کا غصہ ایک بار پھر باہر آ گیا تھا۔

''میں تو کہتا ہوں تایا ابا کی طرف جانے کی کوئی لوڑ نہیں ہے۔تھانے چلتے ہیں اور فلک شیر کے خلاف اغوا کا پرچہ کٹوادیتے ہیں۔''نصیر نے دانت پیس کر کہا۔

''ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ایسا کرنے سے بات باہر نکل جائے گی اور ہماری بدنامی ہوگی۔''یاور حیات نے کہا۔''بہتر ہے کہ پاء منظور سے بات کی جائے اور اُسے کہا جائے کہ وہ سیماں کو واپس لے کر آئے۔''

''لیکن میرا خیال ہے کہ فلک شیر اَب شہر میں نہیں ہوگا۔وہ سیماں کے ساتھ کہیں اور چلا گیا ہوگا۔''فرزند نے اپنا خیال ظاہر کیا

''کہیں اور کیوں چلا گیا ہوگا؟''سکینہ نے پوچھا۔

''وہ یہ جانتا ہے کہ اس کی اس جرأت کا کیا نتیجہ ہوسکتا ہے۔''فرزند نے غصے سے کہا۔''بہت بُرا کردیا ہے اُس نے بہت بُرا۔''

''یہ بھی دیکھ لیں گے۔پہلے پاء منظور کی طرف چلتے ہیں۔''یاور حیات نے کہا اور اُٹھ کھڑا ہوا۔

''میں فلک شیر کو اَب زندہ نہیں چھوڑوں گا۔''سکندر نے اچانک کہا۔اُسے وہ بات یاد آ گئی تھی جب اُس نے اپنی حویلی میں فلک شیر کی باتوں ہی باتوں میں تذلیل کی تھی اور فلک شیر وہاں سے چلا گیا تھا۔سکندر کو اچانک خیال آ گیا تھا کہ فلک شیر نے سیماں کو اغوا کر کے اس بات کا بھی بدلہ لیا ہے۔

''ابھی ایسی نادانی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔پہلے سیماں کو بازیاب کرانا ہے۔''فرزند نے سمجھانے کے انداز میں کہا اور وہ منظور احمد کی حویلی کی طرف چلے گئے۔

زرینہ نے میٹھی اور اپنائیت سے بھرپور باتوں کا ایسا جال بچھایا کہ سیماں کے لئے کچھ بھی چھپانا ممکن ہی نہ رہا اور اُس نے سب کچھ اُس کے آگے بیان کردیا کہ وہ اپنے گاؤں سے شہر تک کیوں آئی۔ایسا ضرور تھا کہ اُس نے اپنی باتوں میں علی گوہر کا نام کہیں بھی نہیں لیا تھا۔

زرینہ کے ساتھ اُس کی تینوں بیٹیاں بھی براجمان تھیں۔سب کا تعارف بھی اُس نے کرایا تھا۔زرینہ کو شک تھا کہ یہ لڑکی کسی کے پیچھے یہاں تک آئی ہے۔اس لئے اُس نے جب اپنائیت سے بھری باتوں کا منہ کھولا تو سب سے پہلے اپنی ایک بیٹی کا تذکرہ کچھ اس طرح سے کیا کہ صاف بتادیا کہ اُس کی یہ لڑکی اپنی پسند کے لئے گھر سے بھاگ گئی تھی اور پھر ہم نے ان دونوں کی مانتے ہوئے بیٹی کی منگنی اُسی جگہ کردی جہاں اس کی خواہش تھی۔زرینہ اس بات کو مانتی تھی کہ اگر کسی سے کوئی بات اگلوانی ہے تو پھر ماحول ایسا بنادو کہ وہ بھی اس میں رچ جائے اور کہنے میں کوئی رکاوٹ مانع نہ رہ جائے۔اُس نے ایسا ہی کیا تھا۔اعتماد میں لینے کی اس چالبازی میں سیماں سے حقیقت جاننے میں اُسے کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔زرینہ کا شک درست نکلا تھا۔

''شکر کرو کہ تم پر سراج کی نظر پڑ گئی۔اور تم یہاں آ گئی ہو۔ورنہ یہ شہر ہے۔ایک دلدل ہے۔جو بھی پاؤں دلدل میں جاتا ہے اُسے وہاں سے اُٹھانا آسان کام نہیں ہوتا ہے۔''زرینہ نے کہا۔''لیکن مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی۔''

''وہ کیا؟''سیماں نے پوچھا۔

''اگر اُس نے تجھے بلایا تھا اور اپنا ڈرائیور تمہیں لینے کے لئے بھیجا تھا تو پھر وہ ڈرائیور تجھے اُس کے گھر تک کیوں نہیں لے کر گیا۔اور اگر نہیں لے کر گیا تو وہ خود تجھے لینے کے لئے کیوں نہیں آیا؟''زرینہ نے اپنا خیال ظاہر کیا۔

''یہ تو مجھے بھی نہیں پتہ۔''سیماں نے معصومیت سے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

''لیکن مجھے لگتا ہے کہ اُس نے تمہارے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔''

''دھوکہ......؟''سیماں نے چونک کر زرینہ کی طرف دیکھا۔

''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اُس کی کوئی مجبوری بھی ہو جو عین وقت پر اُس کے پاؤں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں زنجیر کی طرح پڑ گئی ہو۔" زرینہ نے منہ بنا کر کہا۔ "لیکن میرا شک ہے کہ وہ جان بوجھ کر تجھے لینے کے لئے نہیں آیا۔ تجھے اُس نے بس بلایا تھا۔ کوئی بدلہ شدلہ لیا ہے اُس نے۔"

زرینہ کی بات سن کر سیماں گھبرا گئی۔ خوف اور وسوسے اُس کی آنکھوں سے عیاں ہونے لگے۔ یہ بھی خیال یکدم آ گیا کہ سکندر نے جو اُس کی حویلی کے اندر بے عزتی کی تھی یہ اُس کا بدلہ تو نہیں ہے......؟ زرینہ بھی ایک مشاق عورت تھی۔ سیماں نے جتنا اُس جگہ کھڑی ہو کر فلک شیر کا انتظار کیا تھا' زرینہ کو یہ ہی لگا تھا کہ فلک شیر اُسے جان بوجھ کر لینے نہیں آیا تھا۔ اور دوسری بات یہ تھی کہ سیماں کے ذہن میں اُس نے یہ بات ڈالنے کی بھی کوشش کی تھی کہ وہ اس کے ذہن میں تغیر اور شکوک کی وہ چادر چڑھا دے کہ سیماں کے لئے واپس جانا بھی ممکن نہ رہے اور وہ آگے کی بھی نہ سوچے۔

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا ہے۔ ضرور اُسے کوئی مجبوری آ گئی ہو گی۔" سیماں نے یکدم کہا۔ اُس کا دل یہ ماننے کے لئے تیار ہی نہیں تھا۔

"ہو سکتا ہے' میں نے تو ایسا پہلے ہی کہا تھا۔ لیکن میری دوسری بات بھی جھٹلائی نہیں جا سکتی ہے۔"

سیماں چپ ہو کر سوچنے لگی۔ وہ تذبذب کا شکار ہو گئی تھی۔ اس کی یہ صورتِ حال دیکھ کر زرینہ کے ساتھ لگی اُس کی بڑی بیٹی نے پوچھا۔

"اگر آپ کا خیال ٹھیک نکلا تو پھر بے چاری سیماں تو واپس جانے کے قابل بھی نہیں رہ جائے گی۔ آپ جیسی ماں تو ہر جگہ نہیں ہوتی ناں کہ بیٹی نے دہلیز پار کی تو اُسے معاف بھی کر دیا اور اُس کی بات بھی مان لی۔ سُنا ہے کہ گاؤں والے تو ایک بار دہلیز پار کر کے جانے والی کے ٹکڑے کر دیتے ہیں۔"

سیماں کے دل پر یہ بات سن کر جیسے تلوار چل گئی ہو۔ وہ کانپ گئی۔ زرینہ نے فوراً سیماں کو اپنے سینے سے لگا کر کہا۔ "خدا نہ کرے کہ ایسا ہو۔ لیکن اگر ایسا ہو گیا تو میری تین کی بجائے چار بیٹیاں ہوں گی۔"

❁✪❁

منظور احمد اور اُس کی بیوی نور بانو نے جیسے ہی ساری بات سنی' منظور احمد تو دم بخود اپنے بھائیوں کی طرف دیکھتے کا دیکھتا ہی رہ گیا جبکہ نور بانو کے چہرے پر ایک طنزیہ مسکراہٹ آئی اور چھپ گئی۔

وہ سب نشست گاہ میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ناصر کا بھی یہ سنتے ہی خون کھول اُٹھا تھا۔ منظور احمد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ ان کی بات سن کر کیا کہے۔ پھر وہ بولا۔

"یہ تم لوگوں کا خیال ہے کہ سیماں' فلک شیر کے ساتھ چلی گئی ہے......"

"سیماں کو فلک شیر لے گیا ہے۔ ہم سب کے منہ پر اُس نے اتنی زور کا تھپڑ مارا ہے کہ ہمارے منہ سے اس تھپڑ کی تکلیف کی اگر آواز نکل گئی تو بدنامی ہمارے پیروں کے ساتھ لپٹ جائے گی۔" فرزند نے فوراً بات کاٹ کر کہا۔ اس کا لہجہ اپنے بڑے بھائی کے سامنے دھیما تھا لیکن اُس کے اندر غصے کا جو الاؤ جل رہا تھا اُس کی تپش سب ہی محسوس کر رہے تھے۔

"میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایک خیال ہے۔ پکا پتہ تو نہیں ہے کہ وہ فلک شیر کے ساتھ ہی گئی ہے۔"

"آپ کا مطلب کیا ہے کہ وہ گاؤں کے کسی اور لڑکے کے ساتھ بھاگ گئی ہے۔"

فرزند کی آواز بڑے بھائی کے آگے کچھ اُونچی ہو گئی تھی۔ اور وہ منظور احمد کو آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے لگا تھا۔

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔ میرا کہنے کا مقصد یہ ہے کہ......" منظور احمد کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے بھائیوں کو اپنی بات کیسے سمجھائے۔ جو وہ کہنا چاہتا تھا شاید اس پریشانی میں وہ بات کسی کی سمجھ میں ہی نہ آئے۔ اس لئے اُس نے بات بدل دی اور کہا۔ "ٹھیک ہے میں ابھی شہر جاتا ہوں۔"

"آپ شہر کیوں جائیں گے؟" یکدم نور بانو نے کہا۔ "اُس نے اس خاندان کی عزت مٹی میں ملانے کی کوشش کی ہے۔ اُسے منہ نہ لگانے کا نتیجہ ہے کہ اُس نے ہم سب سے یہ بدلہ لیا ہے۔ اس خاندان کی عزت کو وہ اغوا کر کے لے گیا اور ابھی تک آپ کی آنکھیں بند ہیں۔ آج تو آپ اس رشتے کو ہر طرح سے توڑ دیں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟" منظور احمد نے اُس کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا مطلب صاف ہے۔میں یہاں حق کی بات کروں گی۔میرا ساتھ دیں یا پھر مجھے کچھ بھی کہنے کے لئے منع کر دیں۔" نور بانو نے کہتے ہوئے سب کی طرف دیکھا۔

"آپ بات کریں کیا کہنا چاہتی ہیں۔" فرزند نے کہا۔

"میں اتنا ہی کہنا چاہتی ہوں۔آج یہ آپ سب کے سامنے اُس سے ہمیشہ کے لئے رشتہ ختم کر دیں اور یہ اُس بدذات کے پیچھے نہیں جائیں گے۔میرا ناصر جائے گا۔نصیر' سکندر جائے گا۔جس نے ہم سب کی آنکھوں میں چھرا گھونپا ہے' اُسے ہمارے بچے ایسی سزا دیں گے کہ وہ جینے کی ہر سانس کے ساتھ اپنے کئے پر پچھتاتا ہی رہے گا۔" نور بانو کا لہجہ تلخ اور تیز تھا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" منظور احمد نے کہا۔

"بھرجائی ٹھیک کہہ رہی ہے پاء منظور......اُس کی سزا یہی ہے کہ موت کے لئے بھیک مانگے۔" فرزند نے فوراً کہا۔

"پاگل مت بنو۔میں جاتا ہوں اور اگر اُس نے ایسی حرکت کی ہوگی تو پھر میں اُسے سزا دوں گا۔"

"کی ہوگی کا کیا مطلب ہے منظور احمد؟ تم اس حقیقت کو ماننا نہیں چاہتے یا آنکھیں چرا رہے ہو۔بختاں نے جو کچھ کہا ہے کیا وہ کافی نہیں ہے کہ تمہارے اُس لاڈلے نے ہم سب کی عزت کو مٹی میں ملا دیا ہے۔" نور بانو فوراً بولی۔"منظور احمد آج اتنی بڑی بات ہو جانے پر تو اپنے خاندان کا ساتھ دے دو۔اُس ایک کے لئے خاندان کو پیچھے چھوڑ کر مت جاؤ۔"

"میں اس خاندان کے ساتھ ہی ہوں۔" منظور احمد نے کہا۔

"تو پھر آپ بیٹھ جائیں۔آپ کو جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" نور بانو نے کہا۔

"تم سب میری بات سمجھنے کی کوشش کرو......" منظور احمد نے کہنا چاہا۔

"آج نہیں پاء منظور......" یکدم فرزند علی نے اُس کے سامنے کھڑا ہو کر کہا۔"بھرجائی ٹھیک کہہ رہی ہے۔اُسے سزا ہم دیں گے۔یہ بچے اُس کے ٹوٹے کر دیں تو میں اپنی ساری جائیداد مقدمے میں لگا کر بھی ان کو بچا لوں گا۔بڑے سے

بڑا وکیل کھڑا کر دوں گا۔پیسہ پانی کی طرح بہا دوں گا' لیکن آج ہم تمہاری بات کو نہیں مانیں گے۔اُس نے میرے ساتھ ہی نہیں اس خاندان کے ساتھ دھوکہ کیا ہے۔"

"فرزند ٹھیک کہہ رہا ہے۔وہ میری ہونے والی بہو ہے۔اس خاندان کی عزت ہے۔فلک شیر کو ہم آسانی سے نہیں چھوڑیں گے۔" یاور حیات بھی اُٹھ کھڑا ہوا۔

"ایسی باتیں کر کے آپس میں لڑنے کا سامان مت کرو اور میری بات کو ٹھنڈے دل سے سنو کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔" منظور احمد کی آواز سارے خاندان کے سامنے کمزور تھی

"بس ابا جی بس! اب تو بس کر دیجئے۔کب تک اُس کا ساتھ دیتے رہیں گے۔کب تک؟" ناصر بولا۔"اس معاملے میں مَیں بھی آپ سے بغاوت کرتا ہوں۔اُس کی سزا موت ہی ہے۔" ناصر کا لب ولہجہ سن کر منظور احمد اور بھی دنگ رہ گیا تھا۔

میر تاج کی حویلی کی چھت تلے اُس کا سارا خاندان کھڑا تھا۔منظور احمد ایک طرف اور باقی سب دوسری طرف تھے۔ایسی دراڑ نے جنم لے لیا تھا کہ بڑے بھائی کی سننے کے لئے کوئی تیار نہیں تھا۔شاید تقدیر نے اُس دن اسی وقت کے لئے میر تاج سے یہ فیصلہ کرایا تھا کہ وہ سکھاں کے بطن سے جنم لینے والے بیٹے کو حویلی سے نہ جانے دے۔

منظور احمد ایک طرف اکیلا ہی کھڑا دم بخود یہ دیکھ رہا تھا کہ کوئی بھی اُس کی بات سننے اور ماننے کے لئے تیار نہیں تھا۔کوئی بھی نہیں......یہاں تک کہ اس کی اُولاد بھی اُس کے ساتھ نہیں تھی۔سب کا یہی فیصلہ تھا کہ وہ فلک شیر کو جان سے مار دیں گے۔سیماں کو اتنی ہی خاموشی سے حویلی میں پھر سے لے آئیں گے اور کسی کے کانوں کان خبر نہ ہوگی کہ اس حویلی پر کیا قیامت گزری تھی۔منظور احمد لاچار اور بے بس کھڑا تھا۔

❋

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جو آگ علی گوہر نے فرزند علی کے حویلی کو لگا کر اُس کی تپش دوسری حویلیوں تک پہنچانے کا سامان کیا تھا' اب یہ ممکن نہیں تھا کہ تینوں حویلیوں میں ایک ہلچل برپا نہ ہو' سب کے تن بدن میں غصے اور نفرت کی آندھی رگوں میں دوڑنے والے خون میں شامل نہ ہو اور فلک شیر کو وہ اس جرأت کی سزا دینے کے لئے وہ کسی بھی حد تک جانے کے لئے تیار نہ ہوں' ایسا ممکن نہیں تھا۔ یہ سوچ علی گوہر کے دماغ میں شروع سے ہی تھی۔ اس لئے وہ تینوں بھائیوں کو اُن کے ڈیرے میں ملنے کے بعد سیدھا اپنے گھر آیا بڑے بھائی سے یہ کہہ کر جیپ نکال لی کہ وہ اپنے ایک دوست کی دعوت پر جا رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اُس کی واپسی کل صبح ہو۔

جانے سے پہلے علی گوہر کی نگاہیں رخسانہ کے گھر پر جا رکیں۔ جہاں ابھی کچھ دیر پہلے ہی ڈھولک کی آواز آنا بند ہوئی تھی۔ کل دوپہر کو رخسانہ کی بارات تھی اور پھر اُس نے اس گاؤں سے رخصت ہو کر اپنے سسرال چلی جانا تھا۔ کچھ دیر تک وہ 'رُخسانہ کے گھر کی طرف دیکھتا رہا۔ کچھ یادیں آنکھوں کے پردے پر ناچنے لگیں' اپنے انتقام کے بھینٹ جو قربانی دی اُس پر افسوس بھی ہوا' دکھ کی لہر بھی اُٹھی' لیکن رُخسانہ کے سوا اور کوئی نہیں تھا جو ناصر کے منہ پر تھپڑ مار سکتا اور باپ بیٹے میں رنجش جنم لیتی۔ اور پھر اُس نے جیپ آگے بڑھا دی۔

گاؤں سے نکلتے ہوئے علی گوہر نے فلک شیر کو فون کیا اور اُسے تاکید کی کہ وہ اپنا موبائل فون بند رکھے۔ فلک شیر اُس کی بات سن کر حیران ہوا۔ لیکن علی گوہر نے سختی سے کہا کہ وہ اپنا موبائل فون بند رکھے اور کسی سے بھی رابطہ کرنے کی کوشش نہ

کرے' میں تمہاری طرف ہی آ رہا ہوں آ کر سب بتاتا ہوں۔ فلک شیر نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے اپنا موبائل فون بند کر دیا اور علی گوہر کے آنے کا انتظار کرنے لگا۔

انتظار......اور پھر ایسا انتظار جس میں بے چینی کی تپتی زمین ہو' وسوسوں کی لُو ہو' پریشانی کی موجیں ہوں' وہ انتظار کتنا نہیں' طویل ہی ہوتا جاتا ہے۔ ایک ایک لمحہ ڈسنے لگتا ہے۔ ایسی ہی حالت فلک شیر کی بھی تھی۔ وہ ایک ہی بات سوچ رہا تھا کہ کیا ہو گیا ہے کہ علی گوہر نے اُسے موبائل فون بند کرنے کا بھی کہا ہے اور وہ خود بھی اُس کی طرف آ رہا ہے۔ ان خیالوں اور سوچوں میں بمشکل وقت گزرا اور علی گوہر اُس کے گھر آ گیا۔

"کیسے ہو فلک شیر۔" علی گوہر نے گھر میں داخل ہوتے متانت سے پوچھا۔

"بالکل ٹھیک ہوں۔ تم سناؤ؟" فلک شیر نے کہا۔ اُس کی بے چینی بدستور موجود تھی۔ اور سوالیہ نگاہیں اُس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

"تمہارے لئے ایک بُری خبر ہے فلک شیر۔" وہ بولا۔ "اسی لئے میں خود تمہارے پاس آیا ہوں۔" علی گوہر نے کسی تمہید کو باندھنے کی بجائے سیدھی بات کی۔

"کیا بُری خبر ہے؟" فلک شیر یکدم سنجیدہ ہوتے ہوئے چونک کر بولا۔

"تمہاری حویلی میں جائیداد کی تقسیم کی باتیں ہو رہی تھیں۔ تمہارے باپ نے جب یہ کہا کہ جائیداد میں فلک شیر کا بھی حصہ برابر کا ہو گا تو ایک ہنگامہ کھڑا ہو گیا۔ کوئی بھی تمہیں حصہ دینے کے لئے رضامند نہیں تھا۔ بات بڑھی تو تلخ کلامی تک چلی گئی۔ یونہی شروع ہونے والی بات اتنی خطرناک ہو جائے گی اس کا کسی کو بھی علم نہیں تھا۔ مجھے جو خبر ملی ہے وہ یہ ہے کہ ابھی شاید وہ تمہاری طرف نکل آئیں۔ تجھے مارنے کے لئے۔" علی گوہر نے کہا۔

"لیکن میں سب کچھ چھوڑ کر ایک طرف ہو گیا ہوں۔ مجھے کچھ نہیں چاہئے۔ میں اُن سے کہہ دیتا ہوں۔" فلک شیر نے کہا۔

"اُس سے کچھ نہیں ہو گا۔ ناصر کے سر پر خون سوار ہو گیا ہے اور وہ تجھے مار دینا چاہتا ہے۔ اُس کے ساتھ تمہارے سارے چاچا زاد ہیں۔ ناصر کی ماں اُس کا پورا ساتھ دے رہی ہے۔ تم ابھی اس جگہ سے کہیں اور چلے جاؤ۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میں کہیں اور کیوں جاؤں۔ میں لکھ کر دے دیتا ہوں کہ مجھے جائیداد میں سے کچھ نہیں چاہئے؟" فلک شیر نے کہا۔

"اس سے مسئلہ حل نہیں ہوگا۔ یہ یاد رکھو کہ تم سکھاں کے بیٹے ہو۔ پورا گاؤں اسی کے نام کے ساتھ تیرا نام لیتا ہے جو اب ہر کسی کی برداشت سے باہر ہے۔ اُنہیں تو جیسے موقعے کی تلاش تھی۔ اس لئے وہ پاگل ہو گئے ہیں۔ ابھی یا پھر کل کسی بھی وقت وہ یہاں پہنچ سکتے ہیں۔ تم صلح کے لئے بھی اُن کی طرف ہاتھ بڑھاؤ گے تو وہ تمہارا ہاتھ کاٹ دیں گے۔ تم ابھی یہ جگہ چھوڑ دو۔" علی گوہر نے تیز لہجے میں کہا۔ "تم جانتے نہیں ہو کہ آگ کس قدر بھڑک چکی ہے۔"

"لیکن......" فلک شیر نے کہنا چاہا۔

"لیکن ویکن چھوڑو۔ اور میرے ساتھ چلو۔ یہاں کوئی آس پاس کسی شہر میں تمہارا کوئی دوست ہے جو تجھے چند دنوں کے لئے اپنے پاس رکھ سکے۔" علی گوہر نے غصے کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں ہے۔" فلک شیر نے بادل نخواستہ کہا۔

"چلو چلیں۔" علی گوہر نے کہا۔ "اپنا ضروری سامان ایک بیگ میں ڈال لو۔" فلک شیر کھڑا رہا۔ وہ تذبذب کا شکار تھا۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ علی گوہر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ "دیکھو میں تمہیں اس کی اطلاع فون پر بھی دے سکتا تھا۔ میں خود اس لئے آیا ہوں کہ حالات کی سنگینی کا مجھے علم ہے یا پھر دیتو کو جسے تمہاری فکر کھائے جارہی تھی۔ چند دنوں کیلئے تم یہاں سے چلے جاؤ گے اور حالات میں جیسے ہی بہتری آئے گی میں تمہیں اطلاع کر دوں گا۔"

"حالات میں کیسے بہتری آئے گی؟ اگر اُنہوں نے مجھے مارنے کے لئے ارادہ کر ہی لیا ہے تو پھر جب تک میں ختم نہیں ہوجاتا وہ کیسے سکون سے بیٹھیں گے۔" فلک شیر نے کہا۔

"مجھے کوئی ایسی دنیا کی بات بتاؤ جس کا حل نہ ہو؟ ہر بات کا حل ہے لیکن اگر اُسے اطمینان اور سکون کے ساتھ سوچا جائے تو...... مہینوں لگی جنگ کو بند کرنے کا حل بھی سوچ بچار میں ہے۔ پہاڑوں میں راستے بھی تب ہی بنتے ہیں جب اُن راستوں

کو تراشنے کے لئے سوچا جاتا ہے۔ تم اگر اُن کا سامنا کرنا چاہتے ہو تو کہیں مت جاؤ۔ یہاں رک کر ان کا انتظار کرو اور دیکھو کہ کیا وہ تمہیں بات کرنے کا موقعہ دیتے کہ سیدھی گولی کی زبان استعمال کرتے ہیں۔ میں پاگل ہوں کہ تجھ سے اپنی دوستی نبھانے کے لئے آ گیا۔ وہ بوڑھا دیتو جس نے مجھے یہ سب بتایا۔ بہتر تھا کہ آتا ہی نہ اور جب وہ تمہیں کوئی بھی نقصان پہنچا دیتے تو میں اس پچھتاوے کے ساتھ آنسو بہاتا رہتا کہ کاش تو مرنے سے پہلے ایک بار اپنی بدقسمت ماں کو دیکھ لیتا۔" علی گوہر نے فلک شیر کو جذباتی لفظوں کے حصار میں لینے کے لئے متانت سے تیز لہجے میں کہا۔ اور اپنے ہاتھ کی اُنگلیاں بالوں میں پھیر کر ایک طرف یوں بیٹھ گیا جیسے اُسے اس بات کا تاسف ہو کہ فلک شیر اس کی بات مان کر اپنا نقصان کر رہا ہے۔

فلک شیر نے علی گوہر کی طرف دیکھا اور سوچا کہ وہ اس کا سچا دوست ہے۔ اسی لئے تو وہ اتنی رات کو بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا ہے اور اُسے کسی محفوظ جگہ پر پہنچانا بھی چاہتا ہے۔ اگر اس کے دل میں اس کے لئے اتنی ہمدردی نہ ہوتی تو وہ محض اسے فون پر اطلاع دے کر گاؤں سے نکلنے کی تکلیف نہ کرتا۔ اُسے علی گوہر کی یہ بات بھی اچھی لگی کہ فوراً اور جلد بازی میں سوچیں منتشر موجوں کی طرح ہوتی ہیں جو کسی کنارے پر نہیں رکتی ہیں۔ اس لئے بہتر ہے کہ وہ چند دنوں کے لئے یہاں سے روپوش ہو کر اطمینان سے اس بارے میں سوچے اور کسی بھی نقصان سے محفوظ رہے۔ ورنہ شاید وہ کبھی بھی اپنی ماں کو دیکھ نہ پائے گا۔ اُس کے چچا زاد اُس کے دشمن تو تھے ہی اب وہ جان کے دشمن ہو گئے ہیں تو کوئی بعید نہیں جائیداد کے لئے تو سگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا جاتا ہے وہ تو پھر سوتیلا ہے۔

"ٹھیک ہے میں چلتا ہوں۔" فلک شیر نے کہا۔ "ساتھ ہی ایک قصبہ ہے وہاں میرا ایک دوست رہتا ہے وہاں چلتے ہیں۔"

"اپنا موبائل نمبر بدل لو۔" علی گوہر فوراً بولا۔

"میں نیلم کو اطلاع کرنا چاہتا ہوں۔" فلک شیر نے رک کر کہا۔

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں اُنہیں سب کچھ بتادوں گا۔" علی گوہر نے کہا۔ فلک شیر اُسے ایک بار نیلم سے ملوا چکا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فلک شیر اپنی جگہ سے اُٹھا اور الماری سے بیگ نکال لیا۔اپنے کپڑے اور کچھ ضروری چیزیں رکھیں اور علی گوہر سے کہا کہ وہ جانے کے لئے تیار ہے۔علی گوہر اُسے لے کر باہر نکل گیا۔فلک شیر نے موبائل میں نئی سم ڈال لی تھی جو وہ کبھی کبھار ہی استعمال کرتا تھا اور اُس کا نمبر شاید ہی کسی کے پاس تھا۔فلک شیر نے اپنا ضروری سامان رکھنے کے بعد کمرے کا ایک اور گھر کا جائزہ لیا' الماریوں کو مقفل کیا اور اُن کی چابیاں ایک مخصوص جگہ پر رکھ دیں جہاں دوسرے کی نظر اور سوچ کم ہی جا سکتی تھی۔

وہ قصبہ شہر سے پچاس کلومیٹر دور تھا۔وہ ایک خوبصورت قصبہ تھا۔اس جگہ فلک شیر کا دوست صفدر رہتا تھا۔صفدر کا باپ بہت سی زمینوں کا مالک تھا۔اُس کی ایک شوگر مل اور گتے کی دو فیکٹریاں بھی تھیں جو کہ اَب اُس کے بیٹے چلا رہے تھے۔صفدر خود ایک گتے کی فیکٹری سنبھال رہا تھا۔فلک شیر اور صفدر ایک ساتھ پڑھتے رہے تھے اور ہوسٹل میں ایک ہی کمرے میں مقیم بھی رہے تھے۔بعد میں وہ فلک شیر کے ساتھ اُس کے گھر میں بھی رہتا رہا تھا۔اور جب بھی وہ یا اُس کی فیملی کا کوئی بھی فرد شہر کام کے سلسلے میں آتا تھا تو وہ فلک شیر کے پاس ضرور آتا تھا۔ضرورت پڑتی تو وہ رات بھی اُس کے پاس ہی گزارتے تھے۔اس طرح سے صفدر کی ساری فیملی اُسے جانتی تھی۔

فلک شیر نے گھر کو اچھی طرح سے تالا لگا دیا تھا۔علی گوہر جیپ تیزی سے اُس قصبے کی طرف دوڑا رہا تھا۔رات کا وقت اور ٹھنڈک بڑھی ہوئی تھی۔علی گوہر کے دماغ میں اس وقت کئی سوچیں تھیں جو کہ وہ آنے والے وقت کے لئے سوچ رہا تھا جبکہ فلک شیر کے ذہن میں ایک ہی سوچ تھی کہ وہ سنا کرتا تھا کہ جائیداد کے لئے بھائی نے بھائی کو مار دیا' آج وہ خود اس حقیقت کا ایک حصہ بن گیا ہے۔

❁✪❁

منظور احمد کی حویلی میں سب ہی جمع تھے۔

نصیر فون کر رہا تھا اور سب خاموش اُس کی طرف دیکھ رہے تھے' بار بار کوشش کے بھی فلک شیر کا موبائل فون بند مل رہا تھا۔اس بات نے شک کو اور بھی تقویت دی تھی۔منظور احمد کو بھی حیرت ہوئی تھی کیونکہ اُس نے جب بھی کبھی بھی اور کسی بھی وقت

فلک شیر کو فون کیا تھا' وہ بند نہیں ہوتا تھا۔منظور احمد ایک بار فلک شیر کے ساتھ بات کرنا چاہتا تھا اسی لئے اُس نے نصیر کو اپنا موبائل فون دیا تھا کہ وہ فلک شیر کا نمبر ملائے۔

''اَب کیا کہتے ہو پاءِ منظور؟''فرزند نے دو قدم منظور احمد کی طرف بڑھاتے ہوئے پوچھا۔''اُس کا فون بند ہے؟ اُس کے علم میں یہ بات ہے کہ جو اس نے کیا ہے اُس سے یہاں قیامت ضرور برپا ہوگئی ہوگی۔اسی لئے اُس نے فون بند کیا ہوا ہے سارے رابطے ختم کئے ہوئے ہیں۔اب کوئی شک نہیں رہا ہے؟''فرزند یکدم چیخ پڑا تھا۔اس کا لہجہ کرخت ہوگیا تھا۔اور آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔

منظور احمد چپ رہا۔کہنے کے لئے اس کے پاس جیسے کچھ نہیں رہا تھا۔اُس کا دل کہہ رہا تھا کہ فلک شیر آستین کا سانپ ثابت ہوا ہے۔اُس کی وجہ سے آج اس کے بھائی بھی اس کی کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں تھے۔وہ سب کے سامنے کسی مجرم کی طرح کھڑا تھا۔بیوی اور بیٹا بھی سامنے کھڑے ہوگئے تھے۔وہ عجیب اُلجھن میں پھنس گیا تھا۔

منظور احمد نے اپنے دونوں بھائیوں اور پھر اُن کی اُولادوں کی طرف دیکھا۔کچھ دیر توقف کے بعد منظور احمد بولا۔''فلک شیر نے جو بھی کیا وہ اچھا نہیں کیا۔اَب یہ میری ذمہ داری ہے کہ میں سیماں کو بحفاظت واپس اس حویلی میں لے کر آؤں۔میں سویرے ہی شہر چلا جاؤں گا' میرے ساتھ نصیر اور سکندر جائیں گے۔میں تم سب سے یہ وعدہ کرتا ہوں کہ فلک شیر کو اس حویلی میں لا کر اُس کے ساتھ وہی سلوک کروں گا جیسا تم سب کہو گے لیکن میرے علاوہ کوئی اُسے تب تک ہاتھ نہیں لگائے گا جب تک میں حکم نہ دوں گا۔''منظور احمد نے کہہ کر اپنے دونوں بھائیوں کی طرف دیکھا۔حویلی میں ایک سناٹا چھایا ہوا تھا۔سب ایک دوسرے کا منہ دیکھ رہے تھے۔فرزند اور یاور حیات نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔خاموشی اور آنکھوں میں باتیں ہوئیں اور پھر فرزند نے کہا۔

''ہمیں یہ منظور ہے۔لیکن کل سویرے کیوں' آج اور ابھی کیوں نہیں۔''

''ٹھیک ہے۔سویرے کی بجائے ہم ابھی جاتے ہیں۔''منظور احمد نے اُس کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

"لیکن مجھے نہیں لگتا کہ وہ اپنے اُس گھر میں ملے گا۔" یاور حیات نے اپنا اندیشہ بیان کیا۔

"جانا تو ہے۔ دیکھ لیں گے۔" منظور احمد نے کہا۔

"ناصر ساتھ کیوں نہیں جائے گا؟" اچانک نور بانو نے پوچھا۔

"جو بیٹا' باپ کے آگے سر اور آنکھیں اُٹھا کر کھڑا ہوجائے تب وہ باپ کی طاقت اور فخر نہیں رہتا' وہ خود ایک طاقت بن جاتا ہے۔ اور ایسی طاقت جو منہ زور گھوڑے کی طرح ہوجائے اُس سے دور رہنا ہی بہتر ہے۔" منظور احمد نے اپنے دل کا غبار نکالتے ہوئے جواب دیا۔

"معاف کرنا منظور احمد...... تم یہاں باپ نہیں بن سکے۔ ورنہ اُس دن اُس کے باپ کو آنکھیں نکال کر جواب دیتے کہ تمہاری بیٹی جو چاہتی تھی وہ نہ ہوا تو اُس نے ناصر پر غصے سے ہاتھ اُٹھا دیا۔ پورے گاؤں میں اس بات کا چرچا ہے۔ سب کے منہ اُسی دن بند ہوں گے جس دن ناصر اُس تھپڑ کا بدلہ لے گا۔ مت لے کر جاؤ ناصر کو ساتھ۔ لیکن ناصر اُس سے بدلہ لے یہ میری بھی خواہش ہے۔" نور بانو نے اپنے مخصوص تیز لہجے میں کہا۔ "اُس دن میں رخسانہ کے گھر اس لئے نہیں گئی تھی کہ میں اُس کی خوشی میں شریک ہورہی ہوں۔ میں دیکھنا چاہتی تھی کہ وہ کون ہے جس نے ایسی جرأت کی تھی۔"

"نور بانو...... ہر کام کا ایک طریقہ ہوتا ہے۔ شکار کے لئے دبے پاؤں آگے بڑھنا پڑتا ہے کہ شکار کو پتہ بھی نہ چلے کہ کوئی اس کی طرف آرہا ہے۔" منظور احمد نے کہنا چاہا۔

"جیسے تمہارا لاڈلا دبے پاؤں بڑھا اور سر پر ڈانگ مار کر چلتا بنا۔" نور بانو کے لہجے میں تمسخر تھا۔

"نور بانو......" منظور احمد کو غصہ آگیا تھا۔

"یہ باتیں بعد میں بھی ہوسکتی ہیں۔ جو معاملہ اس وقت ہے پہلے اُس کا حل نکالنا ہے۔" اچانک یاور حیات نے مداخلت کی اور منظور احمد جو کچھ کہنا چاہتا تھا' چپ

ہوگیا۔

"نوید...... ڈرائیور سے کہو کہ وہ گاڑی نکالے۔" منظور احمد نے کہا اور نوید باہر نکل گیا۔

کچھ دیر کے بعد سب ہی اِدھر اُدھر بکھر گئے اور فرزند نے سکندر کو ایک طرف لے کر رازداری سے کہا۔ "سیماں ملتے ہی فلک شیر کو گولی مار دینا۔ میں سب سنبھال لوں گا۔" سکندر نے فرزند کی طرف دیکھا اور معنی خیز انداز میں سر ہلا دیا۔

❁✪❁

فلک شیر کو اچانک رات کے اس پہر اپنے سامنے دیکھ کر صفدر کو خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ علی گوہر نے یہاں بھی اپنے دماغ کا استعمال کیا تھا اور فلک شیر کو صفدر کے بہت بڑے گھر سے کچھ ہی فاصلے پر اتار دیا تھا۔ اور اکیلا ہی اُس کے پاس جانے کے لئے کہا تھا۔ فلک شیر نے اس کی وجہ پوچھی تو علی گوہر نے بلا تامل کہا تھا۔

"میری عقل یہ ہی کہتی ہے کہ تم اکیلے ہی جاؤ اور میرا کوئی ذکر نہ کرو۔ بعض باتیں انسان سوچتا نہیں ہے اُس کے دل و دماغ میں اُتر آتی ہیں۔ شاید وہ اُس کی بہتری کے لئے ہوتی ہیں؟"

"ٹھیک ہے۔" فلک شیر نے کندھے اچکا کر کہا۔

"میں تم سے رابطے میں رہوں گا۔" علی گوہر نے متانت سے کہا۔

"تھینکس...... شکریہ۔" فلک شیر نے اُس کی طرف ممنون نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"یہ کہہ کر تم دوستی کی توہین کر رہے ہو۔" علی گوہر نے کہا اور مسکرا کر اپنی جیپ کا رُخ تبدیل کیا اور سیدھا اپنے گاؤں کی طرف چل پڑا۔

صفدر ابھی سویا نہیں تھا جب اُسے ملازم کے ذریعے سے فلک شیر کے آنے کی اطلاع ملی اُسے خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔ فلک شیر کو اپنے سامنے دیکھ کر صفدر اُس سے فوراً بغل گیر ہوگیا اور اپنے کمرے میں لے گیا۔

"اس وقت تکلیف کی معذرت چاہتا ہوں۔ معاملہ ہی کچھ ایسا ہوگیا تھا کہ مجھے یہاں اس وقت آنا پڑا۔" فلک شیر نے کمرے میں آتے ہی اپنا بیگ ایک طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

رکھتے ہوئے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ اُسے اچانک دیکھ کر صفدر کو جہاں خوشی ہوئی ہے وہاں اُس کے لئے یہ حیرت کا بھی مقام ہے۔

''میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے مجھے ایسی تکلیف دی جو مجھے اچھی لگی ہے۔'' صفدر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''مجھے پریشانی میں تمہارے پاس آنا پڑا۔'' فلک شیر نے کہا۔

''کیا پریشانی ہوگئی ہے؟'' صفدر نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا

''اَب تم سے میرا کچھ چھپا ہوا تو نہیں ہے۔ تم سب جانتے ہو۔ بات دراصل یہ ہے کہ میرے چاچا زاد میری جان کے دشمن ہوگئے ہیں۔'' فلک شیر نے اختصار سے بتانے کی کوشش کی۔

''وہ دشمن ہوگئے ہیں ...... کیوں؟'' صفدر نے متحیر نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''میرے باپ نے مجھے بھی جائیداد کا حصے دار قرار دیا تھا۔ وہ بات برداشت نہیں ہوئی اور وہ میرا قصہ ہی ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ نہ رہے بانس اور نہ بجے بانسری۔'' فلک شیر نے بتایا۔

''لیکن تم نے تو ایک بار کہا تھا کہ تم اپنے باپ کے پیسے سے ڈاکٹر بن گئے ہو، اپنے پیروں پر کھڑے ہوگئے ہو، مجھے اور کچھ نہیں چاہئے۔'' صفدر نے کہا۔

''میں تو اپنی بات پر آج بھی قائم ہوں۔ لیکن یہ تو اُن کے آپس کے جھگڑے کا فیصلہ ہے۔ جس کے لئے مجھے اپنی جان بچانے کے لئے نکلنا پڑا۔'' فلک شیر نے کہا۔

''ترازو کے ایک طرف اگر بھائی اور دوسری طرف جائیداد اور پیسہ رکھا ہوا ہو تو بھائی کے جھکے ہوئے پلڑے کو بے وزن کرنے کے لئے اُس کے جسم سے سارا خون نکال لینا ہم منظور کر لیتے ہیں۔ یہ ہماری بے حسی کی انتہا نہیں ہے کیا؟'' فلک شیر نے تاسف سے کہا۔

''مجھے سن کر واقعی افسوس ہوا ہے۔'' صفدر نے کہا۔

''کسی کو بھی یہ نہیں پتہ چلنا چاہئے کہ میں یہاں ہوں۔ میرا مطلب ہے کہ شہر یا گاؤں سے اگر کوئی تم سے رابطہ کرے۔'' فلک شیر نے تاکید کی۔

''تم فکر نہ کرو کسی کو بھی پتہ نہیں چلے گا۔ ویسے ہم پولیس سے بھی مدد لے سکتے ہیں۔'' صفدر نے اپنا خیال پیش کیا۔

''ابھی نہیں۔ ایک ہمدرد دوست اس معاملے کو دیکھ رہا ہے۔ ضرورت ہوئی تو پھر سوچ لیں گے۔'' فلک شیر نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔

''ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ لیکن جب تک بھی یہاں ہو مزے سے رہو۔ کھاؤ پیؤ اور عیش کرو۔'' صفدر نے کہا۔

علی گوہر رات کے اندھیرے میں واپس گاؤں آ گیا تھا۔ کسی کو کانوں کان بھی یہ خبر نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس گاؤں سے باہر بھی گیا تھا کہ نہیں۔ علی گوہر نے اپنی جیپ کھڑی کی اور سیدھا اپنے ڈیرے کی طرف چلا گیا۔ تالا کھولا اور چپ چاپ اپنے بستر پر لیٹ گیا۔

علی گوہر واپس آ گیا تھا اور منظور احمد اپنے دونوں بھتیجوں، ایک ڈرائیور اور محافظ کے ساتھ شہر پہنچ گیا تھا۔ اُن کی پجیرو سیدھی فلک شیر کے گھر کے سامنے جا کر رکی۔ منظور احمد باہر نکلا جبکہ باقی سب پجیرو میں ہی بیٹھے رہے تھے۔

جونہی منظور احمد نے اپنا ہاتھ بیل کی طرف بڑھایا اُس کی نگاہ دروازے کی طرف گئی جہاں ایک بڑا تالا دکھائی دے رہا تھا۔ منظور احمد نے تالے کی طرف دیکھا اور واپس پجیرو کی طرف چل پڑا۔

''کیا ہوا تایا جی؟'' جیسے ہی منظور احمد پجیرو میں بیٹھا نصیر نے پوچھا۔

''گھر کو تالا لگا ہوا ہے۔'' منظور احمد کی آواز میں غصے کی آمیزش تھی جیسے وہ برداشت کے تنگ رخنوں سے باہر نکلی ہو۔

نصیر اور سکندر نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر نصیر نے پوچھا۔ ''اَب کیا کرنا ہے۔''

منظور احمد سوچنے لگا۔ اَب تو اُسے بھی یقین ہو گیا تھا کہ سیماں کو فلک شیر نے ہی اغوا کیا ہے اور وہ سیماں کو لے کر کہیں چلا گیا ہے۔ منظور احمد نے جواب دینے کی بجائے ڈرائیور کو حکم دیا۔ ''ضیا کی طرف چلو۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

پجیرو کو ڈرائیور نے گیئر میں ڈالا اور پجیرو آگے چل پڑی۔ جس علاقے میں ضیا احمد کی کوٹھی تھی وہاں تو دن کو خال خال کوئی دکھائی دیتا تھا' رات کے اس پہر تو وہاں سوائے چوکیداروں اور اُن کی تیز سیٹیوں کے کچھ سنائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ جب بھی کوئی چوکیدار کسی بھی جگہ سے سیٹی مارتا تو خاموشی پاش پاش ہوجاتی تھی۔

پجیرو ضیا احمد کے بہت بڑے بنگلے کے سامنے رکی تو ڈرائیور نے ہارن بجایا۔ کچھ ہی دیر کے بعد اندر موجود چوکیدار نے گیٹ کی کھڑکی سے باہر جھانکا' منظور احمد نے پجیرو کا دروازہ کھول کر باہر دیکھا اور ہاتھ اُٹھا کر اشارہ کیا۔ چوکیدار نے جیسے ہی منظور احمد کو دیکھا کھڑکی بند کی اور گیٹ کھول دیا۔ اُسے یہ اجازت تھی کہ منظور احمد دن یا رات کے کسی بھی پہر آئے تو بلا اجازت اُس کے لئے گیٹ کھول دیا جائے۔

پجیرو اندر چلی گئی۔ منظور احمد نے ملازم سے پوچھا۔ ''ضیا احمد سو رہا ہے۔''

''جی صاحب...... میں اُنہیں آپ کے آنے کی اطلاع دیتا ہوں۔'' ملازم نے مستعدی سے کہا۔

منظور احمد نے اپنی گھڑی پر وقت دیکھا اور ملازم سے کہا۔ ''ضیا کو ابھی بتانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم بھی آرام کریں گے۔ صبح وہ جاگ جائے تو ہمارا بتا دینا۔''

منظور احمد کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے وہ اُنہیں بنگلے سے متصل گیسٹ ہاؤس میں لے گیا۔ جہاں تینوں کے لئے آرام دہ کمرے تھے۔ جبکہ منظور احمد کے ڈرائیور اور محافظ کو وہ دوسری طرف لے گیا۔ منظور احمد کی آنکھوں سے نیند دور تھی اور نفرت عیاں تھی۔ وہ بیڈ پر لیٹنے کی بجائے بیٹھ گیا اور سوچنے لگا کہ فلک شیر نے ایسا کیوں کیا......؟ اگر دونوں کے بیچ میں کچھ تھا تو وہ اُس سے بات تو کرتا وہ کسی بھی طرح سے فرزند کو منا لیتا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فلک شیر بات کرنے کی ہمت نہ رکھتا ہو اور سیماں اس خیال سے اپنی ماں کے ساتھ اس کا تذکرہ کرتی ہو کہ وہ کسی طرح سے بات آگے بڑھائے اور اُس کی ماں نے آگے کسی سے بات ہی نہیں کی اور دونوں نے یہ قدم اُٹھا لیا...... ایسی کئی سوچیں تھیں جو منظور احمد کے دماغ میں رینگ رہی تھیں۔

⊛✪⊛

سورج نے اپنی آنکھ کھولی تو پہلی کرن نے دم توڑتے اندھیرے کی طرف دیکھا اور رفتہ رفتہ اُجالے نے چارسُو اپنے پَر پھیلا لئے اور ایک نئے دن کا آغاز ہوگیا۔

صبح سویرے علی گوہر سیدھا فرزند علی کی حویلی میں چلا گیا۔ ملازم کو اُس نے کہا کہ وہ چوہدری فرزند کو اطلاع دے کہ میں آگیا ہوں ہم نے گائے دیکھنے کے لئے جانا ہے۔ ملازم اُس کی بات سن کر اندر چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد وہ واپس آیا اور بولا۔

''چوہدری صاحب کہتے ہیں آج نہیں جانا۔''

''ارے آج کیوں نہیں جانا۔ وہ گائے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ تم مجھے چوہدری صاحب کے پاس لے چلو۔'' علی گوہر نے فوراً کہا۔

''علی گوہر ہمیں اس کی اجازت نہیں ہے۔'' ملازم نے کہا۔

''میں کوئی بیگانہ ہوں۔ اس گاؤں کا ہوں۔ مجھے اُن کے پاس تو لے جاؤ۔ وہ نسلی گائے نکل گئی تو ہاتھ ملتے رہ جائیں گے۔'' علی گوہر گیٹ کے پاس اُونچی آواز میں بول رہا تھا۔ اُس کی آواز سن کر فرزند جو ایک طرف بیٹھا تھا' اس طرف آگیا اور غصیلے لہجے میں بولا۔

''کیا بات ہے۔ کیا شور مچایا ہوا ہے۔''

''یہ علی گوہر......'' ملازم نے سہم کر علی گوہر کی طرف اشارہ کیا۔

فرزند علی غصے سے اُس کے پاس آگیا اور بولا۔ ''کیا ہے علی گوہر...... تجھے اس نے بتایا نہیں ہے کہ میں نے نہیں جانا۔''

''وہ گائے......'' علی گوہر نے کہنا چاہا۔

''چل دفع ہو۔ ہم جب چاہیں گے ویسی دس گائیں خرید لیں گے۔ چھوڑ دروازہ اور اپنا کام کر۔'' فرزند نے غصے اور بدتمیزی سے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔ وہ تو رات بھر اپنی پریشانی کی آگ میں جلتا رہا تھا۔ نیند آنکھوں سے اجنبی رہی تھی۔ کسی پل بھی اُسے سکون نہیں ملا تھا۔ یہ اُس کے اندر کا اضطراب تھا جو اُس نے علی گوہر پر غصے کی شکل میں عیاں کیا تھا۔ یہی حالت علی گوہر دیکھنا چاہتا تھا۔ جسے دیکھ کر وہ دل ہی دل میں مسکرایا کہ اُس نے میر تاج کے بیٹوں کا چین اور رات کی نیند چھین لی ہے۔ یہ سب دیکھنے کے لئے ہی تو علی گوہر نے گائے کی بات چھیڑی تھی۔ ورنہ کونسی گائے اور

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہاں کی گائے۔ وہ مسکراتا ہوا واپس چل پڑا۔

❁ ✪ ❁

زرینہ نے سیماں کی طرف دیکھا جو اُداس اور اپنی ہی سوچوں میں مخمور نیچے قالین پر دیوار کے ساتھ ٹیک لگائے بیٹھی ہوئی تھی۔ رات نیند کا ایک خفیف جھونکا بھی اُس کی آنکھوں کے پاس نہیں بھٹکا تھا۔ وہ ایک ہی بات سوچتی رہی تھی کہ فلک شیر کیوں نہیں آیا۔ اُس کی اس سوچ کا جواب ساری رات جاگ کر بھی اُسے نہیں ملا تھا۔

''کیا سوچ رہی ہے؟'' زرینہ نے پوچھا۔ دوسرے کمرے میں نوازش موجود تھا جو صبح ہی آ گیا تھا۔ اور زرینہ نے اُسے سب بتا دیا تھا کہ اس کا کیا نام ہے اور کس چکر میں شہر آئی ہے۔ ساری بات سن کر نوازش معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا۔ سیماں کے پاس زرینہ کو بھیج کر وہ خود ابھی اس کمرے میں ہی رک گیا تھا۔

سیماں اُس کی طرف دیکھ کر چونکی۔ ''میں نے کیا سوچنا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے کہ سوچوں کو میں مل گئی ہوں۔ اَب یہ مجھے کھا جائیں گی۔''

''ایسا کیوں بولتی ہے تُو۔ ابھی سراج آتا ہی ہوگا۔'' زرینہ نے تسلی دینے والے لہجے میں کہا اور اُس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔ زرینہ کا لب و لہجہ ایسا تھا کہ جیسے وہ اس کی سگی ماں ہو۔ ایسی اپنائیت تھی کہ سیماں کو اس میں اسیر کرنے کے لئے دو بوند ہی بہت تھیں۔

''دل ڈر رہا ہے۔'' سیماں نے عجیب نگاہوں سے زرینہ کی طرف دیکھا۔

''تُو مایوس ہو رہی ہے۔ جب بندا مایوسی کے اندھیرے میں اُترنے لگتا ہے تو پھر اُسے لگتا ہے کہ اَب جو بھی ہوگا وہ ٹھیک نہیں ہوگا۔ مایوسی کے ان اندھیروں کو ایک ہی چیز ہے جو پاس آنے نہیں دیتی' اور وہ ہے اُمید کی وہ کرن جو روشنی کی اس لَو کے ساتھ بندھی ہوئی ہو کہ بہتر ہوگا' اور اچھا ہوگا۔'' زرینہ نے اُس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

''آپ کی باتیں کتنی اچھی ہیں خالہ۔ حوصلہ دے دیتی ہیں۔'' سیماں نے کہا۔

''خالہ......؟ اگر تم اس رشتے کو کوئی نام دینا ہی چاہتی ہو تو خالہ کی بجائے ماں کا

دو...... مجھے میری تین بیٹیاں امی کہتی ہیں تم بھی مجھے امی کہا کرو۔ میں تو وہ ہوں جو ایک قدم میری طرف بڑھاتا ہے میں اُس کی طرف چار قدم چل کر جاتی ہوں۔ میری تین بیٹیاں ہیں۔ مجھے ہر لڑکی میں اپنی بیٹی ہی نظر آنے لگتی ہے۔'' زرینہ نے پیار بھرے لہجے میں کہا۔

اسی اثنا میں دروازے پر ہلکی دستک ہوئی۔ زرینہ نے آنے کی اجازت دی تو نوازش کا مکروہ چہرہ نمودار ہوا۔ اُس نے آتے ہی سلام کیا۔ سیماں نے چونک کر بے چینی سے اُس کی طرف اپنی نگاہیں مرکوز کر دیں۔ ان نگاہوں کی چمک میں کچھ جاننے کی بے چینی تھی۔ ایک ایسا اضطراب تھا جو بہت عیاں تھا۔

''سراج! اچھا ہوا کہ تم وقت پر آ گئے ہو۔ یہ بے چاری تو بہت پریشان ہے۔'' زرینہ نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میں ابھی ابھی فلک شیر کی طرف سے ہی آ رہا ہوں۔'' سراج نے متانت سے کہا اور پاس ہی قالین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ گیا۔ سیماں اور بھی مضطرب ہو گئی تھی۔ اُس کی آنکھوں میں بے تابی صاف عیاں تھی۔

''پھر کیا ہوا؟'' زرینہ نے پوچھا۔

سراج نے تذبذب سے زرینہ کی طرف دیکھا اور پھر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔ ''خالہ...... کیا ان کا اور فلک شیر کا آپس میں کوئی......''

''کیا یم یم کر رہا ہے کھل کر بات کر۔ مجھے بھی پریشان کر رہا ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے ہیں اور سیماں کو فلک شیر نے بلایا تھا۔ اَب بول آگے کیا کہنا چاہتا ہے۔'' زرینہ نے یکدم تیز لہجے میں یوں کہا جیسے اُسے نوازش کی طویل کرنے والی بات اس پریشانی میں قطعاً پسند نہ آئی ہو۔

نوازش نے فوراً کہا۔ ''بس یہی وجہ ہوئی ہے۔ جیسے ہی یہ اپنے گاؤں سے نکلی وہ بھی اس کے پیچھے نکل پڑے اور فلک شیر کو اُٹھا کر لے گئے۔'' نوازش نے کہہ کر چور نگاہوں سے سیماں کی طرف دیکھا جو سنتے ہی خوف سے لرز گئی تھی۔ اور منجمد نگاہوں سے نوازش کی طرف دیکھے جا رہی تھی۔ وہ پھر بولا۔ ''لیکن ایک بات کی مجھے سمجھ نہیں آئی کہ اُنہیں کیسے پتہ چلا کہ یہ فلک شیر کے پاس شہر آئی ہے؟'' نوازش اور زرینہ نے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ایک ساتھ سیماں کی طرف دیکھا۔

سیماں سوچنے لگی اور پھر اپنی لرزتی آواز سے بولی۔ ''میں نے فلک شیر کے بارے میں امی کو بتایا تھا۔ میرے جانے کے بعد انہوں نے......''

''بس حقیقت کھل گئی اور وہ شہر آ گئے۔ اس سے پہلے کہ دونوں ایک دوسرے سے ملتے وہ فلک شیر کو لے گئے۔'' نوازش نے فوراً بلا تامل کہا۔

''کہاں لے گئے ہیں؟'' سیماں نے تڑپ کر پوچھا۔

''اب یہ کیا پتہ کہ وہ کہاں لے گئے ہیں۔ ابھی مجھے جتنا پتہ چلا وہ میں نے بتا دیا ہے۔ مزید پتہ کر کے اور بتاتا ہوں۔ تب تک خالہ یہ یہاں رہ لے کوئی ہرج تو نہیں ہے یا پھر یہ واپس چلی جائے؟'' نوازش نے کہا۔

''جب تک کوئی بات سرے نہیں لگ جاتی یہ میرے پاس رہے گی۔ اور واپس نہیں جائے گی۔ اس کے ساتھ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔'' زرینہ نے کہا۔ یہ سن کر سیماں سہم کر زرینہ کے ساتھ چمٹ گئی اور اُس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ خوف پورے جسم میں خون کے ساتھ دوڑنے لگا تھا۔ نوازش اُٹھا تو اس کے ساتھ ہی زرینہ، سیماں کو حوصلہ دیتی ہوئی دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

''بھولی سیماں نے آتے ہی اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا۔ اور ہمیں بھی کہانی فٹ کرنے کا موقع مل گیا۔ اَب آئے گا مزہ۔ جب سیماں کے عوض اس کے امیر خاندان سے ایک موٹی رقم مانگی جائے گی۔'' نوازش نے دوسرے کمرے میں آتے ہی خوش ہوتے ہوئے کہا اور زرینہ بھی اُس کی بات سن کر خوشی سے ہنسنے لگی۔ وہ پھر بولا۔ ''ابھی میں ہسپتال جا رہا ہوں اور فلک شیر کا جائزہ لیتا ہوں کہ وہ کس حالت میں ہے۔''

''ہوشیار رہنا۔'' زرینہ نے کہا۔

''ہوشیار رہنے کی تجھے ضرورت ہے کیونکہ چڑیا تمہارے پاس ہے۔ اُڑ نہ جائے۔'' نوازش نے کہا۔

''یہ پنجرہ ریت کی دیواروں سے نہیں بنا ہوا کہ چڑیا اُڑ جائے۔'' زرینہ نے تنک کر کہا۔

⊛✪⊛

ضیا احمد کو جیسے ہی پتہ چلا کہ گیسٹ ہاؤس میں منظور احمد آیا ہوا ہے تو وہ اُس طرف چل پڑا۔ منظور احمد نے ساری رات ایک پل کے لئے بھی آنکھ نہیں لگائی تھی۔ ضیا احمد نے دروازے پر پہلے دستک دی اور جیسے ہی اجازت ملی وہ اندر چلا گیا۔ دونوں ایک دوسرے سے ملے، ضیا احمد نے محسوس کیا کہ منظور احمد کے اندر وہ گرم جوشی نہیں ہے۔ وہ تھکا ہوا ہے اور اُس کا چہرہ جیسے سرخ کوئلے کی طرح دہک رہا ہے۔

''کمال ہے تم آئے اور رات کو مجھے اطلاع بھی نہیں ہونے دی۔'' ضیا احمد نے شکوہ کرنے کے لہجے میں کہا۔

''یہ تو میرا گھر ہے۔ مہمان نہیں ہوں یہاں کہ رات کو جگا کر تم سے مہمان نوازی کراتا۔'' منظور احمد نے کہا۔

''کیا بات ہے وہ گرم جوشی وہ قہقہے اور چہرے کی مسکراہٹ کہیں دکھائی نہیں دے رہی ہے۔'' ضیا احمد نے اُس کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

''اُولاد جوان ہو جائے تو پھر اُس کے اختیار میں ہوتا ہے کہ وہ باپ کے چہرے کو ہنستا ہوا رکھے یا پت جھڑ کے سوکھے ہوئے اُس پتے کی طرح کر دے جو ہوا کے رحم و کرم پر سڑک پر رینگتا ہوا وقت پورا کرتا ہے۔'' منظور احمد نے متانت سے کہا۔

''تم دکھی لگ رہے ہو، خیریت تو ہے ناں؟'' ضیا احمد نے تشویش سے منظور احمد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تم میرے دوست ہو بھائی ہو، غم خوار ہو۔ یہ بات ابھی بھابی یا بچوں سے مت کرنا۔ اپنے تک رکھنا۔ بات کیا ہے تم کو ایک امانت سونپ رہا ہوں۔'' منظور احمد نے کہا۔

''تم فکر نہیں کرو میں کسی سے ذکر نہیں کروں گا۔ بات کیا ہے؟'' ضیا احمد کی تشویش دو چند ہو گئی تھی۔

''میں سکندر اور نصیر کے ساتھ آدھی رات کو فلک شیر کے پیچھے یہاں تک آیا ہوں۔ لیکن اُس کے گھر کے دروازے پر تالا پڑا ہوا ہے۔ اُس ناخلف نے میرے اعتماد کو اپنے پیر کی ٹھوکر سے گند کے اُس ڈھیر پر پھینک دیا ہے کہ میرے دل میں بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اَب اُس کے لئے نفرت ہی نفرت ہے۔‘‘منظور احمد نے دانت پیس کر کہا۔

’’کیا کیا ہے اُس نے؟‘‘ضیا احمد نے پوچھا۔

’’فرزند کی بیٹی......سیماں کو اغوا کرلیا ہے اُس نے۔‘‘منظور احمد نے بتایا تو ضیا احمد ہکا بکا اُس کی طرف دیکھنے لگا۔اُس کی خیرہ نگاہیں منظور احمد کے چہرے پر یوں مرکوز ہوگئی تھیں جیسے وہ پتھر کا بن گیا ہو۔

’’یہ تم کیا کہہ رہے ہو منظور احمد؟‘‘ضیا احمد کی آواز میں حیرت تھی۔

’’یہ حقیقت ہے۔میری حویلی میں اس وقت بھائیوں کی آنکھوں میں خون اُترا ہوا ہے۔سیماں کو صحیح سلامت واپس لے جانا میری ذمہ داری ہے اور فلک شیر اس جرم کی سزا کیا پاتا ہے اس کا فیصلہ بھی ہوگا۔‘‘منظور احمد نے کہا۔

ضیا احمد چپ ہوگیا۔اُس کا دل عجیب کشمکش میں مبتلا ہوگیا تھا۔جیسے بیچ سمندر میں کشتی دو کناروں کے درمیان کھڑی ہچکولے کھارہی ہو اور کسی ایک کنارے کی طرف جانا اُس کے لئے مشکل ہورہا ہو۔ایسی ہی حالت ضیا احمد کی بھی تھی۔وہ فلک شیر کے بارے میں سوچتا تو اُسے جیسے اس بات کا یقین نہیں ہوتا تھا اور منظور احمد کی بات سن کر بے یقینی کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی تھی۔اَب یہ دو دن پہلے کی بات تھی کہ نیلم کی رائے دریافت کرنے کے بعد ضیا احمد اور اُس کی بیوی نے یہ فیصلہ کیا تھا کہ وہ دو تین دن تک فلک شیر کے گاؤں جا کر منظور احمد سے فلک شیر اور نیلم کی بات کریں گے۔لیکن اس حقیقت نے ضیا احمد کی سوچوں کا شیرازہ بکھیر دیا تھا۔اُس کی فلک شیر کے بارے میں رائے منتشر ہوگئی تھی۔

’’کیا سوچ رہے ہو؟‘‘منظور احمد نے پوچھا۔

’’کچھ نہیں......اَب کیا ارادہ ہے؟‘‘ضیا احمد چونکا۔

’’یہی سوچ رہا ہوں کہ کیا کروں۔فلک شیر کا یوں غائب ہوجانا صاف ظاہر کرتا ہے کہ فلک شیر سیماں کو لے کر کہیں فرار ہوگیا ہے۔اَب اُسے کہاں تلاش کروں۔شہر ہے جیسے سمندر ہو۔اور آنکھیں ہیں تو صرف دو‘ کہاں اُسے تلاش کروں۔کچھ سمجھ میں نہیں آرہا ہے۔‘‘منظور احمد سوچتے ہوئے بولا۔

’’اس طرح تلاش کرنا تو ممکن نہیں ہے۔جانے وہ کہاں ہے۔اس شہر میں ہے

اس شہر سے باہر ہے۔ہوسکتا ہے کہ ابھی وقت لگے۔میرا خیال یہ ہے۔یہاں شہر میں میں اپنے طریقے سے فلک شیر کو تلاش کرتا ہوں۔اس کے بارے میں کوئی سراغ لگانے کی کوشش کرتا ہوں۔اُس کے گھر کے باہر خفیہ پہرہ لگا دیتا ہوں‘ اور جہاں جہاں میرا تعلق واسطہ ہے وہاں میں اپنے تعلق کو آزما کر کوشش کرتا ہوں کہ فلک شیر کا پتہ چلا سکوں۔‘‘ضیا احمد نے کہا۔

’’تمہاری بات ٹھیک ہے۔میں شام تک یہاں رکتا ہوں۔تم جو کرسکتے ہو وہ کرو۔شام تک دیکھتے ہیں کہ کیا نتیجہ نکلتا ہے۔‘‘منظور احمد نے سوچنے کے بعد کہا۔

’’ٹھیک ہے۔‘‘ضیا احمد نے اثبات میں سر ہلادیا۔وہ یہ سب جان کر پریشان ہوگیا تھا۔

❁✪❁

عام تعطیل ہونے کی وجہ سے روبی گھر میں ہی تھی۔نوازش بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔جب سے نوازش اور روبی کے درمیان تلخ کلامی ہوئی تھی دونوں کے درمیان بہت کم بات چیت ہوتی تھی۔اس وقت بھی روبی کچن میں کام کررہی تھی اور کچھ دیر پہلے ہی آنے والا نوازش ایک کرسی پر ڈھیر گنگنا رہا تھا۔سیماں اُس کے ہاتھ کیا لگی تھی اُسے نوٹوں کی موٹی موٹی گڈیاں دکھائی دینے لگی تھیں۔اُس کا دماغ اَب یہی سوچتا رہتا تھا کہ کس چال سے وہ سیماں کے عوض اُس کے باپ سے پیسہ وصول کرے گا کہ سانپ مار کر وہ لاٹھی بچا لے۔اچانک اُس نے گنگنانا بند کیا اور کچن کی طرف دیکھتے ہوئے بڑے پیارے سے بولا۔’’روبی......روبی ڈارلنگ......‘‘

نوازش کے رویے کا تغیر دیکھ کر روبی کو بھی حیرت ہوئی تھی لیکن اُس کے کام اور سوچ کی وجہ سے جو دراڑ اُن کے بیچ شادی کے فوراً بعد آگئی تھی وہ اُس زخم کی طرح تھی جو ہر وقت پورے جسم کو تکلیف میں ہی مبتلا رکھتا ہے۔روبی اُس کے مخاطب کرنے کے انداز کی طرف دھیان دیئے بغیر اپنے کام میں مصروف رہی تھی۔

’’میں نے کہا روبی ڈارلنگ......پلیز کم آن۔‘‘ایک بار پھر نوازش نے اُسی لہجے میں کہا۔اُس کا لہجہ بہت شائستہ تھا۔

’’کیا ہے؟‘‘روبی کچن کے دروازے کے پاس کھڑی ہوگئی اور متانت سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بولی۔

"اِدھر آؤ میرے پاس۔" نوازش نے کچھ فاصلے پر پڑی دوسری کرسی کھینچ کر اپنے پاس کر لی۔ روبی چند ثانئے وہاں کھڑی رہی اور پھر بادل نخواستہ چل کر اُس کرسی پر بیٹھ گئی۔ روبی کا چہرہ دوسری طرف تھا۔ نوازش نے اُس کی طرف دیکھا اور کہا۔

"ناراض ہو؟"

"یہ پوچھنا تھا تو مجھے یہاں بٹھانے کی کیا ضرورت تھی۔" روبی نے خشک لہجے میں کہا۔ "مجھ سے وہیں پوچھ لیتے۔"

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے کیوں ناراض ہو۔ لیکن میں اَب تمہاری اور ناراضگی مول نہیں لینا چاہتا۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ میں اس کام کر چھوڑ دوں جو ہم دونوں کے بیچ ناراضگی کا باعث بنا ہوا ہے۔" نوازش نے متانت سے روبی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"مجھے کچن میں کام ہے......" روبی کو اس کی بات پر یقین نہ آیا تو وہ اُٹھ کھڑی ہوئی۔ نوازش نے اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"میں سچ کہہ رہا ہوں۔ آج کل میں ایک نیا کاروبار شروع کرنے لگا ہوں۔ اُس میں کافی منافع نظر آ رہا ہے۔ تیری قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں وہ کام چھوڑ رہا ہوں۔" نوازش نے یقین دلانے والے لہجے میں کہا۔ نوازش نے اس سنجیدگی سے کہا کہ روبی بھی اُس کی طرف دیکھے بغیر نہ رہ سکی تھی۔ جس متانت سے بول رہا تھا' اُس کے لہجے میں یقین تھا۔

"تم نے میری قسم کھائی ہے۔" روبی نے متانت سے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں کیونکہ میں سچ کہہ رہا ہوں۔" نوازش نے کہا۔

"اور یہ نیا کاروبار کیا ہے؟" روبی نے پوچھا۔

"یہ پراپرٹی کا کام ہے۔ تم دُعا کرو کہ مجھے منافع اچھا ہو جائے۔ میں نے کچھ سرمایہ کاری کی ہے۔" نوازش نے کہا۔

"اس میں کتنا سچ ہے؟" روبی نے پوچھا۔

"تم ایسا کرو میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں وہ جگہ اور اس پراپرٹی کے کاغذات دکھاتا ہوں۔ یقین آ جائے تو ٹھیک ہے ورنہ میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔" نوازش نے کہا۔

"میں تمہاری بات پر ہی یقین کر لیتی ہوں لیکن اگر دھوکہ ہوا تو؟" روبی نے کہا۔

"تو جو تم سزا دو گی وہ مجھے منظور ہوگی۔" نوازش نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ "پلیز اَب ناراضگی چھوڑو اور مسکرا دو۔ میں سچ کہہ رہا ہوں میرا اعتبار کرو۔"

روبی اُس کی طرف دیکھتی رہی اور پھر ہولے سے مسکرا دی۔ نوازش خوشی سے چلایا۔ "یہ ہوئی ناں بات۔ اَب میں وہی کروں گا جو تم کہوں گی۔ کوئی بُرا کام نہیں ہوگا۔"

"اور اگر مجھے پتہ چل گیا کہ تم نے مجھ سے دھوکہ کیا ہے تو پھر میں یہ گھر چھوڑ دوں گی۔" روبی نے صاف کہا۔

"میں ایسی نوبت ہی نہیں آنے دوں گا۔" نوازش نے جھوم کر کہا۔ روبی ہنس دی۔ اور پھر کچن میں چلی گئی۔ کچھ دیر کے بعد نوازش کچن کے دروازے کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔

"روبی...... یہ اپنے ڈاکٹر فلک شیر صاحب بہت بڑے زمیندار کے بیٹے ہیں؟"

"ہاں۔" روبی نے اپنے کام میں مصروف سر ہلایا۔

"ان کا پورا خاندان ایک ساتھ گاؤں میں رہتا ہے؟" نوازش نے پوچھا۔ اور اُنگلی منہ میں ڈال کر اُس کا ناخن دانتوں سے چبانے لگا۔

"ہاں...... فلک شیر کے دو چاچا ہیں۔" روبی نے پھر کہا۔

"اُن کی بھی اولادیں ہوں گی؟" نوازش نے پوچھا۔

"ہاں ہیں۔ ایک بار فلک شیر بتا رہا تھا کہ اُس کے چاچا زاد بھائی اور بہنیں ہیں۔ تین حویلیاں ہیں۔ زمینیں' گائیں' بھینیں' نوکر چاکر بہت کچھ ہے۔" روبی بتانے لگی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"فلک شیر کی شادی مجھے لگتا ہے کہ خاندان میں ہی ہوجائے گی۔"نوازش نے پوچھا۔

"تم یہ سب کیوں پوچھ رہے ہو؟"روبی نے اپنا کام چھوڑ کر اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"اُس کے چاچا کی اُولادیں بھی جوان ہوں گی۔اور پھر یہ گاؤں کے لوگ اپنے خاندان سے باہر نکل کر شادیاں نہیں کرتے۔"نوازش نے اُس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔

"یہ آج تمہیں فلک شیر اُس کا خاندان اور اُس کی شادی کا خیال کیسے آ گیا؟"روبی نے پھر پوچھا۔

"انسان کا ذہن کسی بھی وقت کچھ بھی سوچ سکتا ہے۔دراصل میں کل اُس کے ہسپتال میں گیا تھا۔میرا پیٹ ٹھیک نہیں تھا۔تو ایسے ہی خیال آ گیا۔فلک شیر مجھے ملا نہیں تھا۔کیا گاؤں گیا ہوا ہے؟"

"مجھے معلوم نہیں ہے۔"روبی کہہ کر پھر سے پلیٹ دھونے لگی۔

نوازش کچھ دیر وہاں کھڑا رہا۔وہ مزید کچھ کہنا اور پوچھنا چاہتا تھا لیکن وہ رک گیا اور پھر وہاں سے ہٹ گیا۔

❀✪❀

رُخسانہ کی شادی میں فرزند علی، یاور حیات اور اُن کی بیویوں نے ایسے ہی شرکت کی تھی جیسے اُنہیں کوئی پریشانی نہیں ہے اور وہ بالکل خوش ہیں۔حاکم دین نے منظور احمد کے بارے میں پوچھا تو فرزند علی نے جھوٹ کا سہارہ لیتے ہوئے بتایا کہ اچانک شہر ایک کام نکل آیا جس کی وجہ سے اُنہیں فوراً جانا پڑا۔

شادی میں علی گوہر بھی شریک تھا۔وہ فرزند علی کی کرسی کے عین پیچھے بیٹھا ہوا تھا۔فرزند علی اور یاور حیات ایک دُوسرے کے برابر براجمان تھے۔اُن کے چہرے اُس نقاب کے پیچھے تھے جو کرب چھپانے کے لئے اُنہوں نے سجایا ہوا تھا۔وہ وہاں پر موجود لوگوں سے باتیں کررہے تھے اور علی گوہر مزہ لے رہا تھا۔پھر علی گوہر اُٹھ کر باہر نکل گیا۔دیتو اس وقت اندر آرہا تھا۔علی گوہر اُس کے سامنے کھڑا ہوگیا۔

"حویلی کے اندر اُبلتی ہوئی ہانڈی کی طرح کچھ پک رہا ہے چاچا دیتو۔"علی گوہر نے پوچھا۔

"کیا مطلب؟"دیتو نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"اَب مطلب مجھ سے تو نہ پوچھو۔تو جانتا ہے کہ میں اُڑتی ہوئی چڑیا کی اُڑان دیکھ کر یہ بتا دیتا ہوں کہ یہ دانے کی تلاش میں نکلی ہے کہ کسی کے پیچھے جارہی ہے۔"علی گوہر کا لہجہ معنی خیز تھا۔

دیتو نے اپنی نگاہیں دائیں بائیں گھمائیں اور کہا۔"پھر بات کریں گے۔"

"اَب کیا ہے؟تم بتانا نہیں چاہتے تو میں آنکھیں بند کرکے کسی کا چہرہ سامنے لا کر کچھ بتادوں؟"علی گوہر شرارت سے بولا۔

"علی گوہر تم چہرے پڑھ لیتے ہو پروفیسر کیوں نہیں بن جاتے۔"دیتو نے مسکرا کر کہا۔

"سوچا تھا لیکن مطلب کا طوطا نہیں مل رہا ہے۔"علی گوہر کہہ کر ایک بار پھر ہنسا۔

"چل ہٹ۔"دیتو نے ہوا میں ہاتھ مارا اور آگے چل پڑا۔علی گوہر نے چلتے ہوئے گلزار کو فون کیا اور جیسے ہی رابطہ ہوا وہ بولا۔

"تمہارا فون اتنا مصروف ہوتا ہے کہ لگتا ہے تجھے ایک کام کے سوا اور کوئی کام نہیں ہے۔"

"عشق کسی اور کام کے لئے چھوڑتا ہی نہیں ہے پیارے۔"دوسری طرف گلزار چہکا۔علی گوہر نے اپنی چکنی باتوں اور دوستانہ رویے سے اعتماد اور دوستی کے ساتھ بے تکلفی کا ایسا ماحول آپس میں پیدا کرلیا تھا کہ گلزار کو چند دنوں کی دوستی لگتی ہی نہیں تھی۔

"لگتا ہے خوب باتیں ہوتی ہیں۔"علی گوہر مسکرایا۔"کوئی بات یار مجھے بھی بتاؤ۔کوئی ایسی بات جس کا مجھے پتہ نہ ہو۔"

"اس کے لئے تجھے عشق کرنا پڑے گا۔"گلزار بولا۔

"عشق ہی تو کررہا ہوں اپنے ......کام سے۔"علی گوہر کی زبان کی نوک پر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

'انتقام' کا لفظ آتے آتے ہی رہ گیا تھا۔

"کام سے عشق کرو گے تو جو کام کا عشق ہے وہ نہیں کر پاؤ گے۔" گلزار کہہ کر ہنسا۔ "اچھا......تم سناؤ کیا ہو رہا ہے۔"

"تمہارے گاؤں آنے کی سوچ رہا ہوں۔" گلزار نے بلاتامل کہا۔

"سوچ کیوں رہے ہو آجاؤ......آجاؤ ابھی آجاؤ۔" وہ گرم جوشی سے بولا۔ "اسلام آباد سے میرے بڑے بھائی جان بھی آئے ہوئے ہیں۔اُن سے بھی ملواتا ہوں۔"

"لو پھر میں ایک گھنٹے کے اندر اندر آرہا ہوں۔" علی گوہر نے کہا اور فون بند کرکے جیب میں ڈال لیا۔کچھ ہی فاصلے پر ناصر کا ڈیرہ تھا۔اور ناصر باہر ہی ایک طرف چارپائی بچھائے نیم دراز تھا۔اس کے ساتھ نوید بیٹھا ہوا تھا۔

"تم دونوں شادی پہ نہیں گئے۔" علی گوہر نے دونوں کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

"ہاتھ پاؤں باندھے نہ ہوتے تو اس وقت میں ایسے اُس کی شادی پر جاتا کہ پورے گاؤں کو پتہ چل جاتا۔" ناصر جو پہلے ہی جلا بھنا بیٹھا تھا فوراً اپنی جگہ سے اُٹھ کر بولا۔

"تیرے ہاتھ پاؤں تو کھلے ہیں۔" علی گوہر نے جان بوجھ کر اُس کے ہاتھوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔اور ہولے سے مسکرایا۔

"علی گوہر......جا نکل یہاں سے ہم پہلے ہی سلگ رہے ہیں۔" نوید نے ہاتھ مارتے ہوئے اُسے جانے کا اشارہ کیا۔اُس کا لہجہ اُس کے ساتھ ایسے ہی تھا جیسے وہ گاؤں کے کسی عام سے لڑکے کو جانے کے لئے کہہ رہا ہو۔

"سلگتے سلگتے تم دونوں بجھ جاؤ گے۔" علی گوہر اُس کی پروا کئے بغیر مسکراتے ہوئے بولا۔ "ویسے اچھا کیا کہ تم شادی پر نہیں گئے۔وہاں گاؤں والے جمع ہیں۔ہر ایک کی اپنی الگ ٹولی ہے۔اور ہر کوئی دبے دبے اُسی دن کے واقعے کو لے کر بیٹھا ہوا جب رخسانہ نے ناصر کے منہ پر تھپڑ مار دیا تھا۔" علی گوہر نے آخری جملہ ایسے کہا جیسے اُسے یہ سب سُن کر خود اچھا نہیں لگا تھا۔

"اوئے علی گوہر......" ناصر یکدم اُٹھا اور غصے سے چیخا۔ "کیا بکواس کر رہا ہے۔"

"یہ میں نہیں وہ لوگ کہہ رہے ہیں۔تم تو جانتے ہی ہو کہ میں تو ایسا ہوں کہ کسی بھی ٹولی میں گھس جاتا ہوں۔مجھ پر ناراض کیوں ہوتے ہو۔مجھ غریب کا کیا قصور ہے۔بہتر ہے کہ میں چلا ہی جاؤں۔میں چلتا ہوں۔" علی گوہر نے کہا اور تیز تیز قدم یوں وہاں سے اُٹھائے جیسے ابھی ناصر اُسے گولی مار دے گا۔وہ آگے جا کر درختوں کے پیچھے ہوتا ہوا پھر اُن کے پاس ہی ایک چوڑے درخت کے عقب میں چھپ کر کھڑا ہو گیا اور اُن کی باتیں سننے لگا۔

ناصر تو پہلے ہی آگ بگولہ ہوئے بیٹھا تھا' علی گوہر کی اس بات نے اُسے اور بھی جیسے دہکتی ہوئی آگ میں پھینک دیا ہو۔برداشت کو اُس نے سوکھے پتوں کی طرح اپنے پیروں تلے سے روندا اور برق رفتاری سے چل پڑا۔اُس کے پیچھے نوید دوڑا۔

"کیا کرنے جا رہے ہو؟" نوید نے اُسے روک کر کہا۔

"اُس کے لاڑے کو گولی مارنے جا رہا ہوں۔" ناصر کی آنکھوں میں خون اُتر آیا تھا۔ "سارے لوگوں کی بولتی بند نہ ہوئی تو میرا نام بھی ناصر نہیں ہے۔"

"ایک بار سوچ لے ناصر تیرے گولی مارنے سے ہمارے خاندانوں میں بھی کیسی ہلچل ہو سکتی ہے۔سیماں اور فلک شیر کا معاملہ ابھی کسی سرے نہیں لگا ہے۔ایک نیا مسئلہ سب کے لئے مسئلہ ہی نہ بن جائے۔" نوید نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ "ابھی اپنے غصے کو پی جا۔اور صبر کر۔"

"جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" ناصر لاپروائی سے بولا۔وہ پھر چل پڑا۔

"میں تجھے کہتا ہوں ابھی مت کچھ بھی کر اور آرام سے بیٹھ جا۔" نوید نے اُس کے سامنے آکر اُسے روک لیا۔اور بولا۔ "وقت ہاتھ سے نکلا نہیں جا رہا ہے کہ اُس کے لاڑے کو پھر گولی نہیں لگے گی۔ابھی یہ مناسب وقت نہیں ہے۔" نوید نے کہا تو پہلے ناصر وہاں کھڑا پیچ تاب کھاتا رہا اور پھر جیسے ناصر کو اس کی بات کی سمجھ آگئی ہو۔وہ غصے سے کھڑا رہا اور پھر دانت پیستا ہوا واپس چارپائی کی طرف آگیا۔

درخت کے پیچھے کھڑے علی گوہر نے ناگوار سا منہ بنا کر ایسے کہا جیسے اُس کا نشانہ خطا ہو گیا ہو۔ "دھت تیرے کی۔"

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علی گوہر گھوم کر پھر اپنے گھر کی طرف آ گیا۔اُس نے اپنی جیپ نکالی تو سامنے سے اُس کا بڑا بھائی اسلم آ گیا۔

''اَب کہاں جا رہے ہو؟''اسلم نے اُسے روک کر پوچھا۔

''ایک دوست کی طرف جا رہا ہوں۔''علی گوہر نے بتایا۔

''کون سے دوست کی طرف جا رہے ہو؟''اسلم نے پوچھا۔

''یہاں ساتھ ہی ہے۔شام تک واپس آ جاؤں گا۔''علی گوہر نے گول مول سا جواب دیا۔

''تم کیا ہر وقت کہیں نہ کہیں آتے جاتے رہتے ہو۔گھر میں بھی دل لگایا کرو۔کچھ دوسری ذمہ داریاں بھی سنبھالو۔''اسلم نے متانت سے کہا۔

''ایک ذمہ داری سنبھالی تو ہوئی ہے۔وہ پوری طرح سے نبھا لوں یہ ہی میرا مقصد ہے۔''علی گوہر نے متانت سے معنی خیز انداز میں کہا۔اُس کا معنی خیز لہجہ اسلم کے پلے نہیں پڑا تھا۔

''ایک زمین کی نگرانی کی ہی تیرے پاس ذمہ داری ہے۔وہاں بھی بندے کام کرتے ہیں۔تیرے پاس اور بھی وقت ہوتا ہے۔میرے ساتھ دکان پر آیا کر۔مجھے سودا لانے کے لئے شہر بھی جانا پڑتا ہے۔''اسلم نے کہا۔

''اس طرف بھی سوچوں گا۔اَب میں چلتا ہوں۔''علی گوہر نے ہولے سے مسکرا کر کہا اور اسلم کی مزید کوئی بات سننے کی بجائے جیپ آگے بڑھا دی۔دراصل علی گوہر کا دل بوجھل سا ہو رہا تھا۔اپنے اس بوجھل پن کو دور کرنے کے لئے ہی اُس نے اس گاؤں سے فی الحال نکل جانے کا سوچا تھا۔اس کے علاوہ اس کا یہ بھی مقصد تھا کہ وہ گلزار کے خاندان والوں سے بھی علیک سلیک کر کے اپنی کچھ جان پہچان بڑھائے۔ اور یہ بھی سچ تھا کہ وہ رخسانہ کی بارات کو دیکھ نہیں سکتا تھا' اُس کے دولہا کو وہ دیکھنا نہیں چاہتا تھا اور جب رخسانہ کی رُخصتی ہوتی تو شاید اس سے برداشت نہ ہوتا۔پیار کی کونپل دل کے کسی کونے میں سر اُٹھائے کھڑی تو تھی لیکن انتقام کی تپش نے اس کونپل کو جھلسا دیا تھا۔اس کے باوجود کسک نے اُسے مضطرب کیا ہوا تھا۔میر تاج کے بیٹوں سے باپ کا انتقام لینے کے لئے اسے اپنے پیار کی ہی کیا اپنی جان کی بھی پروا

نہیں تھی۔اس کا ایک ہی مقصد تھا، میر تاج کے بیٹوں کی بربادی......علی گوہر جیپ چلاتا گاؤں سے نکلتا جا رہا تھا۔رُخسانہ کے لئے وہ واقعی دکھی تھا۔اس دکھ کے ساتھ وہ گاؤں سے باہر نکل گیا۔

رُخسانہ کی بارات ساتھ والے گاؤں سے آئی' نکاح ہوا' پُرتکلف کھانے کا اہتمام تھا' اور پھر رُخسانہ اس گاؤں سے رخصت ہو گئی۔کوئی نہیں جانتا تھا کہ رُخسانہ اپنے دل میں ایک ایسی چنگاری کو جگہ دیئے بیٹھی ہے جو وقت کے ساتھ بجھ کر راکھ میں تبدیل ہو جاتی ......یا پھر......وہ انگارہ بن کر علی گوہر کے لئے دہکتا رہتا۔

* * *

لمحہ بہ لمحہ منظور احمد کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔

ضیا احمد نے اپنے آدمی ہسپتال میں بھیج دیئے تھے' جس جگہ فلک شیر کا مکان تھا وہاں پاس ہی چوک میں ایک کریانے کی دکان تھی جو کہ ضیا احمد کے چوکیدار کے بھائی کی تھی۔اُسے بھی اس بارے میں آگاہ کر دیا تھا کہ جیسے ہی فلک شیر اس مکان میں داخل ہو اور آس پاس دکھائی دے وہ فوری طور پر اُنہیں اطلاع کرے۔اس کے علاوہ دوسری ایسی جگہوں پر جہاں فلک شیر آتا جاتا تھا اور اُس کی وہاں جان پہچان تھی' ضیا احمد نے فلک شیر کے بارے میں بتانے کی ہدایت کی تھی۔نصیر اور سکندر بھی ہسپتال کا چکر لگا چکے تھے۔صبح سے دوپہر اور پھر شام ہو گئی لیکن فلک شیر کا کوئی اَتہ پتہ کسی کو بھی نہ ملا۔نیلم کچھ نہیں جانتی تھی۔وہ منظور احمد سے ملی بھی لیکن اُس سے فلک شیر کی حقیقت مخفی رکھی گئی تھی۔

جب وہ ہسپتال میں پہنچی اور وقت گزرنے کے ساتھ فلک شیر کی آمد نہ ہوئی تھی تو اُس نے پہلے تو فلک شیر کے نہ آنے کی وجہ اسٹاف سے دریافت کی کہ کہیں وہ آج چھٹی پر تو نہیں ہے۔لیکن جب ہر کسی نے اس کے نہ آنے کی وجہ سے لاعلمی کا اظہار کیا تو نیلم نے اُس کے موبائل نمبر پر رابطہ کرنے کی کوشش کی۔فلک شیر کا موبائل نمبر بند تھا۔نیلم نے دن میں کئی بار فلک شیر کا موبائل نمبر ملایا لیکن ہر بار اُس کا موبائل بند ہی ملا۔نیلم کی تشویش میں دو چند اضافہ ہو گیا تھا۔اس سے قبل اُس نے کبھی ایسی لاپروائی کا مظاہرہ نہیں کیا تھا۔بلکہ وہ تو کبھی ہسپتال سے غیر حاضر ہوا ہی نہیں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا۔اور اگر کبھی اُسے کہیں جانا بھی ہوتا تھا تو وہ نیلم کو ضرور بتاتا تھا۔اس کے علم میں لائے بغیر وہ ایسی لاپروائی نہیں کیا کرتا تھا۔

ہسپتال سے فارغ ہو کر نیلم سیدھی اُس کے گھر چلی گئی۔گھر کے باہر دروازے پر ایک بڑا تالا لگا ہوا تھا۔نیلم کو اور بھی حیرت ہوئی کہ اُس کا باپ تو ان کی طرف ہے اور فلک شیر غائب ہے۔آخر اس کی وجہ کیا ہے؟

سورج دن کا سفر مکمل کرنے کے بعد جب شام کی چادر اُوڑھ رہا تھا تو اُس وقت بھی ٹیرس پر موجود نیلم ہاتھ میں پکڑے موبائل سے اُس کا نمبر ملا رہی تھی۔اُس کی پریشانی بے چینی میں بدل گئی تھی۔فلک شیر کا موبائل فون بند تھا۔نیلم نے دو تین بار کوشش کرنے کے بعد جس ہاتھ میں موبائل فون پکڑا تھا اُسے غصے اور لاچاری سے جھٹکا اور دور خلا میں دیکھنے لگی۔

نیچے کمرے میں منظور احمد ایک کرسی پر افسردہ براجمان تھا۔سوچوں کے بھنور میں پھنسے ہوئے منظور احمد کو یہ احساس ہی نہیں ہوا کہ ضیا احمد کمرے میں آکر اُس کے پاس بیٹھ بھی چکا ہے۔اُن سے کچھ ہی فاصلے پر نصیر اور سکندر بھی بیٹھے ہوئے تھے۔دونوں کی نگاہیں منظور احمد کے چہرے پر مرکوز تھیں۔

”منظور احمد......منظور احمد......“ ضیا نے اُسے مخاطب کیا۔

”آں......“ منظور احمد نے چونک کر ضیا احمد کی طرف دیکھا۔اُس کی آنکھوں میں سوال تھے۔

”کہیں کچھ پتہ نہیں چلا۔جہاں جہاں اُن کے ملنے کی اُمید تھی وہاں اُسے تلاش کرلیا۔وہ اس شہر میں کہیں زیادہ آتا جاتا بھی نہیں تھا۔ہر جگہ دیکھ لیا ہے۔“ ضیا احمد نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

”اُس کا ملنا بہت ضروری ہے۔“ منظور احمد کی آواز میں غصہ تھا۔اور آنکھیں جیسے دہک رہی تھیں۔”بہت بُرا کیا ہے اُس نے بہت بُرا۔آج سے اُس کا اور میرا رشتہ ختم ہو گیا ہے۔میں نے سوچا تھا کہ شہر جاؤں گا اور بے قصور فلک شیر کو اپنے بھائیوں کے سامنے لے جاؤں گا لیکن اُس نے ثابت کر دیا کہ اُس نے ایک کمینی عورت سے جنم لیا ہے۔اُن لمحوں کو آج میں کوستا ہوں جب......“ منظور احمد باوجود کوشش کے کچھ کہہ

نہ سکا اور ایسے چپ ہو گیا جیسے وہ اپنی زبان اور الفاظ کے ساتھ زبردستی کر رہا ہو۔

”اب اتنا غصہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے منظور احمد۔کب کیا ہو جائے انسان کی عقل سوچ بھی نہیں سکتی ہے۔“ ضیا احمد نے کہا۔

”جب وہ مجھے مل جائے گا تو اُس کی عقل بھی یہ نہیں سوچ سکے گی کہ اُس کے ساتھ منظور احمد نے کیا کیا ہے۔“ منظور احمد غصے سے اُٹھ کھڑا ہوا۔”اُسے میری ایسی نفرت کا سامنا کرنا پڑے گا کہ وہ نفرت کا مطلب جان جائے گا۔“

”بہرحال اُسے تلاش کرنے کی میری کوشش جاری رہے گی۔“ ضیا احمد نے کہہ کر منظور احمد کی طرف دیکھا۔

منظور احمد نے کچھ دیر چپ رہ کر سوچا‘ غصے سے اپنے ہاتھوں کی مٹھیاں کبھی بند کیں اور کبھی کھول دیں اور پھر بولا۔”ضیا احمد اب میں واپس گاؤں جا رہا ہوں۔لیکن یہ تمہاری ذمہ داری ہے کہ تم فلک شیر کو تلاش کر کے میرے پاس لاؤ گے۔یہاں بیٹھنے کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے۔“

”میں پوری کوشش کروں گا کہ فلک شیر کا پتہ چلا سکوں کہ وہ کہاں ہے۔لیکن یہ بات میں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ اس شہر میں نہیں ہے۔یہ شہر اُس کے چھپنے کے لئے بہت چھوٹا ہے۔“ ضیا احمد نے متانت سے کہا۔

”میری عقل بھی یہی کہتی ہے۔اسی لئے میں نے جانے کا فیصلہ کیا ہے۔“ منظور احمد نے سوچتے ہوئے کہا۔”مجھے اُمید ہے کہ تم میری مدد کرو گے۔“ منظور احمد نے ضیا احمد کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔”میں تجھے فلک شیر کی تلاش کی ذمہ داری سونپ کر جا رہا ہوں۔مجھے ہر حال میں اُس کا پتہ چاہئے۔“

”تم فکر نہیں کرو۔اب یہ میری ذمہ داری ہے۔“ ضیا احمد نے یقین دلانے کے لہجے میں کہا۔منظور احمد نے نصیر اور سکندر کی طرف دیکھا اور پھر کچھ دیر کے بعد وہ ضیا احمد سے اجازت لے کر اس بنگلے سے باہر نکل گیا۔

نیلم ابھی تک اُوپر ٹیرس میں تھی۔اُس نے جیسے ہی اُن سب کو پجیرو میں سوار ہوتے ہوئے دیکھا وہ نیچے کی طرف دوڑی‘ لیکن تب تک اُن کی پجیرو گیٹ عبور کر چکی تھی اور چوکیدار گیٹ بند کر رہا تھا۔ضیا احمد ابھی پورچ میں ہی کھڑا تھا اور جیسے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی وہ اندر جانے کے لئے گھوما' اُس کی نگاہ عقب میں کھڑی نیلم پر پڑی۔

"انکل چلے گئے؟" نیلم نے متحیر ہوکر پوچھا۔

"ہاں۔" ضیا احمد نے افسردگی سے جواب دیا۔

"واپس چلے گئے ہیں؟" نیلم نے پھر پوچھا۔

"ہاں وہ واپس گاؤں چلے گئے ہیں۔" ضیا احمد نے جواب دیتے ہوئے اندر جانے کے لئے قدم اُٹھایا ہی تھا کہ نیلم نے پوچھا۔

"ڈیڈی......کوئی پرابلم ہے کیا؟"

"نہیں......پرابلم کیا ہوسکتی ہے۔" ضیا احمد نے پھیکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ "آؤ اندر چلتے ہیں۔"

"انکل اور فلک شیر کے درمیان کوئی پرابلم ہے۔ کیونکہ آج نہ تو فلک شیر ہسپتال میں آیا ہے اور نہ ہی وہ گھر پر ہے۔ وہاں تالا لگا ہوا ہے اور اُس کا سیل فون بھی بند ہے۔" نیلم نے فکرمندی سے کہا۔

"تم فلک شیر کے گھر گئی تھی؟" ضیا احمد نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

"اُس کا پتہ کرنے کے لئے گئی تھی۔ مجھے سمجھ نہیں آ رہی ہے کہ وہ اچانک کہاں چلا گیا ہے۔ انکل سے ملنا نہیں چاہتا تھا اسی لئے کہیں غائب ہوگیا ہے۔ پرابلم کیا ہے؟ میں اس بارے میں مسلسل سوچ رہی ہوں۔" نیلم کے لہجے میں تشویش تھی۔

ضیا احمد نے ایک لمحے کے لئے سوچا کہ وہ نیلم کو ساری حقیقت سے آگاہ کر دے۔ بے شک اُس نے منظور احمد کے ساتھ وعدہ کیا تھا کہ وہ اس بات کو ابھی راز ہی رکھے گا' لیکن نیلم جو کہ فلک شیر کے لئے فکرمند تھی' اُس کے لئے دل میں جذبات رکھتی تھی' فلک شیر کو اپنانے کے لئے وہ ذہنی طور پر تیار تھی' اس کے لئے ضروری تھا کہ نیلم پر فلک شیر کی حقیقت منکشف کردی جائے تاکہ وہ فلک شیر کے بارے میں اپنا ذہن تبدیل کرنے کے بارے میں سوچ سکے۔ نیلم کے لئے یہ حقیقت اذیت ناک ضرور تھی لیکن جس کے لئے وہ اپنی زندگی کا اتنا بڑا فیصلہ کئے بیٹھی تھی اُس پر سوچنے کے لئے ضروری تھا کہ وہ اس حقیقت سے آگاہ ہوجائے۔ ضیا احمد نے منظور احمد کا دوست نہیں بلکہ اپنی بیٹی کا باپ بن کر سوچا۔

"نیلم......" ضیا احمد نے نیلم کو مخاطب کیا اور پھر چپ ہوگیا۔ جیسے دوست سے کیا ہوا وعدہ آڑے آگیا ہو۔ جیسے ایک بار پھر وہ نیلم کے باپ کی بجائے منظور احمد کے دوست کا روپ اختیار کرگیا ہو۔

"جی ڈیڈی۔" نیلم نے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

"نہیں......کچھ نہیں۔" ضیا احمد نے نفی میں گردن ہلادی۔

"آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔" نیلم نے باپ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

ضیا احمد نے کچھ سوچا اور پھر کہا۔ "آؤ اندر جاکر بات کرتے ہیں۔" نیلم' باپ کے پیچھے چل پڑی۔

❋

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منظور احمد کی پجیرو جیسے ہی اُس کی حویلی کے اندر گئی اور منظور احمد اُتر کر نصیر اور سکندر کے ساتھ نشست گاہ کی طرف گیا تو سامنے فرزند، بختاں، نوید، یاور حیات اور سکینہ براجمان تھے۔ ایک طرف نور بانو اور ناصر بھی موجود تھے۔ فرزند کو سکندر نے فون پر ہی اطلاع کر دی تھی کہ فلک شیر نہیں ملا اور وہ ناکام واپس آ رہے ہیں۔ فرزند نے سب کو ساتھ لیا اور منظور احمد کی حویلی میں اُس کے انتظار میں بیٹھ گیا۔ کسی نے بھی نور بانو اور ناصر پر یہ عیاں نہیں کیا تھا کہ سیماں کے نہ ملنے کی اطلاع اُنہیں مل گئی ہے۔ نور بانو نے بھی رسمی سا سیماں کے بارے میں پوچھا تھا تو فرزند علی نے بس اتنا ہی کہا تھا۔

"وہ آ رہے ہیں۔ آ کر ہی حقیقت بتائیں گے۔"

منظور احمد نے سب کی طرف دیکھا۔ اور اُس نے کہا۔ "السلام علیکم۔"

شاید کسی نے اس کے سلام کا جواب دل میں دیا ہو لیکن کسی کی آواز بھی منظور احمد کو سنائی نہیں دی تھی۔ فرزند اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑا ہوا اور خشک لہجے میں منظور احمد سے پوچھا۔

"میری بیٹی کہاں ہے منظور احمد؟"

منظور احمد نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ فرزند نے ہمیشہ بڑے بھائی کو پاء منظور کہہ کر ہی مخاطب کیا تھا۔ اس تغیر پر منظور احمد کو حیرت ہوئی تھی۔

"مجھے شہر میں فلک شیر ملا نہیں۔" منظور احمد نے متانت سے جواب دیا۔ "میں نے اور ضیا احمد کے آدمیوں نے بھی اُسے ہر جگہ تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن...... فی الحال اُس کا کچھ پتہ نہیں چلا کہ وہ کہاں چلا گیا ہے۔"

"تم سیماں کو واپس لانے کی ذمہ داری لے کر گئے تھے۔" فرزند نے فوراً کہا۔

"ہاں......وہ اَب بھی میری ذمہ داری ہے۔ لیکن وہ دونوں شہر میں کہیں نہیں ملے۔ اگر ملتے تو میں خالی ہاتھ نہ آتا۔" منظور احمد نے کہا۔

"تم نے ایمانداری سے کوشش ہی نہیں کی۔" فرزند نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسا کہتے تم اچھے نہیں لگ رہے ہو فرزند علی۔" منظور احمد نے کہا۔

"سچ کہتا ہوا کون کسی کو اچھا لگتا ہے۔ تم اپنے بیٹے سے ملے ہوئے ہو۔ سب کچھ تمہاری شہ سے ہوا ہے۔" فرزند غصے سے بولا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو تم؟" منظور احمد نے بھی غصے سے کہا۔

"میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔ ہم سب سے چھپ چھپ کر سانپ کو شہد کھلاتے رہے اُسے ڈاکٹر بنانے کے لئے لاکھوں روپیہ لگا دیا آج اس کا نتیجہ دیکھ لیا تم نے؟ میری بیٹی کو وہ لے کر بھاگ گیا ہے۔" فرزند یکدم پھٹ پڑا۔ "ابھی پیسہ جائیداد سب کچھ ہمارا مشترکہ ہے۔ تم نے ہم دونوں کے علم میں لائے بغیر اُس پر لاکھوں روپیہ خرچ کیا۔ مجھے اُس پیسے کا بھی حساب چاہئے جو تم نے اُسے ڈاکٹری پڑھانے کے لئے خرچ کیا تھا۔"

"فرزند علی......تم اپنے بڑے بھائی کے سامنے کھڑے ہو اپنی آواز نیچی رکھو۔" منظور احمد نے کہا۔ "اور تم حساب کس سے مانگ رہے ہو اپنے بڑے بھائی سے۔"

"اَب یہ آواز نیچی نہیں ہوگی۔ میری آواز اس حویلی کو ہلا دے گی منظور احمد۔" وہ اور بھی زور سے چیخا۔ "تم نے ناجائز پیسہ خرچ کیا ہے۔ حساب تجھے دینا ہوگا۔"

"پہلے ایک مسئلہ حل کر لو فرزند علی اس کے بعد حساب کتاب بھی کر لینا۔ اور جو تم میرے بارے میں سوچ رہے ہو وہ غلط ہے۔" منظور احمد نے کہا۔

"تم اس کے ساتھ شامل ہو۔ ورنہ اُس کی اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ میری بیٹی کو اغوا کر سکتا۔ وہ مسئلہ ہم حل کر لیں گے تم حساب دینے کی فکر کرو۔" فرزند علی نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"غصے میں تم اپنا ہوش کھو بیٹھے ہو۔" منظور احمد نے بگڑ کر کہا۔

"ہوش تو اب آیا ہے۔" فرزند علی نے فوراً کہا۔ "فلک شیر کو تو ہم تلاش کرلیں گے۔ اور جو اُس کا حال ہم کریں گے وہ بھی تم دیکھ لو گے۔ لیکن اس سے پہلے میں تم سے اپنا ناطہ توڑنا چاہتا ہوں۔"

"یہ کیا بک رہے ہو تم۔" منظور احمد فوراً بولا۔

"میں بک رہا ہوں؟ اب میری بات تجھے بکواس لگ رہی ہے۔ مجھے جائیداد میں میرا حصہ چاہیئے۔ جائیداد کا بٹوارہ ہوگا۔" فرزند نے کہا تو یکدم منظور احمد کے ساتھ ساتھ نور بانو بھی چونک گئی۔

"فلک شیر کی غلطی کو تم آپس میں جدائی کا سبب مت بناؤ فرزند علی۔" منظور احمد نے کہا۔

"فرزند ٹھیک کہہ رہا ہے۔" اچانک یاور حیات بھی اپنی جگہ سے اُٹھا۔ اُس کی بات سن کر منظور احمد اور بھی چونکا۔ "سیماں فرزند کی بیٹی ہے تو میری ہونے والی بہو تھی۔ وہ کہیں بھی ہوئے ہم اُسے تلاش کرلیں گے۔ پھر جو اس کے ساتھ ہم سلوک کریں گے اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم پہلے جائیداد بانٹ لیں۔ تاکہ اگر تم پتر کے لئے لڑنا بھی چاہو تو کھل کر سامنے آسکو۔ ہم دونوں کے لئے میدان پاؤں سے بندھی ہوئی زنجیر سے چھوٹا نہ پڑ جائے۔ یہ ہم دونوں بھائیوں کا فیصلہ ہے۔"

منظور احمد کو یہ احساس ضرور تھا کہ فرزند' فلک شیر کے قدم پر سیخ پا ہے لیکن حالات کی سنگینی ایسی ہوجائے گی کہ رشتے ناطے ٹوٹ جانے کی نوبت آجائے گی' جائیداد کی تقسیم کا اچانک سوال اُٹھ جائے گا۔ یہ منظور احمد نے نہیں سوچا تھا۔

"میں تم دونوں کو کیسے یقین دلاؤں کہ فلک شیر نے جو بھی کیا ہے وہ میرے علم میں اگر پہلے سے ہوتا تو میں اُس کے سینے پر گولی ماردیتا لیکن......"

"ہمیں تمہاری بات پر یقین نہیں ہے۔ تم اس کے ساتھ ہر وقت رہے ہو۔ تم نے اُسے شہر اس لئے بھیجا کہ وہ سب سے زیادہ پڑھ لکھ جائے۔ پھر اُسے وہاں رہنے کے لئے گھر بھی لے کر دیا۔ اور اب جو بھی ہوا ہے وہ تمہاری دی ہوئی ہمت سے ہوا ہے۔" فرزند علی نے کہا۔ "ہمیں کوئی صفائی نہیں چاہیئے۔"

"تم ایسا سمجھتے ہو تو سمجھو۔ لیکن میں نے ایسا کچھ نہیں کیا ہے۔" منظور احمد نے ایک بار پھر یقین دلانے کی کوشش کی۔

"ہم بات کو طول نہیں دینا چاہتے۔ کل سویرے وکیل کو بلا لو۔ تاکہ جائیداد کی تقسیم ہوجائے۔" یاور حیات نے کہا۔ اور پھر وہ نصیر سے مخاطب ہوکر بولا۔ "تم سب لڑکے کل شہر چلے جانا۔ فلک شیر کے گھر کا تالا کھول کر وہاں رہنا اور اُسے ڈھونڈو وہ زمین کی جس تہہ میں بھی ہے اُسے نکالو۔ ضروری نہیں ہے کہ وہ یہاں آئے۔ اُسے اُسی جگہ کاٹ کر پھینک دو اور سیماں کو واپس لے آؤ۔"

"ہم جارہے ہیں۔ کل سویرے وکیل آجانا چاہیئے۔ اور یاد رکھنا بٹوارہ اس حویلی سے شروع ہوگا کیونکہ یہ حویلی ابا جی کے نام پر ہے۔" فرزند نے منظور احمد کی پروا کئے بغیر کہا۔

"میں جائیداد تقسیم نہیں کروں گا۔" منظور احمد نے دوٹوک کہا۔

"یہ تو ہوگی۔ بیٹھ کر یا پھر بندوقوں کے سائے میں۔" فرزند علی اور یاور حیات نے ایک ساتھ کھڑے ہوکر کہا۔ اور منظور احمد کی کسی بات کو سننے سے پہلے وہ سب حویلی سے چلے گئے۔ جب منظور احمد اپنے بھتیجوں نصیر اور سکندر کے ساتھ شہر میں تھا تو فرزند اور یاور حیات اُن سے ایک ایک لمحے کی رپورٹ لیتے رہے تھے۔ نصیر تب ہی فرزند علی کو فون کرتا تھا جب وہ منظور احمد کے سامنے نہیں ہوتا تھا۔ اور جب وہ شہر سے گاؤں کے لئے نکلنے والے تھے تو تب بھی نصیر نے اطلاع کردی تھی۔ اسی وقت فرزند علی اور یاور حیات نے یہ فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ اب کھل کر منظور احمد کے سامنے کھڑے ہوجائیں۔ دونوں کا یہ خیال بھی تھا کہ فلک شیر نے جو بھی کیا ہے وہ منظور احمد کی ایما اور دی ہوئی ہمت سے کیا ہے' ورنہ وہ ایسا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اور ایسا کرانے میں بھی منظور احمد کا ایک ہی مقصد ہوگا کہ اُس کے اس بیٹے کو بھی خاندان والے قبول کرلیں۔ دونوں نے سوچ بچار کے بعد فیصلہ کرلیا تھا کہ اب ماضی کا حساب بھی ہوگا اور کوئی رعایت بھی نہیں ہوگی۔ بات بگڑ گئی تھی۔

علی گوہر تینوں بھائیوں کو الگ کرنے میں ہی نہیں لڑانے میں بھی کامیاب ہوگیا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرزند علی اور یاور حیات کے جانے کے بعد ناصر سوچتا رہا اور پھر وہ منظور احمد کے پاس جا کر بولا۔''ابا جی...... جائیداد کی تقسیم پر اگر اُن کا ایکا ہے تو پھر ہم یہ جائیداد تقسیم نہیں کریں گے۔ان کی دھمکی مجھ سے ہضم نہیں ہوئی۔دیکھتا ہوں کہ کون میرا چاچا اس حویلی میں اپنی جائیداد کا حصہ لینے کے لئے آتا ہے۔''

منظور احمد نے ناصر کی طرف دیکھا اور اس سے پہلے کہ کچھ کہتا نور بانو بول پڑی۔''ناصر ٹھیک کہہ رہا ہے۔بات اگر لڑائی کی ہے تو ہم نے بھی ہاتھوں میں چوڑیاں نہیں پہن رکھی ہیں۔ان کی دھمکی سے ہم بھی نہیں ڈرتے۔تمہارے لاڈلے کے ساتھ وہ جو بھی سلوک کریں لیکن جائیداد کی تقسیم کے معاملے میں ہم آپ کے ساتھ ہیں اور کسی بھی قیمت پر یہ نہیں ہونے دیں گے۔''

منظور احمد کو بھی اس بات پر شدید غصہ تھا کہ دونوں بھائی اُس کے سامنے کھڑے ہوگئے ہیں۔منظور احمد کے پاس افرادی قوت بھائیوں سے زیادہ تھی۔بہت کچھ اس کے نام پر تھا۔اور پھر ناصر اپنے باپ کے ساتھ کھڑا ہوگیا تھا۔یہ بھی اُس کے لئے حوصلہ افزا بات تھی۔اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ بھائیوں کو ایک پائی بھی جائیداد کی نہیں دے گا۔فلک شیر کے ساتھ وہ کیا کرتے ہیں' اس کی پروا بھی اُس نے اپنے دل سے نکال دی تھی۔سارا گاؤں اُسے سکھاں کا بیٹا کہتا تھا۔اُس نے بھی دل میں کہا کہ وہ تو سکھاں کا بیٹا ہے۔زندہ چھوڑ دیں یا ماردیں' لیکن جائیداد زمین اور پیسے میں سے بھائیوں کو وہ کچھ بھی نہیں دے گا...... کچھ بھی نہیں۔

❁✪❁

جو کچھ ضیا احمد نے نیلم کو فلک شیر کے بارے میں بتایا تھا' اُسے سن کر اُسے ایک دھچکا ضرور لگا تھا لیکن فلک شیر کا یہ دوسرا روپ اُس کے لئے ناقابلِ یقین بھی تھا۔وہ خیرہ نگاہوں سے ضیا احمد کی طرف دیکھے جارہی تھی۔اس سے بھی زیادہ حیرت نیلم کی ماں نجمہ بیگم کو تھی۔تینوں اس وقت کمرے میں براجمان تھے۔ضیا احمد نے اپنی بات ختم کی تو کمرے میں اس قدر گہرا سکوت چھا گیا تھا کہ دیوار کے ساتھ لگے بڑے کلاک کی ٹک ٹک کی آواز واضح سنائی دے رہی تھی۔

''مجھے یقین نہیں آرہا ہے۔''نیلم نے ضیا احمد کی طرف دیکھتے ہوئے مریل سے

لہجے میں کہا۔

''لیکن اس وقت یہی حقیقت ہے۔''ضیا احمد کے لہجے میں تاسف اور متانت کا عنصر نمایاں تھا۔

''وہ اپنی کزن...... کیا نام بتایا تھا ڈیڈی آپ نے اُس کا؟''نیلم نے کہتے ہوئے ضیا احمد کی طرف دیکھا۔

''اُس کا نام سیماں ہے۔یہ بات واضح اور صاف ہے کہ یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔اس کے سیل فون کا بند ہونا۔گھر کو تالا لگنا' اور کسی کو بتائے بغیر اچانک اُس کا چلے جانا' اس بات میں شک کی گنجائش نہیں چھوڑتا کہ فلک شیر پر یہ محض الزام ہے۔''
ضیا احمد نے کہا۔نجمہ بیگم اپنے ہی خیالوں میں بولی۔

''ہم نے کیا سوچا تھا اور کیا ہوگیا ہے۔سچ تو یہ ہے کہ مجھے اُس کے بارے میں یہ جان کر بہت ہی دکھ ہوا ہے۔''

''میرا خیال ہے کہ فلک شیر کی سیماں کے ساتھ لو میرج کرنا اُس کی مجبوری تھی۔''ضیا احمد نے اپنی سوچوں کا غلاف ایک بار پھر ہٹایا۔

''کیسی مجبوری تھی' میں سمجھی نہیں؟''نجمہ بیگم نے سوالیہ نگاہوں سے ضیا احمد کی طرف دیکھا۔

''فلک شیر اپنے خاندان میں دھتکارا ہوا تھا۔اُس کے پاس اس کے سوا اور کوئی چارہ نہیں تھا کہ وہ اُس خاندان کی کسی بھی لڑکی سے شادی کرے اور پھر وہ بھی رفتہ رفتہ اس خاندان کا ایک حصہ بن جائے۔''ضیا احمد نے اپنا خیال عیاں کرتے ہوئے کہا۔''شاید اس کی سمجھ کے مطابق یہی ایک راستہ تھا۔''

''اس کے لئے وہ صحیح راستہ بھی تو اپنا سکتا تھا۔''نجمہ بیگم نے کہا۔''اپنے باپ سے بات کرتا اور وہ اپنے بھائیوں کو اس معاملے کے لئے بٹھا لیتا۔''

''جو اُسے بلا کر راضی نہیں تھے وہ اُس کی یہ بات کیسے سن لیتے۔بہر حال یہ تو میرا محض ایک خیال ہے۔حقیقت کچھ اور بھی ہو سکتی ہے۔''ضیا احمد نے کہا۔اور پھر وہ نیلم کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے بولا۔''نیلم...... تمہیں میرا مشورہ ہے کہ تم فلک شیر کو بھول جاؤ۔اَب وہ ہماری فیملی کا کسی بھی صورت حصہ نہیں بن سکتا۔مجھے اپنے دوست

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کا ساتھ دینا ہے اور فلک شیر کی جیسے ہی کوئی خبر ملتی ہے مجھے ہر صورت اُسے منظور احمد کو بتانا ہے۔“

ضیا احمد کہہ کر چپ ہوگیا۔جبکہ نیلم اپنے ہی خیالوں میں مستغرق تھی۔اُس کی آنکھیں بھیگ گئی تھیں۔اور اس سے پہلے کہ آنسو بہتے ہوئے باہر نکلتے وہ تیزی سے وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی۔ضیا احمد اور نجمہ بیگم اُسے جاتی ہوئی دیکھتے ہی رہ گئے۔ دونوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔وہ جانتے تھے کہ نیلم کے لئے فلک شیر کو اتنی جلدی بھول جانا آسان نہیں ہے۔

نیلم سیدھی اپنے کمرے میں چلی گئی اُس نے اندر سے دروازہ مقفل کر دیا۔فلک شیر کی اس بے وفائی پر وہ رونے لگی۔

علی گوہر مزے سے تھا۔

گلزار کے گاؤں میں آکر وہ اُس کے خاندان سے ایسے ملا تھا جیسے وہ سالوں سے ان کو جانتا ہو۔اور تو اور جو بھی علی گوہر سے ملا تھا اُسے بھی خوشی محسوس ہوئی تھی۔ کسی کے دل میں گھر کر لینا علی گوہر کے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا۔اُس کا اپنائیت سے بھرپور لہجہ مسکرانے کا انداز بات سے بات نکالنے کا فن سب کے ساتھ دوستانہ مراسم پیدا کرنے کا ایک وسیلہ تھا۔

گلزار کا گاؤں کیا تھا ایک ریاست تھی۔ہر گلی اینٹوں کی بنی ہوئی تھی بہت کم کچے گھر تھے پانی کی نکاسی کا بہترین انتظام تھا زندگی کی بہت سی بنیادی سہولتیں واضح دکھائی دے رہی تھیں۔گاؤں کی یہ ترقی گلزار کے باپ کے مرہونِ منت تھی کیونکہ اُس کی اور اُس کے تمام بھائیوں کی ہی نہیں اس گاؤں میں رہنے والے اُن کے تمام رشتے داروں کی اولادیں پڑھ لکھ گئی تھیں۔تعلیم کو اُنہوں نے اس گاؤں کا لازمی جزو بنا دیا تھا۔ایک ہائی سکول تھا تو پاس ہی لڑکے اور لڑکیوں کا کالج بھی تھا۔اب جس کی مرضی وہ اس جگہ اپنی تعلیم جاری رکھے یا پھر شہر کے کسی کالج میں داخلہ لے کسی کو کوئی اعتراض نہیں تھا۔ہر گھر سے کم از کم ایک فرد زیورِ تعلیم سے آراستہ ہونے کے لئے اس کوشش میں ضرور تھا۔نادار اور غریبوں کے لئے چوہدری ریاست اپنی جیب سے اُن

کی تعلیم کا خرچہ برداشت کرتا تھا۔

تعلیم نے ہی یہ شعور دیا تھا کہ گلزار کے باپ چوہدری ریاست نے اس گاؤں کی ترقی کے لئے کام کیا تھا اُسے ہر ممکن بنیادی سہولتیں دینے کی پوری کوشش کی تھی اور اس میں وہ بہت کامیاب بھی تھا۔

”تمہارا گاؤں ہے کہ چھوٹا سا شہر ہے۔“اس وقت علی گوہر اُس کی حویلی کی چھت پر موجود تھا۔اس کے ساتھ گلزار بھی کھڑا تھا۔اور علی گوہر دور تک اپنی نظر دوڑا رہا تھا۔سارا گاؤں اُس کی نگاہوں کے سامنے تھا۔

”گاؤں کی ترقی اور خوبصورتی کے پیچھے اُس سوچ کا ہاتھ ہے جو تعلیم کے ساتھ نتھی تھی۔اس لئے یہ گاؤں لگتا ہی نہیں ہے۔لگتا ہے جیسے یہ بھی کسی شہر کا کوئی محلہ ہے۔جہاں تعلیم کا فقدان ہوگا اور اپنی چودہراہٹ اور دبدبہ رکھنا ہی مقصد ہوگا وہاں غریب کسان کا بیٹا کسان ہی بنتا ہے باپ کے بعد بیٹا ملازم ہوکر چوہدریوں کے سامنے ہاتھ باندھ لیتا ہے ماں اور باپ کے ساتھ اُن کی اُولادیں بھی بھٹے کی اینٹوں کو بنانے میں مصروف دکھائی دیتی ہیں سکول کو گاؤں سے میلوں دور رکھا جائے گا تو پڑھائی اور سکول میں اور بھی فاصلہ بڑھ جائے گا۔اس جگہ ترقی اُن نام نہاد چوہدریوں کی حویلی کی دہلیز کے باہر ہی کھونٹے کے ساتھ بندھی ہوئی رہتی ہے۔جیسے کوئی بھینس یا گائے ہو۔ترقی کی طرف جانے کا ایک ہی زینہ ہے اور وہ ہے تعلیم کی راہیں ہموار کرنا۔“ گلزار کہہ کر چپ ہوا تو علی گوہر نے کہا۔

”تم تو اچھا خاصا بول لیتے ہو۔پروفیسر بنا خوب ترقی کرو گے۔“

”میرے خاندان کے ہر فرد سے تم ملے، کیسے لگے تمہیں میرا ابا جی تایا جان اور چچا جان میرے کزن......“ گلزار اُس کی بات پر ہنس کر بولا۔

”اتنے اچھے کہ دل چاہتا ہے کہ اُن سے ایک بار پھر ملوں اور ملتا ہی رہوں۔“ علی گوہر نے بلا تامل کہا۔

”تو ملتے رہو۔روکا کس نے ہے۔چھوڑو اپنا وہ گاؤں اور یہاں آجاؤ۔مزے میں آجاؤ گے۔“ گلزار نے اُس پیشکش بھی کر دی۔

”جس کا گاؤں چھڑانا چاہتے ہو اس کے لئے کوشش کرو۔میں تو وہاں بھی مزے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں ہی ہوں۔" علی گوہر نے راحیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"ارے اس کا تو ایک دن گاؤں چھڑا ہی دیں گے اور پکا اس گاؤں میں لے آئیں گے۔" گلزار نے فوراً کہا۔

"آیا تو ہوں بات کروں تیرے گھر والوں سے؟" علی گوہر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ابھی اس کا وقت نہیں آیا۔" گلزار نے مسکرا کر کہا۔

"وقت کسی کے لئے نہیں آتا۔ وقت کو اپنے تک لانے کے لئے اُسے راستہ دیا جاتا ہے۔" علی گوہر نے بلاتامل کہا۔

"چلو ایسے ہی سہی...... ابھی وقت کو راستہ دینے کا وقت نہیں آیا۔" گلزار اُس کی بات کی تائید کرتے ہوئے بولا۔

"وہ ان پڑھ اور جاہل ہیں۔ رشتہ درخت سے پکے ہوئے آم کی طرح ٹپکے گا تو وہ کرنے میں دیر نہیں لگائیں گے۔ پھر تم ہاتھ ملتے رہ جاؤ گے۔" علی گوہر نے دور دیکھتے ہوئے کہا۔

"ایسا نہیں ہوگا۔" گلزار کے لہجے میں یقین تھا۔

"ایسا ہوا تو اطلاع تجھے میں دوں گا۔" علی گوہر نے مسکرا کر کہا اور دو قدم چل کر دوسری طرف کھڑا ہوگیا۔

"ہاں...... اور ہم کسی فوج کی طرح وہاں پہنچ جائیں گے۔" گلزار نے کہا

"لو پھر میں چلتا ہوں۔" علی گوہر نے طویل انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"کہاں؟" گلزار نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"واپس اپنے گھر۔" علی گوہر نے بتایا۔

"اتنی بھی کیا جلدی ہے۔ ابھی تم کل ہی تو آئے تھے اور آج جا رہے ہو۔ ابھی تم نے خدمت کا موقعہ ہی کیا دیا ہے۔" گلزار نے کہا۔

"تم میں اور مجھ میں ایک فرق ہے۔" علی گوہر نے اُس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

"کیا فرق ہے؟" گلزار نے پوچھا۔

"تمہیں کام کیا کرایا مل جائے گا اور مجھے کرنا پڑتا ہے۔ مزدور بندا ہوں۔ ہاتھ کی محنت سے کھاتا ہوں۔ تمہاری طرح میرے پاس نوکروں کی فوج نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں کوئی چوہدری ٹائپ چیز ہوں۔" علی گوہر نے کہا اور مسکرایا۔

"کہو تو تین چار ملازم یہاں سے تحفے میں دے دوں۔ تمہارے ایک اشارے کے منتظر رہا کریں گے۔" گلزار نے یکدم کہا۔

"نہیں رہنے دو۔ مجھے لگے گا کہ تم مجھے رشوت دے رہے ہو۔" علی گوہر نے ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"ارے دوستی میں دوں گا۔" گلزار لاپروائی سے بولا۔

"دوستی میں ہی تو ایسا کام ہوتا ہے۔" علی گوہر نے کہا۔ اور اُس کے پاس جا کر بولا۔ "اس بار گاؤں آؤ تجھے میں اُن کی حویلی کے اندر لے جاؤں گا۔"

"مجھے......؟ لیکن کیسے؟" گلزار نے چونک کر پوچھا۔

"یہ میرا کام ہے۔ تجھے اُن کی حویلی کے اندر ہی نہیں لے کر جاؤں گا بلکہ ایک رات کا مہمان بھی اُسی حویلی میں ٹھہراؤں گا۔" علی گوہر بولا۔

"یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ وہ مجھے اپنی حویلی میں مہمان بنا کر کیسے رکھ سکتے ہیں۔" گلزار کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

"تم آنے کی ہامی بھرو میں ایسا کر کے دکھاتا ہوں۔" علی گوہر کے لہجے میں یقین تھا۔

"ٹھیک ہے پھر کب آؤں؟" اُس نے پوچھا۔

"جیسے ہی میری کال آئے آجانا۔ لیکن اُس وقت کوئی بہانہ نہیں کرنا۔" علی گوہر نے کہا۔

"نہیں کروں گا۔ تم بلاؤ گے تو میں ہر کام چھوڑ کر تمہارے پاس پہنچ جاؤں گا۔" گلزار بولا۔

"مجھے اب جانے کی اجازت دو۔ دیکھنا اب میں کیا کرتا ہوں اور تم اُس حویلی کے لوگوں کے بہت ہی قریب ہو جاؤ گے۔ اتنے قریب کہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا۔" علی گوہر کہہ کر مسکرایا اور اُس کے ساتھ نیچے اُترنے کے لئے چل پڑا۔ گلزار

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

اُس کا خطرناک حد تک معنی خیز لہجہ قطعاً محسوس نہیں کر سکا تھا۔

❀✪❀

نوازش نے عیارنگاہوں سے کچھ فاصلے پر براجمان پریشان اور اپنی سوچوں میں مخمور سیماں کی طرف دیکھا اور پھر زرینہ کو آنکھوں ہی آنکھوں میں اشارہ کر کے ساتھ والے کمرے میں آنے کے لئے کہا۔اُس وقت زرینہ'سیماں کے پاس ہی بیٹھی ہوئی تھی۔زرینہ اُٹھ کر اس دوسرے کمرے میں چلی گئی۔

''کیا بات ہے؟''زرینہ نے کمرے میں آتے ہی پوچھا۔

''اس کا کیا کرنا ہے اَب۔روز اس کے آنسو دیکھ کر دلاسہ ہی دیتے رہنا ہے کہ کوئی فائدہ بھی اُٹھانا ہے۔''نوازش نے کہا۔

''جو کرنا ہے تم نے کرنا ہے۔میں تو اُس کے سامنے ماں بن بن کر تنگ آ گئی ہوں۔''زرینہ نے اُکتائے ہوئے لہجے سے کہا۔''اَب بھی کسی بچے کی ضد کر رہی تھی۔''

''میں ہسپتال گیا تھا۔وہاں سے مجھے پتہ چلا ہے کہ فلک شیر کہیں غائب ہے۔اس کا مطلب ہے کہ وہ اسے بلا کر کہیں نکل گیا ہے یا پھر اُن کے ہتھے چڑھ گیا ہے۔جو بھی ہے ہمیں اس کی پرواہ نہیں ہے۔اس کے باپ کو فون کرتا ہوں اور ایک موٹی رقم مانگ لیتا ہوں۔''نوازش نے کہہ کر زرینہ کا چہرہ دیکھا۔

''انتظار کس بات کا......کرو فون اور مانگو پیسہ۔''زرینہ بولی اور کرسی پر بیٹھ گئی۔''موٹی رقم دیکھے پہلے ہی بہت دن ہو گئے ہیں۔''

''کتنا مانگوں؟''نوازش نے پوچھا۔

''اتنا مانگ لو جس سے ہم دونوں کا پیٹ بھر جائے۔''زرینہ نے کھلے دل سے کہا۔

''پیسے سے بھی کبھی کسی کا پیٹ بھرا ہے۔کسی نے بھوک کا دوسرا نام پیسہ رکھ دیا تھا۔''نوازش نے بلاتامل کہا۔

''فلسفہ نہ جھاڑو اور کام کی بات کرو۔''زرینہ نے آنکھیں نکال کر اُس کی طرف دیکھتے ہوئے اپنے لہجے کو نیچا رکھتے ہوئے کہا۔

''کام کی بات یہ ہے کہ میں آج کا دن دیکھتا ہوں۔شاید کہیں سے فلک شیر نمودار ہو جائے۔اپنی بیوی روبی سے بھی کسی بہانے سے یہ جاننے کی کوشش کرتا ہوں کہ فلک شیر کی اچانک گمشدگی کا نیلم کو پتہ ہے کہ نہیں۔اگر آج بھی وہ کہیں دکھائی نہ دیا تو پھر میں آگے کارروائی کرتا ہوں۔''نوازش بولا۔

''یہ نیلم کون ہے۔''زرینہ نے سوالیہ نگاہوں سے اُس کی طرف دیکھا۔

''تمہارا اُس سے کوئی مطلب نہیں ہے لہٰذا یہ جاننا تمہارے لئے فضول ہے۔'' نوازش نے لاپروائی سے کہا۔اسی اثنا میں اس کمرے کا دروازہ بجا تو دونوں نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔زرینہ نے دروازہ کھولا تو سامنے سیماں کھڑی تھی۔زرینہ اُسے دیکھتے ہی پھر چونکی۔

''کیا بات ہے سیماں؟''زرینہ نے نرمی سے پوچھا۔

''میں فلک شیر کے پاس جانا چاہتی ہوں۔''سیماں نے اپنی سرخ آنکھوں سے زرینہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔لگتا تھا کہ وہ مسلسل روئی ہے۔

''ہم یہی باتیں کر رہے تھے اس کا کہیں پتہ نہیں چل رہا ہے۔''زرینہ نے کہا۔

''مجھے آپ اس کے ہسپتال میں لے جائیں۔میں ابھی جانا چاہتی ہوں۔مجھے بہت ڈر اور خوف آ رہا ہے۔میرا دل بُری طرح سے گھبرا رہا ہے۔میں جا کر دیکھنا چاہتی ہوں۔''سیماں کے لہجے میں التجا تھی۔اس کا چہرہ دیکھ کر لگتا تھا جیسے اُس کے اندر کی بے چینی یکدم باہر نکل آئی ہے اور صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا ہے۔ہمت ایک جگہ منجمد ہو کر اظہار اور ضد کا روپ اختیار کر چکی ہے۔

زرینہ نے نوازش کی طرف دیکھا اور کہا۔''سراج تم اسے لے جاؤ اور اس کی تسلی کرا دو۔''پھر وہ سیماں سے مخاطب ہوئی۔''تم منہ ہاتھ دھو لو یہ تجھے لے جاتا ہے۔''

سیماں وہاں سے ہٹ گئی۔زرینہ نے دروازہ بند کر دیا۔نوازش نے فوراً کہا۔''یہ کیا کر رہی ہو تم۔میں اسے ہسپتال کیوں لے کر جاؤں؟''

''کچھ نہیں ہوتا۔اُس کی تسلی بھی ہو جائے گی اور ہم پر اعتماد اور بھی مضبوط ہو جائے گا۔پھر ہم اسے اگر اپنے مقصد کے پورا ہونے تک تین چار دن اپنے پاس رکھ بھی لیں تو یہ آرام سے رہ لے گی۔ہسپتال کا ایک چکر ہی تو لگوانا ہے۔استقبالیہ سے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جا کر فلک شیر کے بارے میں پوچھنا' وہیں سے پتہ چل جائے گا۔ اُنہیں کیا پتہ کہ مریض ہے کہ کوئی اس کا جاننے والا ہے۔ میں اسے کہتی ہوں کہ وہ منہ پر اچھی طرح سے نقاب کر لے۔"

"میرا خیال ہے کہ اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ اُسے ٹالا بھی جا سکتا تھا۔" نوازش نے کہا۔

"فلک شیر کے ہسپتال جانے کی یہ اس کی صبح سے رٹ ہے۔ ہزار بار اُسے پیار سے سمجھا کر منع کر چکی ہوں۔ اَب اُس میں اور بھی شدت آ گئی ہے۔ اس سے پہلے کہ میں اُسے غصے سے کچھ کہہ دوں اور اعتماد کی فضا ٹوٹ جائے بہتر ہے کہ تم اس کا ایک چکر لگوا لاؤ۔ میں بھی ذرا سکھ کی سانس لے لوں اُس کا بھی دل بہل جائے گا۔" زرینہ نے کہا۔ اور نوازش چپ ہو گیا۔

❁✪❁

"کیا سوچ رہے ہو؟" صفدر نے دوپہر کے کھانے کے بعد فلک شیر کو گم صم دیکھا تو سوال کیا۔

دونوں ابھی تک دسترخوان پر ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ سب نے مل کر کھانا کھایا تھا اور ان دونوں کے سوا سبھی اُٹھ کر چلے گئے تھے۔ صفدر اور فلک شیر نے کسی کو بھی یہ نہیں بتایا تھا کہ فلک شیر کے یہاں آنے کا اصل مقصد کیا ہے۔ اُنہوں نے یہ ہی بتایا تھا کہ فلک شیر چند دن یہاں چھٹیاں گزارنے کے لئے آیا ہے۔

"سوچ رہا ہوں کہ علی گوہر نے کوئی رابطہ ہی نہیں کیا۔ چوبیس گھنٹے گزر گئے ہیں۔" فلک شیر نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ علی گوہر کون ہے؟" صفدر نے اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔

فلک شیر کے منہ سے اچانک ہی علی گوہر کا نام نکل گیا تھا۔ صفدر کا سوال سن کر وہ چونکا۔ لیکن اَب اُس کے بارے میں کچھ چھپانا اُس نے مناسب نہیں سمجھا اور کہا۔

"علی گوہر میرا بچپن کا دوست ہے، ہمارے گاؤں رہتا ہے۔ وہ میرا بہت ہی اچھا خیر خواہ ہے۔ اُسے نے مجھے بتایا تھا کہ میری جان خطرے میں ہے۔"

صفدر نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ "ایک کام کرو۔ تم نیلم کو فون کرو۔ اور اُس سے

صورتِ حال جاننے کی کوشش کرو کہ ہسپتال میں کوئی آیا یا کوئی اور بات تو نہیں ہوئی ہے۔"

"میں نیلم کو بتا کر نہیں آیا۔ علی گوہر نے کہا تھا کہ وقت کم ہے میں اُسے بتا دوں گا۔" فلک شیر نے بتایا۔

"پھر نیلم کا فون آیا؟" صفدر نے پوچھا۔

"نہیں ...... میں نے سم کارڈ بدل لی ہے۔ جس کا نمبر نیلم کے پاس نہیں ہے۔" فلک شیر نے نفی میں گردن ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم نے سم کارڈ بھی بدل لی ہے لیکن کیوں۔" صفدر نے اُس کی بات سن کر حیرت کا اظہار کیا۔

"تا کہ کوئی مجھ سے رابطہ نہ کر سکے۔" فلک شیر نے جواب دیا۔

صفدر پھر سوچنے لگا اور بولا۔ "پھر ایک کام کرتے ہیں۔ میں ابھی شہر جاتا ہوں اور سیدھا ہسپتال جا کر نیلم سے ملتا ہوں۔ اور دیکھتا ہوں کہ کیا صورتِ حال ہے۔" صفدر سوچتے ہوئے بولا۔

"میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔ گاڑی میں بیٹھا رہوں گا۔" فلک شیر فوراً بولا۔

"جیسے تمہاری مرضی۔" صفدر نے کہا۔

صفدر کے ذہن میں بہت سی سوچوں نے جگہ بنا لی تھی جس کا اظہار فی الحال اُس نے فلک شیر سے کرنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔ قبل از وقت بات کرنا ٹھیک نہیں تھا' ہو سکتا تھا کہ وہ محض صفدر کا شک ہی ہو جس نے اچانک اُس کے دماغ میں سر اُٹھا لیا تھا۔

❁✪❁

فرزند علی اور یاور حیات آپس میں مل چکے تھے۔

سالوں سے جو باتیں منظور احمد کے خلاف اُن کے دلوں میں جھاڑیوں اور گھاس پوس کی طرح سر اُٹھائے کھڑی تھیں' اَب وہ اُن جڑی بوٹیوں کی شکل اختیار کر گئی تھیں جو کار آمد ہوتی ہیں۔ ماضی میں کیا ہوا ہر وہ فیصلہ جو منظور احمد نے اکیلے ہی کیا تھا اور بھائیوں کی مشاورت ضروری نہیں سمجھی تھی' وہ بھی اَب دونوں بھائیوں کو کاٹنے کی طرح

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

چھبنے لگے تھے۔فلک شیر کے حوالے سے اُن کے دل میں پلنے والی عداوت اَب کھل کر سامنے آ گئی تھی۔اُنہوں نے آپس میں فیصلہ کرلیا تھا کہ وہ فلک شیر کا ایسا انجام کریں گے کہ جس کے بارے میں اُس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔اسی لئے اُنہوں نے پہلے سے ہی یہ طے کرلیا تھا کہ وہ جائیداد کی تقسیم کا سوال اُٹھا دیں۔اور جائیداد آپس میں تقسیم ہوجائے تاکہ کل کو اُن کے کسی بھی اقدام سے منظور احمد اگر اُن کے خلاف کھڑا ہوتا بھی ہے تو کم ازکم جائیداد کا تنازع نہ ہو۔

فرزند علی اور یاور حیات نے اپنے بیٹوں نصیر اور سکندر کو شہر بھیج دیا تھا کہ وہ فلک شیر کے گھر کا تالا توڑ کر اس گھر پر نہ صرف یہ کہ وہ قبضہ کرلیں بلکہ فلک شیر کی تلاش بھی جاری رکھیں۔اُن کے ساتھ چار اسلحہ بردار اُن کے خاص آدمی بھی تھے۔

اس واقعے نے بھائیوں میں نفرت کی آگ تو بھڑکا ہی دی تھی' ناصر کا ساتھ بھی اُس کے چاچا زاد بھائیوں کے ساتھ ٹوٹ گیا تھا۔شہر جانے سے پہلے نصیر اور سکندر نے اپنے طور پر ناصر کو فون کیا تھا۔

''کیا بات ہے نصیر؟''فون اُٹھاتے ہی ناصر نے خشک لہجے میں پوچھا تھا۔

''ایک بات پوچھنے کے لئے فون کیا ہے۔تاکہ کل کو تُو یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے پوچھا نہیں تھا۔''نصیر نے کہا۔

''کیا پوچھنا ہے۔''ناصر کا لہجہ بدستور روکھا سا تھا۔

''دو ٹوک پوچھتا ہوں اور ایسا ہی جواب چاہتا ہوں۔''نصیر نے کہا۔''ہم آپس میں بھائی بھی ہیں اور دوست بھی۔جو ہوا اس میں تم ہمارا ساتھ دو گے یا اپنے باپ کا؟''

''جائیداد کے بٹوارے کی بات اگر اُصول سے کی جاتی تو مجھے کوئی اعتراض نہ ہوتا لیکن دھمکی تو میں کسی کی بھی برداشت نہیں کرتا۔یہ مجھے اچھا نہیں لگا۔''ناصر نے صاف کہا۔

''تیری نظر میں اُصول سے بات کیسے کی جاتی؟''نصیر نے پوچھا۔

''یہ بات اپنے باپ سے پوچھنا وہ تجھے مجھ سے بھی بہتر سمجھا سکے گا کہ جائیداد کے بٹوارے کی بات کیسے اور کس اُصول سے کی جاتی ہے۔''ناصر نے بھی اُس کے

باپ کو چاچا کہنے کا تکلف نہیں کیا تھا۔جب چنگاری بھڑکتی ہے تو پھر نفرت کی ہوا اُسے جلد آگ میں تبدیل کرنے میں بھی دیر نہیں لگاتی اور اس آگ میں دیکھتے ہی دیکھتے کیا کچھ بھسم ہونے لگتا ہے اس کا احساس بھی نہیں ہوتا۔

''میرا باپ تیرا چاچا بھی ہے۔''نصیر نے جیسے یاد دلایا۔

''یہ اُس وقت تجھے خیال کیوں نہیں آیا جب تم نے اپنے تایا کو اُس کے رشتے سے نہیں بلایا تھا۔''ناصر نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

''تو کیا تیرے باپ کے آگے وہ ہاتھ باندھ کر کھڑے ہوجاتے اور پھر اپنی جائیداد کا حصہ مانگتے تو اُصول ہوجاتا؟''نصیر اُس کی بات سن کر اُس کا جواب دینے کی بجائے بولا۔

''ہماری حویلی میں کھڑے ہوکر جو دھمکی دی ہے اَب ہاتھ باندھیں گے تو پھر ہی بات ہوگی۔''ناصر نے دوٹوک کہا۔

''یہ مت بھول کہ وہ حویلی ہمارے دادا کی ہے۔''نصیر کے لہجے میں تغیر آ گیا تھا۔اور اُس کا درشت لہجہ ناصر نے صاف محسوس کیا تھا۔

''دادا کی بات تو بہت دور کی ہے۔تیرے باپ کے نام بھی ہوتی تو بھی وہ نہ لے پاتا۔''ناصر بھی غصے میں آ گیا۔

''ناصر......تُو سب کچھ ختم کرنا چاہتا ہے۔تو کھل کر بات کر' تاکہ تیری دشمنی کو بھی ہم لاڈ سے اپنی اُنگلی کے ساتھ لگا کر رکھ سکیں۔''نصیر نے دانت پیس کر کہا۔

''نصیر......یہ یاد رکھ کہ فلک شیر کے معاملے میں میں نہ تو باپ کے ساتھ تھا اور نہ ہوں لیکن جائیداد کے بٹوارے میں میں اپنے باپ کے ساتھ کھڑا ہوں۔ہمت ہے اور بندوقوں کا سایہ کرسکتے ہو تو کرکے دیکھ لو۔''

''تو پھر تیار رہنا۔تم نے باپ کے نام کی بات کی ہے۔دیکھنا دادا کے نام کی جائیداد بھی ہم تم سے کیسے لیتے ہیں۔اَب جس کے اندر جو ہمت ہوگی وہ اُس کا حساب کتاب کرلے گا۔''نصیر نے یہ کہہ کر غصے سے فون بند کردیا تھا جبکہ ناصر پیچ وتاب کھاتا رہا تھا۔ان کی یہ باتیں دیتو دروازے کے ساتھ لگا سن رہا تھا۔وہ یہ تو نہیں جان سکا کہ دوسری طرف سے نصیر کیا کہہ رہا تھا لیکن جو ناصر بول رہا تھا اُس

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے وہ خود ہی کئی اندازے لگاتا رہا تھا۔

فون بند ہوتے ہی دیتو وہاں سے تیزی سے ہٹ گیا تھا۔ وہ وہاں سے جاتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ بھائی تو آپس میں ٹوٹ ہی گئے ہیں اب اُن کے بچوں میں بھی نفرت کی دراڑ آ گئی ہے۔ دیتو اپنی ناقص عقل کا گھوڑا گول چکر کی مانند دوڑائے جا رہا تھا کہ فلک شیر اور سیماں کے درمیان جو کچھ بھی تھا' وہ اتنی رازداری سے تھا کہ اُنہوں نے اس راز سے پردہ فرار کی صورت میں اُٹھایا اور بھائی' رشتے ناطے ریزہ ریزہ ہو گئے۔

اَب دیتو کو یہ بات کون بتاتا کہ نفرت کے بیج بونے کے بعد اُس فصل کی آبیاری کرنے والا علی گوہر ہے۔ جس نے وقت کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بہت سے گھاؤ چپکے سے لگا دیئے تھے۔

❁✪❁

نہ چاہتے ہوئے بھی محض زرینہ کی خاطر نوازش' سیماں کو اُس ہسپتال میں لے گیا تھا جہاں فلک شیر ڈیوٹی کرتا تھا۔ سیماں نے جو چادر اپنے اُوپر اُوڑھ رکھی تھی اُسی کے ساتھ اُس نے ایسا نقاب کیا ہوا تھا کہ جس سے اُس کے پورے چہرے کی محض آنکھیں ہی دکھائی دے رہی تھیں۔

سیماں کا دل ڈر بھی رہا تھا۔ اور اُس کی آنکھیں چاروں طرف گھوم بھی رہی تھیں۔ نوازش اُسے استقبالیہ کی جانب لے گیا۔ وہاں ایک لڑکی کاؤنٹر کے پیچھے کھڑی رجسٹر پر کچھ لکھ رہی تھی۔ نوازش نے وہاں جا کر بڑے مہذب لہجے میں پوچھا۔

''ڈاکٹر فلک شیر صاحب کہاں بیٹھتے ہیں؟''

''جی وہ چھٹی پر ہیں۔'' لڑکی نے فوراً ایک نظر نوازش کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔ شاید اُنہیں فلک شیر کے بارے میں جواب دینے کی ایسی ہی ہدایت کی گئی تھی۔

''چھٹی پر ہیں۔ کب سے؟'' نوازش نے حیرت کا اظہار کیا۔ سیماں ساتھ کھڑی سن رہی تھی۔

''مجھے معلوم نہیں ہے میں خود آج تین دن کی چھٹی کے بعد آئی ہوں۔'' لڑکی نے شائستہ لہجے میں جواب دیا۔

''تو وہ کب ڈیوٹی جوائن کریں گے؟'' نوازش نے پوچھا۔

''اس بارے میں بھی ہمیں نہیں بتایا گیا ہے۔'' لڑکی نے جواب دینے کے بعد پھر رجسٹر پر لکھنا شروع کر دیا۔ نوازش نے سیماں کی طرف دیکھا۔ سیماں کی نظر آنے والی نگاہوں میں نمی اُتری ہوئی تھی۔ نوازش اپنی معلومات کے لئے کچھ مزید جاننا چاہتا تھا اُس نے لڑکی سے پھر پوچھا۔

''کیا میں ڈاکٹر فلک شیر صاحب کے بارے میں کسی اور صاحب سے پوچھ سکتا ہوں۔ دراصل میری اُن کے ساتھ اپنے چیک اَپ کے لئے کمٹ منٹ تھی۔''

''وہ سامنے کمرے میں چلے جائیں۔'' لڑکی نے ہاتھ میں پکڑی پنسل سے ایک طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ نوازش نے اُس کمرے کی طرف دیکھا اور سیماں کو ایک طرف بینچ پر بٹھانے کے بعد خود اُس کمرے کا رُخ کر لیا۔ جانے سے پہلے اُس نے سیماں کو تاکید کی تھی کہ اس جگہ سے اُٹھ کر کہیں نہیں جائے گی۔ وہ اُسے اپنے ساتھ کمرے میں لے جانا نہیں چاہتا تھا۔ اُس کی دانست میں تھا کہ شاید اُسے کسی ایسی بات کا پتہ چل جائے جس کا سیماں سے مخفی ہونا بہتر ہو۔

اچانک نوازش کا ایک جاننے والا سامنے سے نمودار ہوا اور نوازش کو دیکھتے ہی چلایا۔ ''ارے نوازش تم یہاں۔''

نوازش نے جیسے ہی اُس کی طرف دیکھا اور اُسے بلند آواز سے پکارتے سنا تو وہ گھبرا سا گیا۔ تذبذب سے اُس کی طرف دیکھا۔ وہ اس صورتحال میں اچانک پلٹ کر سیماں کی طرف دیکھنا نہیں چاہتا تھا۔ البتہ جیسے ہی سیماں نے نوازش نام سنا' اُس نے فوراً اُس جانب دیکھا تھا۔ سیماں نے دیکھا کہ نوازش نے اُس آدمی کے ساتھ مصافحہ کیا اور وہ آدمی اسی بے تکلفی میں بولا۔ ''مجھے تمہارے ساتھ ایک بہت ہی ضروری کام تھا۔ میں یہاں سے فارغ ہو کر تمہاری طرف ہی جانے والا تھا شکر ہے کہ تم مجھے یہاں مل گئے۔ نوازش ایک طرف آؤ مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ آدمی نوازش کا ہاتھ پکڑے ایک طرف لے گیا۔ دائیں جانب ایک راہداری تھی' اُس طرف مڑتے ہی دونوں سیماں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے تھے۔ نوازش اُس آدمی کو کوس رہا تھا جو اچانک اور بے وقت مل گیا تھا لیکن وہ بھی کیا کرتا۔ اُس سے جان

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بھی نہیں چھڑا سکتا تھا۔ وہ شہر کے ایک سیاست دان کا خاص آدمی تھا۔ اور نوازش کے دونمبر کاموں میں اس کی پشت پناہی تھی۔

سیماں بینچ پر بیٹھی سوچنے لگی کہ اس شخص نے تو اپنا نام اُسے سراج بتایا تھا لیکن اُس آدمی نے اُسے نوازش کے نام سے پکارا ہے۔ یہ ماجرا کیا ہے؟ وہ ابھی اس بارے میں سوچ ہی رہی تھی کہ ٹھیک اسی وقت سامنے کے دروازے سے نصیر اور سکندر اپنے دو ساتھیوں کے ساتھ داخل ہوئے اور استقبالیہ کی طرف بڑھنے لگے۔ سیماں کی نگاہ جیسے ہی اُن پر پڑی وہ خوف سے کانپ گئی۔ جس جگہ وہ بیٹھی ہوئی تھی اُسے لگ رہا تھا کہ وہ اُس کی طرف آ رہے ہیں۔

سیماں کا دل پنجرے میں پھڑ پھڑاتے ہوئے پرندے کی مانند ہوگیا تھا۔ وہ یکدم برق رفتاری سے اُٹھی اور تیز تیز قدم اُٹھاتی ہوئی دوسری طرف چل پڑی۔ حالانکہ وہ نہیں جانتی تھی اس طرف وہ کہاں جا رہی ہے۔ وہ اپنے آپ کو اُن سے بچانے کے لئے چل پڑی تھی۔ چند قدموں پر ایک اور راہداری تھی۔ سیماں اُس راہداری میں چلی گئی۔ اُس نے ایک لمحے کے لئے بھی پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا تھا۔ جبکہ نصیر اور سکندر اپنے آدمیوں کے ساتھ استقبالیہ کے کاؤنٹر پر کھڑے اُس سے کچھ پوچھ رہے تھے۔

جس طرف راہداری مڑتی رہی' سیماں کے قدم اُسی طرف اُٹھتے رہے اور وہ خوف سے تیز تیز قدم اُٹھاتی رہی۔ سامنے ایک اور باہر کی طرف جاتا ہوا دروازہ دکھائی دیا۔ سیماں دروازہ عبور کر کے باہر آ گئی۔ وہ ایک لمحے کے لئے بھی نہیں رکی اور چلتی ہوئی سامنے چلی گئی۔ اُس کی سانس پھولی ہوئی تھی اور دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ایک جگہ رک کر سیماں نے دیکھا کہ وہ کس طرف جائے۔

انجان شہر اور اُس کے راستے اور بھی اجنبی تھے۔ جائے تو کہاں جائے۔ اَب تو سراج بھی اُس کی نگاہوں میں مشکوک ہوگیا تھا۔ جب سراج ہی مشکوک تھا تو پھر وہ زرینہ پر کیسے اعتبار کر سکتی تھی۔

سیماں نے گردن گھما کر ہسپتال کے مین دروازے کی طرف دیکھا اور اُس کی روح کانپ گئی۔ سکندر اپنے آدمیوں کے ساتھ باہر نکل کر مین دروازے کے پاس ہی کھڑا ہوگیا تھا۔ سیماں اور بھی ڈر اور خوف میں مبتلا ہوگئی تھی۔ اُس نے سوچا کہ اس کا

اس جگہ کھڑا رہنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیسے بھی اور کسی بھی طرح سے اسے یہاں نکل جانا ہوگا...... لیکن جاؤں کہاں؟ اس سوال نے سیماں کی ہر سوچ کو بند گلی میں لا کھڑا کیا۔

معاً اُس کی نگاہ کچھ ہی فاصلے پر پڑی۔ ایک رکشہ کے پاس دو بوڑھی خواتین کھڑی تھیں۔ ایک چپ تھی اور دوسری رکشہ ڈرائیور کے ساتھ بات کر رہی تھی۔ شاید کرایہ طے ہو رہا تھا۔ سیماں نے ایک لمحے میں سوچا اور فیصلہ کرتے ہی وہ اُن کے پاس چلی گئی۔

"خالہ جی میں یہاں اپنی چاچی کے گھر آئی تھی لیکن پتہ بھول گئی ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ کہاں جانا ہے۔"

دونوں میں سے ایک بوڑھی عورت رکشے میں بیٹھ گئی تھی اور جو باہر کھڑی تھی۔ اُس نے سیماں کا جائزہ لیا۔ اور بولی۔

"پتہ کیا ہے۔"

"وہ کاغذ کہیں گر گیا ہے۔" سیماں نے بہانہ کیا۔ اس کا مقصد تھا کہ وہ اس جگہ سے نکل جائے۔ اُس کے ہاتھ گھبراہٹ سے کانپ رہے تھے اور آواز میں لرزہ تھا۔

اُس خاتون نے ایک بار پھر اُس کا جائزہ لیا۔ سیماں نے نقاب کیا ہوا تھا۔ اَب اس خاتون کے لئے یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ اس نقاب کے پیچھے جو چہرہ ہے وہ کسی نوسرباز عورت یا لڑکی کا نہیں ہے؟ لیکن اس کی آواز اور گھبراہٹ سے لگتا تھا کہ وہ واقعی کھوگئی ہے۔ یہ بھی حقیقت اپنی جگہ تھی کہ کسی بھی چالباز کے لئے آواز کو کوئی بھی روپ دے دینا کوئی مشکل کام نہیں ہوتا ہے۔ وہ خاتون اسی مخمصے میں تھی کہ سیماں فوراً بولی۔

"میں ایک شریف اور خاندانی لڑکی ہوں۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتی ہوں کہ میں بھول گئی ہوں...... میں بھول گئی ہوں۔ خدا کی قسم میں بھول گئی ہوں۔" سیماں یہ کہتے ہوئے رو ہی پڑی تھی۔ اُس کی آواز میں خراش آ گئی تھی۔ شاید اُسے اس بات کا شدت سے احساس ہوگیا تھا کہ وہ واقعی بھول گئی تھی۔

"آؤ بیٹھ جاؤ۔" خاتون نے اس معاملے کو خدا کے سپرد کرتے ہوئے شائستہ لہجے میں کہا اور سیماں رکشے میں بیٹھ گئی۔ اس کے ساتھ وہ خاتون بھی بیٹھ گئی اور رکشہ

آگے بڑھ گیا۔جس خاتون نے سیماں کو رکشے میں بیٹھ جانے کے لئے کہا تھا‘وہ حاجی نیامت مرحوم کی بیوہ صغراں تھی۔جبکہ جو رکشے میں براجمان تھی وہ کوئی اور نہیں ......سکھاں تھی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نیلم کی اُداسی گرم موسم کی اُس شام کی طرح تھی جو ہوا کے خفیف جھونکے اور چاند کی چاندنی‘ سے عاری ہوتی ہے۔ایسی اُداس اور بوجھل شام کہ سورج کے غروب ہوجانے پر بھی دن بھر کی تپش شام کی پیشانی پر براجمان اُس کی خوبصورتی کو جیسے کاٹ رہی ہو۔نیلم کے لئے سب کچھ اچانک بدل گیا تھا۔اعتماد نازک کانچ کی طرح کرچی کرچی ہوگیا تھا۔جسے اُس نے چاہا تھا وہ دھوکے باز نکلا تھا۔وہ ایک ایسا قاتل تھا جس نے اُس کے ارمانوں کا ہی نہیں بلکہ اُن شفاف چاہت کا بھی قتل کیا تھا جو صرف اُسی کے لئے تھی۔اُس نے بڑی سفاکی کا مظاہرہ کیا تھا کہ اُن آنکھوں کو بھی آنسوؤں کی وہ لڑی دی تھی جن میں کوئی اور نہیں وہ خود بسا ہوا تھا۔وہ ایسا پتھر دل تھا کہ اُس نے اُس دل کو مسل دیا تھا جس کی ایک ایک دھڑکن میں وہ ہی تھا۔اور کوئی نہیں تھا۔

جب سے فلک شیر کا دوسرا روپ نیلم کے سامنے آیا تھا اُسے جیسے چپ لگ گئی تھی۔وہ ہسپتال اپنی ڈیوٹی پر جاتی ضرور تھی لیکن اپنے کام سے کام رکھ کر واپس آجاتی تھی۔ہسپتال کے دوسرے لوگ بھی پریشان تھے کہ اچانک فلک شیر کہاں چلا گیا ہے۔

نیلم کی ڈیوٹی ختم ہوئی تو وہ واپس جانے کے لئے ابھی اُٹھ ہی رہی تھی کہ اچانک دروازے پر ہلکی دستک ہوئی اور روبی کا چہرہ نمودار ہوا۔روبی کی طرف دیکھ کر نیلم پھر اپنی کرسی پر ہی بیٹھ گئی۔

”کیا حال ہے؟ کیا بات ہے چہرہ اُترا ہوا ہے؟“روبی نے اُس کی طرف

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دیکھتے ہی پوچھا اور اُس کے سامنے والی کرسی سنبھال لی۔

''تم کیسی ہو؟'' نیلم نے مرجھائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''آج کل تو ٹھیک ہوں۔'' روبی نے جواب دیا۔

''آج کل سے کیا مطلب؟'' نیلم نے پھیکے انداز میں سوال کیا جو کہ اُس کا خاصہ نہیں تھا۔

''نوازش میرے ساتھ ٹھیک ہے' اُس نے بُرے کام سے توبہ کر لی ہے۔ اور پراپرٹی کا کام شروع کر دیا ہے۔'' روبی نے بتایا اور پھر پوچھا۔ ''تم کیوں اُداس ہو۔ کہیں اس لئے تو نہیں کہ فلک شیر اچانک کہیں چلا گیا ہے؟''

''تجھے یہ کہاں سے پتہ چلا کہ وہ اچانک چلا گیا ہے۔'' نیلم نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔

''نوازش یہاں آیا تھا۔ اُسی نے مجھے بتایا تھا۔ میں پہلے تمہیں فون کرنے والی تھی لیکن پھر میں نے سوچا کہ کئی دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی ہے' جا کر بات کرتی ہوں۔ کہاں گیا چلا ہے فلک شیر؟'' روبی نے پوچھا۔

نیلم کے ہونٹوں پر طنز کی ایک خفیف تبسم کی لکیر اُبھری اور وہ بولی۔ ''لوگ ٹھیک کہتے ہیں۔ جس کی رگوں میں جیسا خون ہوتا ہے وہ فطری طور پر ویسا ہی ہوتا ہے۔''

''کیا ہوا کیا ہے۔ مجھے بھی تو پتہ چلے؟'' روبی نے متانت سے پوچھا۔

''وہ اپنی کزن کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔'' نیلم نے نفرت آمیز لہجے میں بتایا۔

''کیا کہہ رہی ہو تم؟'' روبی یکدم کرسی پر چونکی۔

''میں ٹھیک کہہ رہی ہوں۔ اُسے اُس جائیداد کی بھوک تھی جو اُس کے ہاتھ سے اس لئے نکل رہی تھی کہ وہ اس خاندان کا ایک حصہ بن نہیں رہا تھا۔ سب اُس سے نفرت کرتے تھے۔ نفرت کو مضبوط رشتے میں بدلنے کا حل اُس نے یہ نکالا کہ اپنی کزن کو اغوا کر کے لے گیا۔ اَب اُس کے ساتھ نکاح کرے گا اور داماد بن کر سامنے کھڑا ہو جائے گا۔ اس رشتے میں تو وہ اُسے قبول کر ہی لیں گے۔''

''میں یہ نہیں مانتی۔'' روبی نے یکدم کہا۔

''تم کو منانے کے لئے میں اس حقیقت سے پردہ نہیں اُٹھا رہی ہوں۔ تم نے

پوچھا اور میں اُس کی ذہنیت تمہارے سامنے کھول رہی ہوں۔'' نیلم کا لہجہ تلخ تھا۔

''کچھ بھی ہے میں یہ نہیں مانتی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ اُس نے محض اس لئے اپنی کزن کو اغوا کر لیا کہ وہ داماد بن جائے گا تو وہ لوگ اُسے قبول کر لیں گے۔ وہ غیرت کے نام پر آگ بگولہ ہونے والے لوگ ہیں۔ اغوا کا مطلب اُن کی نظر میں یہ ہے کہ بیٹی بھی مار دو اور لڑکے کے بھی ٹکڑے کر دو۔'' روبی نے نیلم کی ہر بات کو یکسر مسترد کرتے ہوئے کہا۔ ''نہیں...... میں نہیں مانتی۔ معاملہ کچھ اور ہے۔''

''ایسا تمہاری نظر میں ہو سکتا ہے۔'' نیلم نے کہا۔

''تم بھی میرے نظریئے کے مطابق سوچو تو تمہیں معاملہ کچھ اور نظر آئے گا۔'' روبی نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''مجھے اَب سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' نیلم نے پھر تلخی سے کہا۔

''نہیں سوچو گی تو تم اپنے اُس زہر سے اپنے آپ کو ڈس لو گی جو تمہارے ذہن میں جم گیا ہے۔'' روبی نے بلا تامل کہا۔ اور پھر اپنی جگہ سے اُٹھ کر نیلم کے پاس جا کر بولی۔ ''دیکھو نیلم...... وہ فلک شیر نے جس نے کئی بار کہا کہ وہ اپنے خاندان کی کسی جائیداد کو اپنی کھوئی ہوئی ماں پر اہمیت نہیں دیتا ہے۔ اُس کی جائیداد اُس کی کھوئی ہوئی ماں ہے۔ اس بار جب وہ گاؤں سے آیا تھا تو تم نے ہی مجھے بتایا تھا کہ اُنہوں نے اُس کی تذلیل کی تھی۔ اَب وہ کبھی گاؤں نہیں جائے گا۔ اور کسی سے کوئی ناطہ نہیں رکھے گا۔ تمہارے خاندانی وکیل سے ہی اُس نے ایک دن کہا تھا کہ مجھے ایسی دستاویز لکھ کر دیجئے کہ جو میں اپنے باپ کو پیش کر سکوں کہ میں اُن کی کسی خاندانی جائیداد میں کوئی حصہ نہیں لینا چاہتا ہوں۔ وہ ایسا اس لئے چاہتا تھا تا کہ وہ اُن سب سے محفوظ رہ سکے۔ وہ کوئی تکلیف نہیں چاہتا تھا۔ کوئی لڑائی کسی پھڈے کا متحمل نہیں ہونا چاہتا تھا۔''

نیلم سوچنے لگی۔ اُسے یاد آیا کہ جب فلک شیر گاؤں سے آیا تھا اور اُس نے آئندہ کبھی گاؤں نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا تو کچھ ہی دنوں کے بعد ان کے بنگلے میں نیلم کی ماں کی سالگرہ کی تقریب تھی۔ وہاں اُن کے خاندانی وکیل صاحب بھی آئے ہوئے تھے تو موقعہ ملتے ہی اُس کے سامنے فلک شیر نے ایسی بات وکیل سے کی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔وہ اُن سب سے ہمیشہ کے لئے الگ تھلگ ہوجانا چاہتا تھا۔وکیل کی اپنی مصروفیات کی وجہ سے وہ دستاویز تیار نہیں ہوسکی تھی۔اس بات کی نیلم خود گواہ تھی۔

''کیا سوچ رہی ہو؟''روبی نے نیلم کو چپ سوچتے ہوئے دیکھا تو پوچھا۔

''ہاں......تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔وہ ایسا ہی چاہتا تھا۔لیکن پھر اُس کی کزن سیماں کا غائب ہونا اور فلک شیر کا بھی کہیں چلے جانا۔یہ کڑی تو ایک ساتھ ہی ملتی ہے۔'' نیلم نے دھیرے سے کہا۔

''معاملہ کچھ اور ہے۔نفرت کا بیج اپنے دل کی زمین پر بونے سے پہلے انتظار کرو۔حقیقت کا ایک جھونکا ہر گرد کو اُڑا کر لے جائے گا۔فلک شیر ایسا نہیں ہے۔'' روبی نے کہا۔اور نیلم سوچنے لگی۔

پھر یکدم روبی نے نیلم سے پوچھا۔''نیلم......کبھی یہ اتفاق ہی نہیں ہوا۔تم مجھے بتاتی یا میں تم سے پوچھتی کہ فلک شیر کی ماں کا نام کیا ہے؟ایک آدھ بار بس یہ ہی ذکر ہوا تھا کہ فلک شیر کی ماں کو اُس کے شوہر اور سسر نے نکال دیا تھا۔کیا نام ہے فلک شیر کی ماں کا؟''

نیلم اپنی سوچوں میں اس قدر گم تھی کہ وہ جیسے روبی کی بات سن ہی نہیں سکی تھی۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم صم تھی۔روبی کچھ دیر اُس کی طرف سوالیہ نگاہوں سے دیکھتی رہی اور اسی اثنا میں روبی کا موبائل فون بول پڑا اور وہ اپنے فون کی طرف متوجہ ہوگئی۔

❁✪❁

جس وقت نوازش اپنے ملنے والے سے بات کرنے میں مصروف تھا اور سیماں کی نگاہ نصیر اور سکندر پر گئی تھی اور وہ اُن سے بچنے کے لئے وہاں سے اُٹھ کر چلی گئی تھی،اُس وقت صفدر بھی ہسپتال میں موجود تھا۔

وہ ابھی کچھ دیر قبل ہی ہسپتال میں داخل ہوا تھا۔ابھی وہ یہ دیکھ ہی رہا تھا کہ وہ کس طرف جائے کہ اُس کی نگاہ نصیر اور سکندر پر پڑی پھر جو اُن کے ساتھ اُن کے آدمی تھے اُنہیں دیکھا اور وہ ایک طرف ہٹ گیا کیونکہ وہ بھی صفدر کو جانتے

تھے۔صفدر ایک بار فلک شیر کے ساتھ اُس کے گاؤں تب گیا تھا جب فلک شیر کے دادا میر تاج کی برسی تھی۔وہاں تعارف بھی ہوا تھا اور صفدر کے ساتھ فلک شیر کے چچا زاد بھائیوں نے بادل نخواستہ مصافحہ بھی کیا تھا۔

صفدر نے دیکھا کہ نصیر اور سکندر استقبالیہ کی طرف گئے ہیں،وہاں موجود لڑکی کے ساتھ اُنہوں نے بات کی اور پھر سکندر اپنے آدمیوں کے ساتھ مین دروازے کے پاس کھڑا ہوگیا جبکہ نصیر اپنے دو آدمیوں کے ساتھ ہسپتال کی دوسری طرف چلا گیا تھا۔

اسی اثنا میں نوازش بھی اس جگہ آ گیا تھا۔اُس نے اُس جگہ کی طرف دیکھا جہاں سیماں براجمان تھی۔اُسے غائب دیکھ کر وہ چونکا اور پریشانی سے دائیں بائیں متلاشی نگاہوں سے دیکھنے لگا۔اُس کی پریشانی بڑھتی ہی جا رہی تھی۔پھر وہ سیماں کو تلاش کرتا ہوا ایک راہداری کی طرف چلا گیا،وہ کسی پاگل شخص کی طرح متلاشی نگاہوں سے سیماں کو دیکھ رہا تھا۔صفدر کیونکہ نوازش کو نہیں جانتا تھا اس لئے اُس نے اس کی طرف محض اس لئے دیکھا کہ اس شخص کے ساتھ آیا ہوا کوئی ساتھی کہیں چلا گیا ہے اور وہ اُسے تلاش کر رہا ہے۔

صفدر اس ہسپتال میں پون گھنٹہ تک موجود رہا۔اور اس دوران اُس نے نصیر اور سکندر کو چلتے پھرتے اور ہسپتال کے کسی نہ کسی عملے سے بات کرتے ہوئے ہی دیکھا تھا۔پھر وہ ہسپتال سے باہر نکل گیا۔اور سیدھا اپنی گاڑی کی طرف چلا گیا جو ہسپتال سے کچھ ہی فاصلے پر ایک پارک کے سامنے کار پارکنگ میں کھڑی تھی۔اُس کار کے اندر فلک شیر بھی موجود تھا۔شیشوں پر سیاہ شیڈ چڑھے ہوئے تھے جس سے کوئی یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ اندر کون بیٹھا ہوا ہے۔

''کیا ہوا؟''جونہی صفدر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا،فلک شیر نے سوال کیا۔

''تمہارے دو کزن اپنے آدمیوں کے ساتھ ہسپتال میں تمہارے بارے میں ہی غالباً پوچھ رہے ہیں۔''صفدر نے بتایا۔

''تمہیں تو نہیں دیکھا کسی نے؟''فلک شیر نے فکرمندی سے پوچھا۔

''نہیں......میں ایک طرف الگ تھلگ کھڑا تھا۔وہ واقعی تمہاری تلاش میں

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہیں۔ معاملہ سنگین ہے۔'' صفدر کے لہجے میں تشویش تھی۔

''اب کیا کروں۔ تمہارے پاس چھپ کر بیٹھا رہوں۔ سامنے آکر اُن کا مقابلہ کروں؟'' فلک شیر نے مضطرب ہو کر کہا۔

''یہ بھی اس معاملے کا حل نہیں ہے۔'' صفدر کچھ سوچ رہا تھا۔

''پولیس سے رابطہ کروں؟'' فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھا۔

''کیوں نہ تم نیلم سے رابطہ کرو۔ اُسے ساری صورتِ حال سے آگاہ کرو اور اگر وہ جانتی ہے تو اُس سے پوچھو کہ کیا حالات ہیں۔ پھر شاید کوئی راستہ نکل آئے۔'' صفدر نے مشورہ دیا۔

''ہاں میں نے اُن کے خاندانی وکیل سے بات بھی کی تھی۔ اس طرح اُن کے وکیل سے بھی ملنے کا موقع مل جائے گا۔ وہ ایک قابل وکیل ہے۔'' فلک شیر نے صفدر کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے کہا۔

''تم نیلم کو ابھی فون کرو۔'' صفدر نے کہا۔

فلک شیر نے اپنا موبائل فون نکالا اور نیلم کا نمبر نکال کر جیسے ہی اُسے پُش کیا بیل جانے لگی۔ فلک شیر بے تابی سے انتظار کرنے لگا کہ وہ جلدی سے فون اُٹھا لے۔ لیکن مسلسل بیل جاتی رہی۔ اور پھر بیل جانا بند ہوگئی۔ فلک شیر نے تین چار بار کوشش کی لیکن نیلم نے فون نہیں اُٹھایا۔

''فون ہی نہیں اُٹھا رہی۔'' فلک شیر نے دھیرے سے پریشان ہو کر کہا۔

''شاید وائبریشن میں ہو۔ تم کوشش کرتے رہو۔ میں گاڑی چلاتا ہوں۔'' صفدر نے کہا اور اُس نے کار آگے بڑھا دی۔ فلک شیر نے پھر کوشش کی۔ بیل اس بار بھی گئی۔ لیکن نیلم کیسے فون اُٹھاتی ......کیونکہ وہ روبی کے ساتھ باتوں ہی باتوں میں اپنا موبائل فون ہسپتال کے کمرے میں میز پر ہی بھول گئی تھی۔ کمرہ باہر سے مقفل تھا اور اندر مسلسل اُس کا موبائل بج رہا تھا۔

❀✪❀

بختاں کا چہرہ اُترا ہوا تھا اور آنکھیں رونے سے جیسے سوج گئی تھیں۔ اُسے سیماں بہت یاد آنے لگی تھی۔ وہ اس کے لئے اتنی فکرمند ہوگئی تھی کہ اب تو اُسے کچھ کھانے

پینے کا بھی ہوش نہیں رہا تھا۔ طبیعت میں ایسی بے چینی عود کر آگئی تھی کہ وہ چاہتی تھی ابھی سیماں اُس کے سامنے آجائے۔ وہ اُسے معاف کردے گی۔ بلکہ وہ اُس کے باپ اور بھائیوں کو بھی اُسے کچھ بھی کہنے کی اجازت نہیں دے گی۔ خواہ اُسے کچھ بھی برداشت کرنا پڑے وہ خود تکلیف برداشت کرلے گی لیکن سیماں کو کچھ نہیں ہونے دی گی۔

اس وقت بھی بختاں چارپائی پر افسردہ بیٹھی ہوئی تھی۔ اُس کی سوچوں کا محور سیماں ہی تھی۔ وہ سوچ رہی تھی کہ جانے وہ کہاں اور کس حال میں ہوگی۔ اسی اثنا میں فرزند علی اور نوید کمرے سے باہر نکلے تو فرزند کی جیسے ہی نگاہ بختاں پر پڑی وہ رک گیا پہلے تو وہ اُسے دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

''کیا ہوا ہے؟''

''کیا ہوا ہے؟'' بختاں نے چونک کر جواب دینے کی بجائے فرزند علی کی طرف خالی خالی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہی سوال کردیا۔

''منہ لٹکا کر بیٹھی ہے۔ طبیعت ٹھیک ہے تیری؟'' فرزند علی نے پوچھا۔

''سیماں آئے گی تو سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔'' بختاں کی آنکھیں پھر بھیگ گئیں۔

فرزند نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔ ''پہلے عقل سے کام لیتی تو یہ نوبت نہ آتی۔ اس کی تو بھی ذمہ دار ہے۔''

''ہاں میں بھی ذمہ دار ہوں، کیونکہ میں ماں جو ہوں۔ اپنی اُولاد کی نادانیاں چھپانے کا جرم جو میں نے کیا ہے۔ میں کم عقل یہ جو سوچ بیٹھی تھی کہ میرے سمجھانے سے وہ سمجھ جائے گی۔ میں اُس کی نادانی کو اُس کے باپ تک نہ لے کر جاؤں۔ مرد تو غصے کے گھوڑے کا سوار ہوتا ہے۔ پتہ نہیں کیا کر بیٹھے۔ ہاں میں جرم دار ہوں، ابھی مجھے سزا دے دو اور دبا دو میرا گلا۔'' بختاں نے روتے ہوئے چیخ کر کہا۔ اُس کے اندر کا غبار باہر نکل رہا تھا۔

''بند کر یہ رونا دھونا۔ ہم کوشش کررہے ہیں۔ سیماں کو ہم ڈھونڈ ہی لیں گے۔ اس کے بعد جو ہوگا وہ شاید منظور احمد سے برداشت نہ ہو۔ اسی لئے ہم نے یہ فیصلہ کیا تھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کہ جائیداد کا بٹوارہ ہو جائے۔" فرزند نے اپنا لہجہ نرم ہی رکھا تھا۔ وہ بختاں کی کیفیت کو جانتا تھا۔ اُس نے سوچا تھا کہ اَب بختاں پر مزید بگڑنا ٹھیک نہیں ہے۔ شاید وہ اپنی جگہ ٹھیک تھی۔ وہ مزید بولا۔ "ہم منظور احمد کی طرف جا رہے ہیں۔ وکیل بھی ہمارے ساتھ جا رہا ہے۔"

بختاں جلدی سے اُٹھ کر فرزند کی طرف بڑھی اور اُس کے سامنے کھڑی ہو کر بولی۔ "پہلے میرے ساتھ ایک وعدہ کرو۔"

"کیا وعدہ کروں؟" فرزند علی نے اُس کی طرف دیکھا۔

"سیماں ملے گی تو تم اُسے کچھ نہیں کہو گے۔" بختاں نے جیسے شرط رکھ دی ہو۔

"یہ وقت آنے پر سوچوں گا۔" فرزند علی نے متانت سے جواب دیا۔

"نہیں تم ابھی مجھ سے وعدہ کرو۔ تم اسے کچھ نہیں کہو گے۔ سیماں کو معاف کر دو گے۔ وہ معصوم ہے۔ سارا کیا کرایا اُس فلک شیر کا ہے۔" بختاں نے بضد ہوتے ہوئے کہا۔

"نوید سمجھا اپنی ماں کو۔" فرزند علی نے اُکتائے ہوئے لہجے سے نوید کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"اماں تُو فکر نہ کر۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ سیماں کو ہم کچھ نہیں ہونے دیں گے۔ اُسے معاف کر دیں گے۔ ایک بار مل تو لے۔" نوید نے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

فرزند نے کہا۔ "چل نوید۔"

فرزند اور نوید کمرے سے باہر نکل گئے اور بختاں افسردہ دل کے ساتھ اُسی جگہ کھڑی رہی۔

❀✪❀

منظور احمد اپنی حویلی کے اندر اُس جگہ جو اُس نے لوگوں کے بیٹھنے اُٹھنے کے لئے بنائی ہوئی تھی' ایک چارپائی پر براجمان فضل نائی سے شیو بنوا رہا تھا۔ اُس کے منہ پر فضل نائی برش سے کریم مَل کر جھاگ بنا رہا تھا۔ وہ منظور احمد کا پرانا اور مستقل نائی تھا۔ اس سے قبل اس کا باپ یہ کام سرانجام دیا کرتا تھا۔ ہر دوسرے دن وہ اسی

وقت منظور احمد کی شیو بنانے کے لئے آتا تھا۔ آج بھی وہ اپنی روٹین کے مطابق شیو بنانے کے لئے آ گیا تھا۔ پاس ہی دینو اخبار پڑھتے ہوئے منظور احمد کو تازہ خبریں رہا تھا۔

اسی اثنا میں حویلی کا گیٹ عبور کر کے جب فرزند علی' یاور حیات اور اُن کا وکیل اندر آئے تو اپنی طرف بڑھتے ہوئے منظور احمد نے اُن کو کنکھیوں سے دیکھا۔ اور مطمئن ہو کر شیو کراتا رہا۔ اُس نے جب سے فیصلہ کیا تھا وہ بالکل بے خوف ہو گیا تھا۔ اُس پر بھائیوں کے ساتھ وکیل کے آنے کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

وہ تینوں منظور احمد کے پاس ہی کھڑے ہو گئے۔ وکیل نے جب دونوں طرف خاموشی دیکھی تو وہ منظور احمد سے بولا۔

"اسلام علیکم چوہدری صاحب۔"

"وعلیکم السلام...... کیسے ہو وکیل صاحب۔" منظور احمد نے فضل نائی کا اُسترا اپنی گال پر چلتے ہوئے بڑے پُرتپاک لہجے میں اسلام کا جواب دیا۔ لیکن بھائیوں کی طرف اُس نے کوئی توجہ نہیں دی تھی۔

"خدا کا شکر ہے۔" وکیل نے جواب دیا۔

منظور احمد نے ہاتھ کے اشارے سے فضل نائی کو روکا تو وہ اپنا ہاتھ روک کر کھڑا ہو گیا۔ منظور احمد نے اپنے بھائیوں کی طرف دیکھا اور مسکرا کر کہا۔ "کھڑے کیوں ہو بیٹھو۔"

"ہم وکیل لے آئے ہیں۔" فرزند علی نے اُکھڑے ہوئے لہجے سے کہا۔

منظور احمد نے اُس کی بات سن کر فضل نائی کو پھر اشارہ کیا اور وہ ایک بار پھر منظور احمد کی گالوں پر اپنا اُسترا چلانے لگا۔ فضل نائی کے ہاتھ کام کر رہے تھے لیکن اُس کے کان ان کی باتوں کی طرف مبذول تھے۔ اور وہ پریشان بھی تھا کہ یہ ہو کیا رہا ہے۔

"وکیل صاحب کو لانے کی کیا ضرورت تھی۔" منظور احمد نے اطمینان سے کہا۔ "ابھی اس کا وقت نہیں آیا ہے۔"

"وقت آ چکا ہے۔" یاور حیات نے بلا تامل کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تم سمجھتے ہو لیکن میں ایسا نہیں سمجھتا۔" منظور احمد نے کہا۔

"مجھے یہ مناسب نہیں لگے گا کہ بڑے بھائی کو اَب چھوٹے بھائی سمجھائیں کہ وقت آیا ہے کہ نہیں۔" یاور حیات نے معنی خیز لہجے میں اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

منظور احمد دھیرے سے ہنسا۔ "جب سمجھنے اور سمجھانے کی بات آئے گی تو ماسٹر لوگ میرے پاس بھی ہیں۔" اس کے لہجے میں جیسے ہلکی سی دھمکی تھی۔

فضل نائی کے کام کرتے ہاتھوں میں سستی آگئی تھی۔ اُس کا دھیان ان کی باتوں کی طرف زیادہ ہوگیا تھا۔ وہ شیو کر چکا تھا بس اَب باتیں سننے کے لئے اپنے کام کو خوامخواہ طوالت دے رہا تھا۔ جبکہ دیتو پاس ہی کھڑا خاموشی سے اُن کی باتیں سن رہا تھا۔

"مجھے تمہاری باتوں سے لگتا ہے کہ تم جائیداد کا بٹوارہ کرنا نہیں چاہتے ہو۔" فرزند علی یکدم غصے سے کہا

"سمجھ گئے ہو تو وکیل صاحب کو جانے کی اجازت دے دو۔ انہیں اور بھی کام ہونگے۔" منظور احمد نے لاپرواہی سے کہا۔ اس بار اس کا لہجہ بھی ایسا تھا جیسے وہ کسی اجنبی سے بات کر رہا ہو۔

"لیکن ہم بٹوارہ کر کے ہی رہیں گے۔" یاور حیات نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"جو تم لوگوں کے نام ہے وہ تم لوگوں کا ہے اور جو میرے نام ہے وہ میرا ہے۔" منظور احمد نے اُن کی طرف دیکھ کر آنکھیں نکال کر کہا۔

"بڑا بھائی ہونے کے ناطے ابا جی نے تمہارے نام بہت کچھ لگا دیا تھا اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تم اُس پر اپنا قبضہ ہی کر لو۔ اور ابا جی کے بھروسے کی اَب پروا ہی نہ کرو۔ سب کچھ تقسیم ہوگا اور آج ہی ہوگا۔" فرزند علی نے ایک سانس میں کہا۔

منظور احمد نے اپنی گردن کے گرد لپٹا ہوا تولیہ غصے سے اتار کر ایک طرف پھینکا کہ فضل نائی گھبرا کر ایک طرف ہوگیا۔ اور وہ بھی غصے سے بولا۔ "کچھ بھی تقسیم نہیں ہوگا۔ ہم بھائی ٹوٹتے ہیں تو ٹوٹ جائیں۔ لڑائی ہوتی ہے تو ہو جائے۔ ایک دوسرے

کی طرف آنے اور جانے کے دروازے بند ہوتے ہیں تو ہو جائیں۔ مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔ اور آئندہ بٹوارے کی کہانی لے کر میرے پاس نہ آنا۔"

"تجھے پروا کرنی پڑے گی منظور احمد ورنہ پورا گاؤں دیکھے گا کہ میر تاج کے بیٹوں میں خون کا کیسا کھیل کھیلا جا رہا ہے۔" فرزند علی پھٹ پڑا۔

"خون کا کھیل کھیلنے کا اتنا شوق ہے تو وکیل کا سہارہ لینے کی بجائے میدان میں آ کر بات کرو۔ جس کی گردن کٹ جائے گی دوسرا سب کچھ لے جائے گا۔" اسی اثنا میں ناصر اندر سے آتا ہوا بولا۔ اس کی آواز میں غراہٹ تھی۔

"تم ہمارے بیچ میں آنے کی کوشش نہ کرو ناصر۔" فرزند علی نے اُسے گھور کر کہا۔

"میں تو بیچ میں آچکا ہوں۔" ناصر بولا۔ "اَب آپ کیا کریں گے۔"

"منظور احمد کے تم ایک ہی پتر ہو۔ جاؤ اور جا کر کوئی اور کھیل کھیلو۔ یہ ہم بڑوں کا کھیل ہے۔" فرزند علی نے اُسے ہاتھ کے اشارے سے وہاں سے چلے جانے کے لئے کہا۔

"فرزند علی......" منظور احمد یکدم اُٹھ کر غصے سے بولا۔ "یہ میرا پتر ناصر ہے فلک شیر نہیں کہ میں اس کی پروا کرنا چھوڑ دوں۔ یہ شیر ہے اسے مت للکارو ورنہ رشتوں کی رہی سہی ڈور بھی ٹوٹ جائے گی۔"

"رشتوں کی ڈور تو تم نے اُسی دن توڑ دی تھی جب تم نے میری بیٹی سیماں کو فلک شیر سے اغوا کرایا تھا۔ آج یہ پتہ چلا ہے کہ تم نے سوچی سمجھی اسکیم کے تحت ہی یہ سب کرایا تھا تاکہ پھوٹ پڑے اور جائیداد پر تم قابض ہو جاؤ۔ اسی لئے اس جائیداد کی خاطر تم نے اپنے اُس پتر کو قربانی کا بکرا بنا کر کٹنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا ہے۔" یاور حیات نے چیخ کر کہا کہ اُس کی آواز گیٹ پر کھڑے چوکیداروں تک چلی گئی۔ کسی کو بھی یہ یاد نہیں تھا کہ اس حویلی کی چار دیواری میں ایک غیر آدمی موجود ہے جس کا نام فضل نائی ہے۔ اچانک دیتو کی نگاہ فضل نائی پر پڑی تو اُس نے اُس کی وہ صندوقچی جس میں شیو اور حجامت کرنے کا سامان تھا' وہ بند کی اور فضل نائی کے ہاتھ میں دے کر اُسے پکڑ کر باہر لے گیا اور گیٹ پار کرانے کے بعد واپس آیا۔

تب تک بات اور بھی بھڑک چکی تھی۔ تند و تیز جملوں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ اور آخر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں فرزند علی نے چیخ کر غصے سے کہا۔"ایسا ہے تو پھر ایسا ہی سہی۔اَب جو بھی بات ہوگی وہ زبان سے نہیں طاقت سے ہوگی۔"

دونوں تیزی سے باہر نکل گئے۔وکیل اُسی جگہ کھڑا رہا۔اور سوچتا رہا کہ اُسے کیا کرنا چاہیئے۔بھائیوں کو جاتا ہوا دیکھتے ہوئے منظور احمد کی گردن اور بھی اکڑ گئی تھی۔

❀✪❀

فضل نائی تو سب باتیں سن کر بھونچکا ہی رہ گیا تھا۔

وہ حویلی سے باہر نکل کر بھی ایسے ہی کھڑا رہا تھا جیسے ابھی اُسے کسی نے نیند سے جگا دیا ہو۔تینوں بھائیوں میں جائیداد کی لڑائی ہو رہی ہے۔اور فرزند علی کی بیٹی سیماں کو فلک شیر نے اغوا کرلیا ہے۔اس کی خبر پورے گاؤں میں کسی کو نہیں تھی۔فضل نائی یہ سب جان کر حیرت کی اور گہرائی میں اُترتا جا رہا تھا کہ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود وہ بے خبر ہی رہا۔

فضل نائی ابھی کچھ ہی دور گیا تھا کہ اچانک اُس کے سامنے ایک طرف علی گوہر نکل کر آ گیا۔فضل نائی اُسے دیکھتے ہی چونک گیا۔

"ڈر گئے؟"علی گوہر مسکرایا۔

"تم نے اچانک سامنے آکر ڈرا ہی دیا۔"فضل نائی بولا۔

"اچھا ہوا تُو مجھے یہاں مل گیا۔چل میری شیو کر۔"علی گوہر نے کہا اور اُسے ایک طرف برگد کے درخت کے ساتھ بنے ہوئے چبوترے کی طرف لے گیا۔دونوں وہاں آمنے سامنے ہی بیٹھ گئے۔فضل نائی نے اپنی صندوقچی کھول لی۔

علی گوہر مہینوں سے جانتا تھا کہ منظور احمد فضل نائی سے ہر دوسرے دن شیو کراتا ہے۔اُسے فضل نائی کے آنے جانے کا بالکل حساب تھا۔وہ تو ایک گھنٹے سے اس جگہ فضل نائی کے انتظار میں تھا۔اور جیسے ہی فضل نائی نمودار ہوا وہ سامنے آ گیا تھا۔

فضل نائی نے تولیہ علی گوہر کی گردن کے اردگرد حائل کر دیا تھا۔کریم نکال کر اُس کے چہرے پر لگائی اور پھر اُس کا برش چلنے لگا تھا۔فضل نائی کے دماغ میں ابھی تک اُن کی باتیں گردش کر رہی تھیں۔فضل نائی کا پیٹ پھول رہا تھا اور وہ ان باتوں کو

اپنے اندر سے باہر نکالنے کے لئے بے تاب ہو رہا تھا۔وہ پورے گاؤں میں چل پھر کر کام کرتا تھا۔دس باتیں سن کر اُنہیں جب تک وہ آگے سنا نہیں دیتا تھا' اُس سے کام ہی نہیں ہوتا تھا۔

"کوئی نئی تازی بات سنا فضل۔بڑا چپ ہے۔"علی گوہر نے کچھ دیر کے بعد کہا۔

"کیا سناؤں۔"فضل نائی شاید ایسا کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن اس کے منہ سے نکل گیا۔

"گلی گلی گھومتا ہے۔کچھ سنا۔"علی گوہر نے چسکا لیتے ہوئے کہا۔

"آج تو عجیب بات کان پڑ گئی ہے۔"فضل نائی زیادہ دیر ان باتوں کو روک نہیں سکا اور بولا۔

"وہ کیا؟"علی گوہر نے پوچھا۔

"اپنے چوہدری منظور احمد اور اُس کے بھائیوں میں جائیداد کی تقسیم کا جھگڑا چل رہا ہے۔"فضل نائی نے فوراً کہا۔

"بکواس کرتا ہے تُو۔ایسے کیسے ہو سکتا ہے۔وہ بھائی مضبوط دیوار کی اینٹوں کی طرح ہیں۔"علی گوہر اندر ہی اندر چونکا لیکن اُس نے اپنی کیفیت اس پر عیاں نہیں ہونے دی اور لاپروائی سے کہا۔

"لے دس.....تُو نے میری بات کو بکواس ہی کہہ دیا میں ابھی ابھی سن کر آ رہا ہوں۔چوہدری فرزند اور یاور وکیل لے کر آئے تھے۔اچھا خاصا جھگڑا ہوا ہے۔"
فضل نائی نے اپنی بات کے جھٹلانے پر منہ بنا کر کہا۔

"اچھا۔"علی گوہر نے بھولے پن سے کہا۔"پھر کیا ہوا؟"

"چوہدری منظور نے انکار کر دیا،پھر کیا تھا لڑائی شروع ہوگئی۔مرنے مارنے پر بات آ چکی ہے۔"فضل نائی بولا۔

"کمال ہے۔"علی گوہر نے کہا۔لیکن وہ دل ہی دل میں بولا تھا کہ وہ ایسا ہی چاہتا تھا۔یہ ہی اُس کے انتقام کی ایک کڑی ہے۔ان کی تباہی اور بربادی کو وہ ایسے ہی دیکھنا چاہتا تھا۔اُس کے علم میں یہ بات تو نہیں تھی کہ آج منظور احمد کے بھائی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

جائیداد کے بٹوارے کے لئے اُس کے پاس جا رہے ہیں۔ وہ فضل نائی کی تاک میں محض اس لئے تھا کہ شاید کوئی بات اُس کے ہاتھ لگی ہو اور وہ اس کے علم میں آ سکے کیونکہ فضل نائی کسی چھوٹی سی بات کو بھی اپنے پیٹ میں زیادہ دیر تک رکھنے کا عادی نہیں تھا۔ لیکن یہاں تو اچانک اُسے بہت کچھ جاننے کے لئے مل گیا تھا۔ وہ خود بھی حیران تھا کہ دیتو نے بھی اسے کسی بات کے بارے میں نہیں بتایا تھا کہ حالانکہ اُسے نے کئی بار اُسے کریدا تھا۔

"اور سنو۔" فضل نائی نے اُسترا اُس کی گال پر چلاتے ہوئے کہا۔

"سناؤ۔" علی گوہر تو سننے کے پہلے ہی تیار تھا۔ اُس نے فوراً کہا۔

"سکھاں کے پتر فلک شیر نے بھی ایک کارنامہ دکھایا ہوا ہے۔" فضل نائی نے مزہ لیتے ہوئے کہا اور مسکرایا۔

"وہ کیا....." علی گوہر نے انجان بنتے ہوئے پوچھا۔

"فرزند علی کی بیٹی سیماں کو اغوا کر کے لے گیا ہے۔" فضل نائی نے آنکھیں گھماتے ہوئے گویا انکشاف کیا۔

"کیا کہہ رہے ہو؟" علی گوہر نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ اگر اس وقت فضل نائی کا اُسترا اُس کی گال پر سفر کر رہا ہوتا تو شاید اس جگہ سے کٹ جاتا۔

"ابھی ابھی سن کر آ رہا ہوں، مجھے میرے اُسترے کی قسم جو جھوٹ بولوں۔" فضل نائی فوراً کہا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔ اور وہ یہ سب باتیں کر کے اپنے آپ کو کچھ ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔

"مجھے تمہاری کسی بات پر یقین نہیں آ رہا ہے۔" علی گوہر نے جان بوجھ کر کہا۔

"پتہ نہیں تم کیا کہہ رہے ہو۔"

"جو بھی کہا ہے وہ سچ کہا ہے اور سچ کے سوا کچھ بھی نہیں کہا ہے۔ قسم سے۔" فضل نائی نے علی گوہر کی گردن کے گرد حائل تولیہ الگ کیا اور اُسی سے علی گوہر کا چہرہ صاف کرنے لگا۔ اس کے بعد اُس نے اپنی صندوقچی بند کی، علی گوہر نے اُسے جیب سے پیسے نکال کر دیئے اور بولا۔

"دیکھو یہ باتیں تم نے مجھے بتائی ہیں گاؤں میں کسی اور کو نہ بتانا، کوئی یقین نہیں

کرے گا۔" علی گوہر نے کہا۔ وہ جانتا تھا کہ جو لوگ اپنے پیٹ میں کوئی بات نہیں رکھ سکتے، ایسی بات اُنہیں مزید لوگوں کو بات بتانے کے لئے اُکساتی ہے۔

"میری ایسی عادت ہی نہیں ہے کہ کسی کی بات کسی اور سے کروں۔" فضل نائی نے نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا اور اپنی صندوقچی پکڑ کر چل پڑا۔ علی گوہر وہاں کھڑا مسکرایا۔ بہت سی باتوں کا اُسے علم نہیں تھا جو کہ اب ہو گیا تھا۔

❋

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فرزند علی اور یاور حیات بھٹی میں رکھے لوہے کی طرح سرخ ہو گئے تھے۔اُن کا غصہ تن بدن میں ایسی آگ بھڑکا رہا تھا جیسے وہ اپنے ساتھ ساتھ دوسروں کو بھی اس آگ میں جلا دیں گے۔دونوں سیدھے اپنے ڈیرے پر آ گئے تھے۔وہاں نوید نثار اور اُن کے آدمی موجود تھے۔

"کیا ہوا؟"نوید نے پہلے دونوں کا جائزہ لیا اور پھر پوچھا۔

"کہتا ہے جائیداد کا بٹوارہ نہیں ہوگا۔"فرزند علی نے دانت پیس کر غصے سے کہا۔اور چارپائی پر بیٹھ کر حقے کے کش لینے لگا۔

"اس کی نیت کھل کر سامنے آ گئی ہے۔یہ شروع سے ہی ہمارے ساتھ کھیل کھیلتا رہا تھا۔ہم ہی بھولے تھے کہ اسے بڑا بھائی سمجھ کر اعتماد کی نیند سوتے رہے۔"یاور حیات نے بھی اپنا غصہ نکالا۔

"اس کا مطلب ہے کہ اب اُنگلی ٹیڑھی کرنی پڑے گی۔"نوید نے بھڑک کر کہا۔

"اب اُنگلی ہی نہیں خود بھی ٹیڑھا ہونا پڑے گا۔منظور احمد اور اُس کے پتر کو بتانا پڑے گا کہ جب ہم خون کا رشتہ بھولنے پر آتے ہیں تو پھر کس طرح سے پیش آتے ہیں۔"فرزند علی نے کہا۔غصہ اُس کے منہ سے آگ کے شعلے کی طرح نکل رہا تھا۔

"ہمارے لئے کیا حکم ہے؟"نثار نے پوچھا۔

"بس تیار رہنا۔ہم سوچ لیں کہ کیا کرنا ہے اور کہاں سے شروع کرنا ہے۔"یاور حیات نے سوچتے ہوئے کہا اور اور اُس کے چہرے پر سفاکی عود کر آ گئی تھی۔

زرینہ کی نگاہیں نوازش کے چہرے پر ایسے پیوست تھیں جیسے خنجر گاڑ دیئے گئے ہوں۔نوازش ایک طرف کھڑا تاسف سے ہاتھ ملے جا رہا تھا۔اس کا چہرہ اُلجھن کا شکار تھا۔

"اچھی بھلی چڑیا اُڑا آئے ہو۔کھیل شروع ہونے سے پہلے ہی ختم کر دیا تم نے۔کیا کیا سوچا تھا تم نے ایک پل میں تہس نہس کر دیا۔"زرینہ غصے سے بولی۔اس کے لہجے میں تاسف تھا۔

"سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ چلی کہاں گئی۔"نوازش نے کہا۔

"تیرا دھیان ایک جگہ ہوتا تو تجھے سمجھ آتی۔کسی خوبصورت نرس کو دیکھ کر چل دیئے ہوگے اس کے پیچھے۔"زرینہ نے اپنے ہاتھ اُس کے سامنے نچاتے ہوئے کہا۔

"یہ بات تم مجھے تیسری بار کہہ چکی ہو۔"نوازش نے اُس کی طرف گھور کر دیکھتے ہوئے کہا۔

"کہوں گی۔چوتھی،پانچویں بار بھی کہوں گی کیونکہ تم ہو ہی ایسی اوقات کے مالک۔"زرینہ کو سیماں کے چلے جانے کا غصہ ہی اس قدر شدید تھا کہ وہ اپنے الفاظ روک نہیں سکی اور اُس کے سامنے اکڑ کر کھڑی ہو گئی۔

"زرینہ بائی زبان سنبھال کر بات کرو۔میری اوقات کی بات کرنے سے پہلے اپنی اوقات دیکھو کہ وہ کیا ہے۔"نوازش نے اُس کے چہرے پر اپنی نگاہیں جماتے ہوئے کہا۔

"تم سے اچھی ہے۔"زرینہ نے فوراً کہا۔

"جانتا ہوں کہ کتنی اچھی ہے۔"نوازش نے نفرت سے کہا۔"دو پیسے کے لئے بیٹی کو بھول جانے والی اوقات کی بات کرتی ہے۔"

"مجھے طعنے دیتا ہے تُو۔چل دفع ہو جا یہاں سے اور آئندہ اپنی منحوس صورت مجھے مت دکھانا۔"زرینہ سے اُس کا یہ طعنہ برداشت نہ ہوا اور وہ بھڑک کر بولی۔

"میں خود تجھ سے پیچھا چھڑانا چاہتا ہوں۔جب سے تُو میرے ساتھ ملی ہے۔میرا کوئی بھی کام بنتا ہی نہیں ہے۔"نوازش نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تیری نیت میں فتور ہے اس لئے کام نہیں بنتا۔ سیماں کہیں نہیں گئی۔ بلکہ تم نے اُسے کہیں اور چھپا دیا ہے۔ تا کہ اکیلا ہی حلوہ کھائے۔" زرینہ نے کہا۔

"مجھے اُسے کہیں اور چھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں تجھ جیسا لالچی ہوں۔" نوازش نے کہا۔

"نہیں تم نے اُسے کہیں اور چھپادیا ہے۔ بتاؤ کہاں ہے وہ۔" زرینہ اُس سے پوچھنے لگی۔

"مجھ پر الزام لگانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بھاگ گئی ہے۔" نوازش بولا۔

"مجھے یقین ہے کہ وہ بھاگ سکتی ہی نہیں ہے۔ پہلے میں تمہیں ہزار باتیں کہہ لیا کرتی تھی اور تُو سن لیا کرتا تھا۔ آج ایک بات برداشت نہیں ہوئی۔ اس کا مطلب ہے کہ تم مجھے دودھ میں پڑی مکھی کی طرح نکال باہر کرنا چاہتے ہو۔" زرینہ نے اُس کی طرف مشکوک نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"خوامخواہ شک کرنے کی ضرورت نہیں ہے......" نوازش جھنجلا کر بولا۔

"نوازش تُو بتاتا ہے یا پھر میں تجھے بتاؤں کہ ایسا کرنے کی میں کیسی سزا دے سکتی ہوں۔" زرینہ نے اپنی گردن ہلاتے ہوئے جیسے اُسے خبردار کیا ہو۔

"جو تجھے کرنا ہے کرلے۔" نوازش نے چیخ کر کہا اور زرینہ کے گھر سے چلا گیا۔

ایک تو اُسے سیماں کے اچانک چلے جانے کا افسوس اور غصہ تھا اور دوسرا زرینہ کی باتوں نے اُس کے دماغ میں اور بھی گرمی بھر دی تھی۔

نوازش کے جاتے ہی زرینہ نے کچھ سوچا اور پھر اپنی بڑی بیٹی کو بلا کر اپنا موبائل فون منگوایا اور جانی کا نمبر ملانے لگی۔

❁✪❁

صغراں اپنی شوگر کا چیک اَپ کرانے کے لئے ہسپتال گئی تھی۔ گھر میں داخل ہو کر صغراں اپنے مخصوص تخت پوش پر بیٹھ گئی تھی جو صحن میں بچھا ہوا تھا۔ سیماں نظریں گھما کر ابھی گھر کا جائزہ لے ہی رہی تھی کہ صغراں کی میٹھی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"بیٹھ جاؤ بیٹی۔" سیماں چونکی۔ صغراں نے پھر کہا۔ "اس گھر میں ہم دو بوڑھیوں

کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔ تم اطمینان سے اپنا نقاب اتار سکتی ہو۔"

"جی......" سیماں کے منہ سے نکلا۔ اُس نے اپنا نقاب چہرے سے ہٹا دیا۔ صغراں نے پہلی بار سیماں کا چہرہ دیکھا۔ خوف اور ڈر اس کی آنکھوں اور چہرے سے ابھی تک مترشح تھا۔ سکھاں ایک طرف بیٹھی تھی۔ سانس لینے کے بعد وہ اُٹھ کر کچن کی طرف چلی گئی اور کچھ دیر کے بعد ایک جگ پانی اور دو خالی گلاس ٹرے میں رکھ کر لے آئی۔ اُس نے آدھا گلاس پانی کا صغراں کو دیا اور ایک گلاس پانی کا سیماں کی طرف بڑھا دیا۔ سیماں نے پانی کا گلاس پکڑتے ہی غٹاغٹ پینا شروع کر دیا تھا۔ صغراں اُسے پانی پیتی ہوئی دیکھتی رہی۔ جونہی اُس نے خالی گلاس سکھاں کی طرف بڑھایا سکھاں نے پوچھا۔

"اور دوں پانی۔"

"نن......نہیں۔" سیماں نے چونک کر انکار کیا۔

"کیا نام ہے تمہارا بیٹی؟" صغراں نے پوچھا۔

"جی......سیماں۔" اُس نے اپنا نام بتایا۔

"کہاں سے آئی ہو؟" صغراں نے اگلا سوال کیا۔

سیماں سوچنے لگی کہ کیا جواب دے۔ سچ کا سہارا لے کے اپنی قسمت کی ناؤ وقت کے بہاؤ پر چھوڑ دے یا کہ جھوٹ کی گرد سے اصل بات چھپا کر اُس وقت کا انتظار کرے جو اُسے فلک شیر تک پہنچا دے؟ وہ کیا کرے۔ اُس نے گھر کی دہلیز کیا چھوڑی تھی زمین اُس کے پیروں کے نیچے ٹھہر ہی نہیں رہی تھی۔

"کہاں سے آئی ہو بیٹی؟" ایک بار پھر صغراں نے اپنے اُسی شائستہ لہجے میں پوچھا۔ سکھاں کچن میں چلی گئی تھی۔ سیماں چونکی اور بے اختیار اُس کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ وہ رونے لگی۔ اُس نے اپنے ہاتھوں کا پیالہ اپنے چہرے پر رکھ لیا تھا۔ آنسوؤں سے اُس کی ہتھیلیاں بھیگ گئی تھیں۔ لمحوں کے فیصلے کا پچھتاوہ تھا کہ فلک شیر کے نہ ملنے کا غم...... یا پھر رکے ہوئے آنسوؤں کا وہ سیلاب تھا جو نکلنے کا بہانہ ڈھونڈ رہے تھے کہ روتے روتے سیماں کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ صغراں اطمینان سے اپنی جگہ بیٹھی رہی۔ وقت کی اُڑان سے وہ بھی واقف تھی بوڑھی آنکھوں نے بہت کچھ دیکھا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھا' جھریوں میں زندگی کے تجربے کا نچوڑ پوشیدہ تھا' اس لئے اُس نے سیماں کو رونے دیا۔ وہ جانتی تھی کہ اب اس کی زبان وہی بولے گی جو سچ ہوگا۔ ایسا نہیں ہوسکتا ہے آنکھوں سے نکلنے والے بے اختیار آنسو جھوٹ کو اپنے ساتھ بہا کر نہ لے جائیں۔

سیماں جب رو چکی تو سکھاں نے ایک گلاس پانی کا اس کے آگے کر دیا۔ سیماں نے دو گھونٹ پانی پینے کے بعد گلاس واپس کر دیا اور سر جھکا کر افسردگی سے بیٹھ گئی۔ سکھاں پھر کچن میں چلی گئی اور صغراں اُس کی طرف خاموشی سے دیکھتی رہی۔ کچھ وقت گزرنے کے بعد صغراں نے پوچھا۔

''رونے کی وجہ پوچھ سکتی ہوں بیٹی؟''

سیماں نے یکدم صغراں کی طرف دیکھا اور اپنی جگہ سے اُٹھ کر تخت پوش پر پاس ہی بیٹھ گئی اور اپنے ہاتھ صغراں کے پیروں پر رکھ دیئے۔ روز مرنے اور جینے کی اذیت نے شاید سیماں کو مجبور کر دیا تھا کہ وہ اس سے کسی طرح سے جان چھڑا لے۔

''مجھے نہیں پتہ کہ آپ کون ہیں۔ اچھی ہیں' نہیں اچھی' میں سچ کہنا چاہتی ہوں۔ کچھ چھپانا نہیں چاہتی۔ میں اس اذیت سے چھٹکارہ چاہتی ہوں۔ مجھے مدد کی ضرورت ہے۔ آپ میری مدد کریں گے۔ آپ کو خدا کا واسطہ میری مدد کریں۔ میں گھر سے بے گھر ہوگئی ہوں۔ میں واپس گھر جانا چاہتی ہوں۔'' سیماں ایک ہی سانس میں بولی۔ اس کے لہجے میں استدعا اور بے بسی عیاں تھی۔

''تم کیسے گھر سے بے گھر ہوگئی ہو۔'' صغراں نے نرمی سے اُس کے ہاتھ اپنے پیروں سے پکڑ کر اپنے ہاتھوں میں لے لئے۔

''میں......میں......'' سیماں کہتے کہتے رک گئی۔ صغراں اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی اور اس انتظار میں تھی کہ وہ اپنی بات مکمل کرے۔ سیماں سوچ رہی تھی کہ وہ سب کچھ بتا دے۔ اس کے سوا کوئی چارہ بھی نہیں تھا لیکن وہ پہلے بھی اپنے بارے میں سچ بتا چکی تھی اور وہ پتہ نہیں کون لوگ تھے کہ ایک ہی شخص کے دو نام تھے۔ سیماں نے سوچا کہ وہ سب کچھ تقدیر پر چھوڑتے ہوئے ایک بار پھر سچ کا سہارہ لیتی ہے جو ہوگا دیکھا جائے گا۔ وہ بولی۔ ''میں اپنا سب کچھ چھوڑ کر اس شہر میں آگئی تھی۔ ایک فلک شیر کے لئے۔''

''کون فلک شیر؟'' صغراں نے پوچھا۔

''وہ میرے تایا ابا کا بیٹا ہے۔ شہر میں ڈاکٹر ہے۔ اُسی نے مجھے بلایا تھا۔ جہاں میری منگنی ہونے والی تھی میں وہاں نہیں چاہتی تھی۔ اور فلک شیر کے لئے میں نے اپنا سب کچھ چھوڑ دیا۔'' سیماں نے بتایا۔

''کہاں ہے فلک شیر؟'' صغراں نے پوچھا۔

''وہ مجھے نہیں ملا اور میں لاوارث کی طرح اس شہر میں پڑی ہوئی ہوں۔ مجھے میرے بھائی تلاش کر رہے ہیں۔ وہ میری تلاش میں اُس ہسپتال میں بھی آئے تھے۔ میں بھاگ کر باہر آگئی۔ وہ مجھے مار دیں گے۔ میں اپنی ماں کے پاس جانا چاہتی ہوں۔ مجھے ایک پل بھی سکون نہیں ہے۔ میں بے چین ہوں پریشان ہوں۔'' سیماں نے روتے ہوئے التجا کرتے ہوئے کہا۔

صغراں اس کی ساری بات سمجھ گئی تھی۔ جب کوئی اپنے مقصد میں ناکام ہو جاتا ہے اور منزل کہیں دکھائی نہیں دیتی تو پھر وہ ایسا ہی مضطرب ہو جاتا ہے اور اپنے فیصلے پر پچھتانے کے ساتھ وقت کے اس گرداب سے چھٹکارہ بھی پانا چاہتا ہے تو پھر اس کے سامنے کوئی جیتا جاگتا انسان ہو کہ زمین کی چھاتی پر کھڑا درخت ہو' پھر اُس کے آنسو اُس کے سامنے رکتے نہیں ہیں۔ وہ اپنی ہی جلائی ہوئی کشتیوں کو اُن کی راکھ سے تلاش کرنے لگتا ہے۔ سیماں اب بے بس اور لاچار ہوگئی تھی۔ تھک گئی تھی۔ اس تھکن میں اس کے اندر کی مایوسی نمایاں تھی۔

''کہاں سے آئی ہو؟'' صغراں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''میں تاج پور گاؤں کی رہنے والی ہوں۔ میرے باپ کا نام فرزند علی ہے۔'' جونہی سیماں نے بتایا' صغراں تو اس کا چہرہ دیکھنے لگی ہی' سکھاں بھی کچن سے اپنا کام چھوڑ کر وہاں آگئی اور سیماں کو غور سے دیکھنے لگی۔ سکھاں کا دل تاج پور گاؤں کا نام سنتے ہی زور سے دھڑکا تھا۔ اور جب اُس نے فرزند علی کا نام سنا تو جیسے سکھاں کے دل کی دھڑکن رک سی گئی ہو۔ صغراں نے ایک نظر سکھاں کی طرف دیکھ کر سیماں سے مزید پوچھا۔

''تمہارے گاؤں میں اور کون کون ہے؟''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"میرا ایک چاچا ہے یاور حیات اور تایا ابا ہے......منظور احمد۔" سیماں نے بتایا۔

سکھاں کی خیرہ نگاہیں سیماں پر مرکوز ہوگئی تھیں۔وہ بے تاب ہوگئی تھی جیسے وہ اَب یہ جاننا چاہتی ہو کہ اس نے جس اُولاد کو جنم دیا تھا وہ کون ہے' کیسا ہے' کہاں ہے؟صغراں نے سکھاں کا چہرہ پڑھنے کے بعد پوچھا۔

"تمہارا تایا ابا بھی گاؤں میں ہی رہتا ہے۔"

"ہاں وہ گاؤں میں ہی رہتے ہیں۔دادا کے مرنے کے بعد وہ اُن کی جگہ چوہدری ہیں پورے گاؤں کے۔" سیماں نے بتایا۔

"اُن کے کتنے بچے ہیں۔" صغراں نے پوچھا۔

"اُن کے دو ہی بچے ہیں۔ایک لڑکا اور ایک لڑکی ۔اُن کی یہ دوسری شادی ہے۔پہلی شادی سے بھی اُن کی ایک اُولاد ہے۔" سیماں نے جواب دیا۔

سکھاں اور بھی بے چین ہوگئی تھی۔صغراں نے پوچھا۔"تمہارے تایا ابا نے دو شادیاں کی ہیں؟ پہلی بیوی سے جو اُس کی اُولاد ہے وہ کہاں ہے۔گاؤں میں اُن کے ساتھ ہی ہے؟"

"نہیں وہ اس شہر میں ہے۔ڈاکٹر ہے۔اُس کا نام فلک شیر ہے۔" سیماں نے بتایا اور اس کے عقب میں کھڑی سکھاں کے لئے برداشت کرنا اَب ممکن نہ رہا۔ممتا کا سیلاب اُمڈ آیا اور آنکھوں سے ایسے آنسو جاری ہوئے کہ وہ اس جگہ رک نہ سکی اور بھاگ کر دوسرے کمرے میں چلی گئی۔سیماں کا سر جھکا ہوا تھا اور صغراں اُس دروازے کی طرف دیکھ رہی تھی جو سکھاں نے اندر جاتے ہی بند کرلیا تھا۔صغراں کی آنکھیں بھی بھیگ چکی تھیں۔

صغراں نے اپنے آپ کو سنبھال کر پوچھا۔"جانتی ہو کہ فلک شیر کہاں ہوتا ہے؟"

"جس ہسپتال کے سامنے سے میں آپ کو ملی تھی وہ اسی ہسپتال میں ڈاکٹر ہے۔ میں اس کا پتہ کرنے کے لئے ہی گئی تھی لیکن وہ پتہ نہیں کہاں غائب ہے۔" سیماں نے بتایا۔اور صغراں سے مزید کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں پڑی۔

❁✪❁

نیلم نے اپنا ہینڈ بیگ میز پر اُلٹ دیا لیکن اُسے اپنا موبائل فون کہیں بھی دکھائی

نہیں دیا۔اُس نے پاس پڑے فون سے اپنے موبائل کا نمبر ملایا۔بیل جانے لگی لیکن اُس کے موبائل کی بیل کہیں سے بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔اس کا مطلب تھا کہ موبائل اس کے کمرے میں نہیں ہے۔اس سے قبل وہ تقریباً سارا گھر چھان چکی تھی۔

اچانک اُسے یاد آیا کہ اس نے اپنا موبائل فون ہسپتال میں کمرے کی میز پر رکھا تھا۔روبی سے باتوں کے دوران اُسے یاد ہی نہیں رہا اور وہ ایسے ہی اُٹھ کر آ گئی تھی۔نیلم نے اسی وقت اپنی گاڑی نکالی اور ہسپتال چلی گئی۔

اس کے کمرے کی میز پر اُس کا موبائل فون پڑا ہوا تھا۔اُس نے موبائل فون اُٹھا کر اس کی اسکرین دیکھی تو آٹھ مس کالز کی اطلاع اسکرین پر عیاں تھی۔نیلم اسی جگہ بیٹھ کر مس کالز دیکھنے لگی۔ایک تو اس کے گھر کے فون کی کال تھی جبکہ سات کالز ایک ہی موبائل فون نمبر کی تھیں۔نیلم سوچنے لگی کہ یہ کس کا نمبر ہے۔

نیلم نے اُس نمبر پر 'یس' کا بٹن دبا دیا۔بیل جانے لگی اور دوسری ہی بیل پر فلک شیر کی آواز اُبھری۔

"میں فلک شیر بول رہا ہوں نیلم۔"

جونہی نیلم نے فلک شیر کی آواز اور نام سنا اُس نے یکدم کال کاٹ دی۔اور حیرانی سے موبائل کی طرف دیکھنے لگی۔نیلم نے فوراً کال کیسے کاٹ دی......لاشعوری طور پر ایسا ہوگیا تھا کہ وہ اُس سے بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔وہ خود بھی کوئی فیصلہ کرنے سے محروم تھی۔

اسی اثنا میں وہ چونک پڑی۔فلک شیر اُسے کال کر رہا تھا۔کچھ دیر موبائل فون کی اسکرین دیکھنے کے بعد آخر نیلم نے فون آن کر ہی لیا۔

"نیلم کیا بات ہے تم نے فون کاٹ دیا۔" فلک شیر کی آواز اُبھری۔

"کون ہو تم؟" نیلم نے پوچھا۔

"میں فلک شیر ہوں۔" اُس نے کہا۔

"کون فلک شیر؟" نیلم نے روکھے لہجے میں کہا۔

"میں جانتا ہوں کہ تم مجھ سے ناراض ہو۔میری غلطی ہے کہ میں اچانک تمہیں بتائے بغیر یہاں سے چلا آیا۔حالات ہی ایسے ہوگئے تھے۔" فلک شیر نے متانت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

سے کہا۔

"حالات تم نے ایسے کر لئے تھے کہ شہر چھوڑنا تمہاری مجبوری ہوگئی تھی۔"نیلم کے لہجے میں طنز تھا۔

"میں نے کیسے کر لئے تھے؟ میری جان کے دشمن تو وہ لوگ ہیں۔ مجھے ماردینا چاہتے ہیں۔"فلک شیر نے کہا۔

"جب کوئی کسی کی عزت کے ساتھ کھیلتا ہے تو پھر جان کے لالے پڑ ہی جایا کرتے ہیں۔"نیلم بولی۔

"تم کیا کہہ رہی ہو۔ میں کسی کی عزت کے ساتھ کیوں کھیلوں گا۔ میں تو اپنے باپ کی جائیداد میں سے ایک انچ بھی لینے کے لئے تیار نہیں ہوں اور وہ مجھے اس لئے ماردینا چاہتے ہیں کہ میں اُن کی جائیداد میں حصے دار نہ بن جاؤں۔ نیلم مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ میں تمہارے ڈیڈی کے وکیل سے ملنا چاہتا ہوں۔ تاکہ اُن کے ذریعے سے میں یہ واضح کرسکوں کہ مجھے اُن کی جائیداد نہیں چاہئے۔ میں جینا چاہتا ہوں اپنی زندگی۔"فلک شیر نے کہا

"فلک شیر......کیا وہ لوگ تمہیں اپنی جائیداد کے لئے ماردینا چاہتے ہیں۔"نیلم نے پوچھا۔

"ہاں۔"فلک شیر نے مختصر جواب دیا۔

"اور وہ سیماں......"نیلم نے طنزیہ مسکراہٹ عیاں کرتے ہوئے کہا۔

"سیماں......؟"فلک شیر نے حیرت سے پوچھا۔"کیا ہوا ہے سیماں کو؟"

"اچھا سوال ہے کہ کیا ہوا ہے سیماں کو؟"نیلم بولی۔"یہ تو تمہیں پتہ ہونا چاہئے کہ سیماں کس حال میں ہے۔"

"تم کہنا کیا چاہتی ہو نیلم۔"فلک شیر کو اس کی بات سن کر حیرت ہوئی تھی۔"سیماں کے ساتھ میرا کیا تعلق اور پھر یہ کہ سیماں کا ذکر کیوں آ گیا ہے۔"

"کیا تم نہیں جانتے کہ سیماں کا ذکر تمہارے ساتھ کیسے اور کیوں جڑ گیا ہے؟"نیلم کے لہجے میں کوئی تغیر نہیں آیا تھا۔

"تمہاری باتیں مجھے کسی اور سمت ہی لے جارہی ہیں۔ نیلم تم مجھ سے ابھی مل سکتی

ہو۔ میرے لئے تمہاری باتیں حیران کن ہیں۔ تم فی الحال یہ بات اپنے تک رکھنا کہ میں اس وقت صفدر کے گھر میں اس کے قصبے میں ہوں۔ اور تم صفدر کو بھی جانتی ہو اور اس کے قصبے کا بھی تجھے پتہ ہے۔"فلک شیر نے کہا۔

نیلم کو پہلی بار لگا کہ فلک شیر اچانک سیماں کے ذکر سے حیران بھی ہوا ہے اور کچھ سنجیدہ بھی ہوگیا ہے۔ نیلم نے سوچا کہ وہ حقیقت جاننے کے لئے اُسے وہاں جانا چاہئے۔ وہ بولی۔"میں ابھی آتی ہوں۔"

❀✪❀

صغراں نے کمرے کا دروازہ ہولے سے کھول کر اندر جھانکا' سکھاں کسی چھوٹے بچے کی طرح رو رہی تھی جو کسی خوف سے اپنے حلق سے رونے کی آواز بھی نہیں نکالتا ہے۔ صغراں نے دروازہ بند کیا اور چلتی ہوئی اُس کے پاس چلی گئی۔ اُس نے صغراں کے آنسو اپنے ہاتھ سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

"چپ ہوجاؤ سکھاں۔ اَب تمہارے رونے کے دن ختم ہوگئے ہیں۔ کتنی بڑی خوشخبری ملی ہے آج تجھے کہ تیرا ایک بیٹا ہے۔ وہ اسی شہر میں رہتا ہے اور ڈاکٹر ہے۔"

"مجھے خود معلوم نہیں ہے کہ یہ آنسو خوشی کے ہیں کہ اپنی بد نصیبی کے ہیں۔"سکھاں نے معصومیت سے کہا۔

"اَب بدنصیبی تمہارا پیچھا چھوڑ چکی ہے۔"صغراں نے کہا۔ اور اس کے ساتھ ہی پلنگ پر بیٹھ گئی۔

"کیا پتہ میرا بیٹا مجھے ماں کہتا بھی ہے کہ نہیں۔ وہ جن کے سائے نیچے پل بڑھ کر جوان ہوا ہے۔ اُنہوں نے کب اُس کے دل میں ماں کے لئے کوئی جگہ چھوڑی ہوگی۔"سکھاں نے تڑپ کر کہا۔

"ایسا مت کہو سکھاں۔ خدا بے نیاز ہے۔ کوئی انسان کسی کا کسی کے لئے راستہ بند نہیں کرسکتا۔ مجھے یقین ہے کہ تم نے ناکردہ جرموں کی جو سزا بھگتی ہے۔ اس کا پھل تجھے اس صورت میں نہیں مل سکتا ہے کہ تیرا بیٹا تجھے ماں ہی نہ کہے۔"صغراں نے کہا۔

"میری زندگی ایک امتحان ہی رہی ہے۔ ایک کے بعد دوسرا امتحان میری راہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں رہا ہے۔مجھے لگتا ہے کہ ایک نیا امتحان شروع ہونے والا ہے۔''سکھاں نے صغراں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے لگتا ہے کہ اَب تیرے امتحان ختم ہوگئے ہیں۔تجھے صبر کا پھل ملنے والا ہے۔آؤ باہر چلتے ہیں۔''صغراں نے اُسے حوصلہ دیا۔

''ابھی آپ اسے میرے بارے میں کچھ نہ بتائیں۔''سکھاں نے کہا۔

''میں نے بھی یہی سوچا ہے۔''صغراں بولی۔

''سیماں کہتی ہے کہ اسے فلک شیر نے بلایا تھا اور پھر وہ اسے شہر بلا کر ملا ہی نہیں۔میں نے کہا ہے ناں کہ اس پر بھی باپ کا سایہ ہے۔''سکھاں نے پھر کہا۔

''ہم نے بات کا ایک رُخ سنا ہے۔دوسرا کیا ہے ہمیں کچھ نہیں پتہ اس لئے کوئی بھی رائے قائم کرنا فضول ہے۔اورتم ایسا مت سوچو۔''صغراں بولی۔

سکھاں کی ممتا پھر تڑپی اور وہ بولی۔''میرا بیٹا......میرا فلک شیر کیسا ہوگا۔''

''وہ یقیناً تیرے جیسا ہوگا۔کیونکہ اس کی جدائی کا کرب تم نے سہا ہے اس کے باپ نے نہیں۔اور خدا تجھے مایوس نہیں کرے گا۔''صغراں نے پُر یقین لہجے میں کہا۔سکھاں چپ ہوکر اُس کی طرف دیکھنے لگی۔

نیلم ہسپتال سے سیدھی صفدر کے قصبے میں پہنچ گئی تھی۔صفدر دونوں کو باتیں کرنے کے لئے ایک کمرے میں چھوڑ کر خود کچھ کھانے پینے کا انتظام کرنے کا بہانہ کر کے وہاں سے چلا گیا تھا۔

فلک شیر نے نیلم کو بتا دیا تھا کہ وہ علی گوہر کے کہنے پر راتوں رات شہر چھوڑ کر یہاں آ گیا تھا۔علی گوہر نے ہی اُسے بتایا تھا کہ گاؤں میں جائیداد میں اس کے حصے دار ہونے پر ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا اور اُسے جان سے مار دینے کے لئے وہ نکل پڑے تا کہ اس کا نام کسی حصے میں آ ئے نہ آئے۔

نیلم اس کی ہر بات غور سے سنتی رہی۔فلک شیر کی بات میں اور اس کے باپ نے ان کے بنگلے میں آ کر جو کہانی نیلم کے ڈیڈی کو سنائی تھی دونوں متضاد تھیں۔نیلم نے فلک شیر کے باپ کی آمد اور جو کچھ اُس نے کہا تھا وہ بھی سب کچھ اُس کے گوش گزار کر دیا۔جسے سن کر فلک شیر حیران رہ گیا تھا۔

''سیماں کا اغوا اور وہ بھی میں نے؟میں یہ کیسے کر سکتا ہوں۔''فلک شیر حیرت سے بولا۔

''ہمیں تو یہی بتایا گیا ہے۔''نیلم کی سوچ پر پڑی گرد ہٹ گئی تھی اور اس کا رویہ تبدیل ہوگیا تھا۔

''اس کا مطلب ہے کہ میرا باپ بھی اُن کے ساتھ ملا ہوا ہے۔''فلک شیر سوچتے ہوئے بولا۔''سیماں کے اغوا کی آڑ میں مجھے ختم کر کے وہ غیرت کا ڈرامہ رچانا چاہتے ہیں۔میرا باپ بھی مجھے مار دینا چاہتا ہے؟''فلک شیر کو یقین نہیں آرہا تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

”اس بات سے تو یہی ثابت ہوتا ہے۔“ نیلم کو بھی حیرت ہوئی تھی اور اُس نے بھی اس کی بات سے اتفاق کیا۔

”نیلم ہمیں ابھی یہاں سے جانا ہوگا۔ تمہارے ڈیڈی سے مل کر مجھے وکیل صاحب سے ملاقات کرنی ہوگی۔ میں یہاں چھپ کر نہیں بیٹھ سکتا۔“ فلک شیر نے بے چین ہوتے ہوئے کہا۔

”تم ایک کام کرو۔“ نیلم نے سوچتے ہوئے کہا۔

”وہ کیا؟“ فلک شیر نے اس کی طرف دیکھا۔

”تم علی گوہر کو فون کرو۔ اور اُس سے پوچھو کہ یہ سب کیا کھیل ہے۔“ نیلم نے مشورہ دیا۔

”علی گوہر سے رات ہی میری بات ہوئی تھی لیکن اُس نے سیماں کے بارے میں تو کچھ نہیں بتایا تھا۔ بس یہ کہا تھا کہ ابھی مجھے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہے۔“ فلک شیر نے کہا۔

”تم اب پوچھو اس سے۔“ نیلم نے کہا۔

فلک شیر نے اپنا موبائل فون نکال کر علی گوہر کو فون کیا تو اس نے تیسری بیل پر ہی فون آن کر دیا۔

”کیسے ہو فلک شیر؟“ اس کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

”میں ٹھیک ہوں۔ تم سے ایک بات پوچھنی ہے۔“ فلک شیر نے متانت سے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

”بچپن سے لے کر اَب تک تُو مجھ سے کوئی نہ کوئی بات ہی پوچھتا آیا ہے۔ پوچھ کیا پوچھنا ہے۔“ علی گوہر نے ہنس کر کہا۔

”کیا میرا باپ بھی اُن کے ساتھ مل گیا ہے۔“ فلک شیر نے پوچھا۔

”تجھے لگا کیا ایسا؟“ علی گوہر نے جواب دینے کی بجائے سوال کر دیا۔

”تُو بتا کہ میرا باپ بھی اُن کے ساتھ مل گیا ہے۔“ فلک شیر نے اپنا سوال زور دے کر دہرایا۔

”وہ تیرے ساتھ ہی کب تھا۔ تیری اچھی قسمت تجھے کنارے پر لے گئی ورنہ تو

کس کھیت کی مولی تھا کہ تیری کوئی قدر کی جاتی۔“ علی گوہر نے کہا۔

”یہ بات تم نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتائی۔“ فلک شیر نے پریشان ہو کر کہا۔

”تجھے بتاتا تو اس کا مطلب ہوتا کہ ایک دکھ کا اور میں اضافہ کر رہا ہوں۔ تجھے ایک دکھ اور دے رہا ہوں۔ ویسے یہ بات تجھے پتہ کہاں سے چلی؟“ علی گوہر نے کہہ کر پوچھا۔

”یہ بتاؤ کہ سیماں کا کیا چکر ہے؟“ فلک شیر نے جواب دینے کی بجائے سیماں کے معاملے کی طرف جاتے ہوئے پوچھا۔

”سیماں کا؟“ علی گوہر چونکا۔

”مجھے پتہ چلا ہے کہ اُس کا اغوا میرے کھاتے میں ڈال کر کوئی گہری سازش کی جا رہی ہے۔“ فلک شیر نے وضاحت کی۔

”تجھے اتنی ساری باتیں کس نے بتائی ہیں۔“ علی گوہر کا ماتھا ٹھنکا۔

”ابا جی جب شہر آئے تھے تو وہ نیلم کے ڈیڈی کے پاس ہی ٹھہرے تھے۔ اُنہوں نے اُنہیں بتایا تھا کہ میں سیماں کو اغوا کر کے روپوش ہو گیا ہوں۔“ فلک شیر نے بتایا۔

”اور پھر یہ باتیں تیرے تک کیسے پہنچیں؟“ علی گوہر بات کی گہرائی کی طرف جاتے ہوئے بولا۔

”تُو میرا دوست ہے اس لئے تجھے بتا رہا ہوں۔ نیلم میرے پاس آئی ہے۔“ فلک شیر نے صاف بتا دیا کیونکہ ابھی تک اس کے دل میں علی گوہر کے بارے میں کوئی ابہام نہیں تھا۔

علی گوہر نے ایک بار اپنے دانت پیسے اور کہا۔ ”تجھے ٹھیک پتہ چلا ہے۔ میں تجھے اس لئے نہیں بتا رہا تھا کہ تُو پریشان ہو جاتا۔“

”تم نے غلط کیا۔ مجھے بتاتے تو سہی۔ مجھ پر کیسا گھٹیا الزام لگ گیا ہے۔ میں اس کی صفائی کے لئے کچھ کرتا۔“ فلک شیر نے تیز لہجے میں کہا۔

”کیا کرے گا تُو؟ اُن کے پاس چلا جائے گا اور اپنی صفائی دے گا کہ میں بے قصور ہوں۔ وہ تیری ایک نہیں سنیں گے۔ تجھے کاٹ دیں گے۔ پھر اپنے ایک ایک ٹکڑے کو اکٹھا کر کے سوچنا کہ تم نے یہ کیا کیا۔“ علی گوہر نے بھی اُسی لہجے میں بات

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کی۔

"تو پھر کیا کروں۔ بزدلوں کی طرح یہاں بیٹھا رہوں۔ کہ ایک دن وہ مجھے تلاش کر کے مار دیں۔ اپنا سچ کیسے بیان کروں۔" فلک شیر نے کہا۔

"میں ہوں ناں۔ تیرے لئے یہاں کچھ کر رہا ہوں۔ دیتو کے ذریعے میں تیرے باپ تک یہ بات پہنچانے میں کامیاب ہو گیا ہوں کہ وہ کسی جائیداد کا حصے دار بننے کے لئے تیار نہیں ہے۔ وہ یہ سب کچھ لکھ کر آپ کو دے سکتا ہے۔ آپ اُس پر لگایا ہوا ہر الزام واپس لے لیں۔" علی گوہر نے بتایا۔

"تو پھر کیا کہا اُنہوں نے؟" فلک شیر نے نرم ہوتے ہوئے بولا۔

"مجھے اُن کے جواب کا انتظار ہے۔ شاید ایک آدھ دن میں جواب آ جائے۔ لیکن جانتا ہے اس بات کے کرنے سے اُن کی گدھ جیسی نگاہیں مجھ پر مرکوز ہو گئی ہیں۔ اُنہیں یقین ہو گیا ہے کہ مجھے پتہ ہے کہ تُو کہاں ہے۔ میں نے اپنی جان کا خطرہ مول لیا ہے۔ صرف تمہاری دوستی میں۔ اس کے باوجود تُو چاہتا ہے تو اُن کے سامنے چلا جائے اور خود کو موت کے حوالے کر کے میری زندگی پر بھی موت کی مہر لگوا دے تو تیری مرضی ہے۔ آخر میں نے تیرا ساتھ دیا ہے۔ مجھے کیسے چھوڑیں گے وہ۔"

اس کی بات سن کر فلک شیر کچھ دیر کے لئے چپ ہو گیا۔ "مجھے تمہاری دوستی پر ہمیشہ فخر رہے گا علی گوہر۔ تم نے اتنا بڑا رسک لیا ہے۔ لیکن اَب میں کیا کروں۔"

"اگر میری ماننا چاہتا ہے تو پھر سن۔ نیلم کو تاکید کر دے کہ وہ کسی سے بھی تمہارا ذکر نہ کرے۔ ایک دو دن دیکھ لے اگر تیرا باپ میری بات مانتا ہے تو میں تجھے بتاؤں گا تُو نیلم کے ساتھ شہر جا کر وکیل سے ایک پیپر تیار کروانا اور وہ میں تیرے باپ کو دے دوں گا۔ تُو دولت سے دستبردار ہو جائے گا اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" علی گوہر نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"میں ایسا کرنے کے لئے تیار ہوں۔" فلک شیر بولا۔

"تو میری کال تک تم اسی جگہ ٹھہرے رہو۔" علی گوہر نے پھر تاکید کی۔

"او کے۔" فلک شیر ڈھیلا پڑتے ہوئے بولا۔

علی گوہر نے اپنا موبائل فون بند کرنے کے بعد غصے سے دانت پیس کر دائیں

بائیں دیکھا اور اپنے آپ سے بولا۔ "اس سے پہلے کہ کھیل ہاتھ سے نکل جائے مجھے کچھ جلدی کرنی ہو گی...... جلدی۔"

❀✪❀

زرینہ نے جانی کو فون کر کے ساری بات سے آگاہ کر دیا تھا کہ اُسے کیا کرنا ہے۔ جانی پچاس سال کی عمر کا ایک آدمی تھا۔ اس کا پیشہ تھا کہ وہ کسی سے بھی پیسے لے کر اُس کا کام کر دیتا تھا۔ وہ ایسا چلتا پرزہ تھا کہ اُس کی واقفیت ہر جگہ تھی۔ جہاں نہیں ہوتی تھی وہ کسی نہ کسی طرح سے واقفیت نکال ہی لیتا تھا۔

زرینہ نے جب اُسے فرزند علی اُس کے گاؤں کے بارے میں بتایا تو اس کا دماغ فوراً اس گاؤں کے ایک رہائشی کی طرف چلا گیا جو اس کا دوست تھا اور گاؤں میں اس کی پان سگریٹ کی دکان تھی۔

جانی نے اُسے فون کیا اور فرزند علی کی حویلی کا فون نمبر مانگا۔ اُس آدمی کے لئے فرزند علی کی حویلی کا نمبر لینا کوئی مشکل کام نہیں تھا کیونکہ اس حویلی کا چوکیدار اس کا سالا تھا۔ جب وہ نمبر جانی کے پاس آ گیا تو اس نے فوراً نمبر ملایا دوسری طرف سے فون بختاں نے اُٹھایا۔

"مجھے چوہدری فرزند علی سے بات کرنی ہے۔" اسلام کرنے کے بعد جانی نے شائستہ لہجے میں کہا۔

"وہ باہر گئے ہوئے ہیں۔" بختاں نے سادگی سے جواب دیا۔

"میرا اُن سے ملنا ضروری ہے۔ مجھے ان کا کوئی اور نمبر دے دیں۔" جانی نے کہا۔

"اُن کا موبائل نمبر لے لیں۔" بختاں نے کہا اور جلدی سے ٹیلی فون کے پاس ہی رکھی ہوئی ایک کاپی کھولی جس کے پہلے صفحے پر گھر کے مردوں کے نمبر لکھے ہوئے تھے تا کہ ضرورت کے وقت دقت نہ ہو سکے۔ بختاں نے فرزند علی کا نمبر لکھوا دیا۔

جانی نے اپنی بے نام سم کارڈ سے فرزند علی کا نمبر ملایا اور جونہی رابطہ ہوا وہ بولا۔

"چوہدری فرزند علی بول رہے ہیں۔"

"ہاں بول رہا ہوں۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"ایک پتہ لکھیں۔اس آدمی کا نام نوازش ہے۔آپ کی بیٹی اس کے پاس ہے۔" جانی نے کہا۔

"کون بول رہے ہوتم۔" فرزند نے چونک کر پوچھا۔

"آپ پتہ لکھیں پھر میں بتاتا ہوں کہ میں کون ہوں۔" جانی نے اطمینان سے کہا۔فرزند علی نے پاس بیٹھے ہوئے ملازم سے کہا وہ پتہ لکھے۔اس کے بعد جانی نے جو نوازش کے گھر کا پتہ بولا وہ فرزند علی نے لکھوا دیا۔جونہی پتہ مکمل ہوا اس نے فون بند کردیا۔فرزند علی نے کوشش کی کہ وہ دوبارہ اس سے رابطہ کرے لیکن جانی نے سم ہی بدل لی تھی۔

فرزند علی نے ایک بار پتہ پڑھا اور پھر اسی وقت سکندر کو فون کرنے لگا۔اُس کے چہرے پر اضطراب اور اُلجھن صاف عیاں تھیں۔

❀✪❀

نیلم نے فلک شیر کی طرف دیکھا۔علی گوہر اور اس کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو اس نے اسپیکر آن ہونے کی وجہ سے سن لی تھی۔اور دونوں نے فیصلہ کیا تھا کہ ابھی وہ ایک دو دن رک جاتے ہیں اور کوئی قدم نہیں اُٹھاتے۔علی گوہر نے جو اپنی جان کا رسک لیا ہے وہ بھی کم نہیں ہے۔

نیلم کے دل و دماغ میں جو فلک شیر کے بارے میں ابہام تھا وہ بھی معدوم ہوگیا تھا۔اس کا دل اس کی طرف سے صاف ہوگیا تھا اور جو حقیقت تھی وہ سامنے آگئی تھی۔نیلم نے دھیرے سے فلک شیر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"ایم سوری فلک شیر۔"

"کس بات کی سوری؟" اُس نے اس کی طرف دیکھا۔

"میں نے کچھ اور ہی سوچ لیا تھا۔" نیلم ندامت سے بولی۔

"کیا سوچ لیا تھا؟" وہ بولا۔

"میں نے سوچا کہ تم نے واقعی سیماں کو اغوا کرلیا ہے۔" نیلم نے کہہ کر آنکھیں جھکا لیں۔

"مجھ پر بھروسہ اتنا ہی کمزور ہے نیلم کہ تم ایک پل میں میرے بارے میں کوئی

بھی فیصلہ کرسکتی ہو۔" فلک شیر نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ایم سوری......مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔" نیلم نے کہا۔

"تمہارے ڈیڈی اور مما میرے بارے میں کیا سوچ رکھتے ہیں۔" فلک شیر نے پوچھا۔

"ظاہر ہے جب تصویر کا ایک ہی رُخ دیکھ کر فیصلہ کرلیا جائے تو پھر وہ فیصلہ اُس کے حق میں تو نہیں ہوسکتا ناں۔" نیلم بولی۔

"بداعتمادی کے بادل تو اُن کی آنکھوں اور دل پر چھا گئے ہوں گے۔" فلک شیر نے سوچتے ہوئے کہا۔

"لیکن تم فکر نہ کرو اَب سب کچھ ٹھیک ہوجائے گا۔کہو تو میں آج ہی ساری حقیقت اُن کے آگے کھول دیتی ہوں۔" نیلم نے کہہ کر اس کی طرف دیکھا۔

"نہیں ابھی نہیں......تم ایک دو دن انتظار کرلو۔جس دوست نے میرے لئے مشکل مول لی ہے میں اسے چھوڑ نہیں سکتا۔مجھے ابھی اُس کے فون کا انتظار کرنا ہوگا۔ویسے بھی میرے لئے اتنا ہی بہت ہے کہ تمہارے دل میں میرے لئے پھر سے اعتماد اور بھروسہ قائم ہوگیا ہے۔" فلک شیر نے کہا اور اُس کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

"میں سوچ رہی ہوں۔تمہیں اپنا لقمہ بنانے کے لئے اُنہوں نے اپنی بیٹی کی بدنامی بھی مول لے لی۔" نیلم نے کہا۔

فلک شیر سوچنے لگا۔نیلم اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔کمرے میں خاموشی چھا گئی تھی۔پھر یکدم فلک شیر بولا۔"نیلم میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں۔سیماں مجھے پسند کرتی تھی۔اور اُس نے اس بات کا اظہار مجھ سے کیا بھی تھا۔"

نیلم اس کی طرف دیکھتی رہی۔فلک شیر پھر بولا۔

"وہ میرے لئے پاگل تھی۔میں نے اُسے منع بھی کیا تھا۔اس کی منگنی اس کے کزن کے ساتھ ہورہی تھی۔کہیں وہ میرے لئے گاؤں چھوڑ کر شہر تو نہیں آگئی تھی؟"

"اگر ایسا ہوتا تو علی گوہر بتا دیتا۔" نیلم نے کہا۔

"ایسی بات اُنہوں نے حویلی سے باہر نکلنے ہی نہیں دی ہوگی۔اس لئے علی گوہر کو اس کا علم نہیں ہوگا۔علی گوہر کے علم میں جائیداد کا ہوگا۔لیکن اصل بات یہ ہے جو

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میں نے تمہیں بتائی ہے اور ابا جی نے تمہارے ڈیڈی کو بتائی تھی۔ وہ یہ ہی سمجھ رہے ہوں گے کہ سیماں کو میں نے ہی اغوا کیا ہے۔" فلک شیر بولا۔

"سیماں اگر گاؤں سے شہر تمہارے پیچھے آ بھی گئی ہے۔ تو پھر اُن سب کو کیسے پتہ چلا کہ وہ تمہارے پیچھے نکلی ہے۔ کیا وہ لوگ بھی جانتے تھے؟" نیلم نے پوچھا۔

"سیماں ایک جذباتی اور میرے لئے پاگل لڑکی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اُس نے ایک خط لکھ چھوڑا ہو۔ جس سے میرے بارے میں سب جان گئے ہوں' جبکہ میں اس سارے معاملے میں بے قصور ہوں۔" فلک شیر نے اپنی دانست سے کہا۔

فلک شیر اور نیلم حیرت میں ڈوبے یہ سوچتے ہوئے کڑی سے کڑی ملانے لگے۔ جو کہیں ملتی تھی تو کہیں ٹوٹ جاتی تھی۔ تانا بانا بنتے ہوئے دونوں فی الحال کسی بھی نتیجے پر نہیں پہنچ پائے تھے۔

❁✪❁

"تم واپس بھی جانا چاہتی ہو اور اس بات سے بھی ڈر رہی ہو کہ تیرا باپ اور بھائی تجھے مار دیں گے۔" صغراں نے سیماں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"میرے پاس آگے جانے کے لئے راستہ نہیں ہے۔ پیچھے مڑ کر دیکھتی ہوں تو موت کا سامنا ہوتا ہوا دکھائی دے رہا ہے۔ میں کیا کروں۔ اَب یہ ہی خیال آتا ہے کہ جو بھی میرے سامنے ہے اُس سے مدد مانگوں اور اپنی ماں کے پاس چلی جاؤں۔ جو ہوگا دیکھا جائے گا۔" سیماں بے بسی سے بولی۔ "فلک شیر مل جاتا تو میں اس طرح در بدر نہ ہوتی۔"

"تجھے فلک شیر نے خود شہر بلایا تھا؟" صغراں نے پوچھا۔

"ہاں۔" سیماں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"خود تجھے کہا تھا؟" صغراں نے پھر کریدا۔

"خود تو نہیں کہا تھا۔" سیماں بولی۔ "اُس کا ایک دوست ہے گاؤں میں علی گوہر وہ شہر آیا تھا تو اُس کے ہاتھ فلک شیر نے پیغام بھجوایا تھا کہ میں شہر آ جاؤں۔ اُس نے اپنی کار اور ڈرائیور بھیجا تھا مجھے لینے کے لئے میں اُسی کے ساتھ شہر آئی تھی۔"

"فلک شیر کے ڈرائیور کے ساتھ تم شہر آئی تھی اور وہ تمہیں سیدھا فلک شیر کے

پاس لے گیا۔" صغراں اس بات پر چونکی۔

"نہیں اُس نے مجھے دربار کے پاس اتار دیا تھا کہ فلک شیر یہاں آئے گا۔ لیکن وہ نہیں آیا۔" سیماں نے بتایا۔

"مجھے یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ جو تجھے گاؤں سے شہر تک لا سکتا ہے وہ اپنے پاس کیوں نہیں لے کر گیا تجھے دربار کے باہر کیوں اتار دیا۔" صغراں نے مشکوک لہجے میں کہا۔

"پتہ نہیں۔" سیماں نے معصومیت سے کہا۔

"دوسری بات یہ کہ جس نے کبھی اپنے دل کی بات تجھ سے نہیں کہی تو پھر اُس نے اپنے دوست سے ہی یہ کیوں کہلایا کہ تم اس کے پیچھے شہر چلی آؤ؟" صغراں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے متانت سے کہا۔ اس کی بات سن کر سیماں سوچنے پر مجبور ہوگئی۔

پھر سیماں بولی۔ "علی گوہر نے کہا تھا کہ وہ مجھ سے کہنے کی ہمت نہیں رکھتا تھا۔ اس لئے اپنی بات کہنے کے لئے اُس نے علی گوہر کا سہارہ لیا تھا۔"

"زمانہ میں نے بھی دیکھا ہے۔ محبت کو اپنے اظہار کے لئے کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے۔ میری عقل کہتی ہے کہ تجھ سے جو بھی کہا گیا تھا وہ جھوٹ تھا۔ اور تم نے اپنے گھر کی دہلیز سے قدم باہر نکال کر اچھا نہیں کیا۔ اپنی محبت کو پانے کا یہ کوئی طریقہ اور اُصول نہیں ہے کہ خاندان کی عزت کو گھر کی دہلیز پر کچل کر اپنی راہ لے لی جائے۔"

سیماں چپ ہوگئی اور اُس نے سر جھکا لیا۔ وہ سوچنے لگی کہ کیا واقعی اُسے علی گوہر نے جھوٹ کہا تھا۔ یہ بھی سچ تھا کہ اگر فلک شیر کا ڈرائیور اُسے گاؤں سے شہر تک لا سکتا تھا تو وہ اُسے سیدھا اُس کے پاس کیوں نہیں لے کر گیا؟ خاموشی نے اپنے پنجے وہاں جما لئے۔ کچھ دیر کے بعد سیماں نے ایک بار پھر کہا۔ "میں واپس جانا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ کی باتیں ٹھیک لگ رہی ہیں۔"

سیماں کی اس بات کا جواب صغراں کے پاس نہیں تھا۔ کوئی حل ابھی اس کے سامنے نہیں تھا کہ وہ سیماں کو کیسے واپس بھیجے۔ ایک بات کی اُسے خوشی تھی کہ قدرت

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے سیماں کو ان کے پاس بھیج کر سکھاں کے بیٹے کا پتہ دے دیا تھا۔تینوں چپ اپنی اپنی جگہ سوچوں میں مستغرق تھیں۔

❀✪❀

نوازش کچھ دیر قبل ہی گھر آیا تھا۔وہ چپ چپ تھا اور آتے ہی ایک طرف بیٹھ گیا تھا۔اُسے سیماں کے اچانک چلے جانے کا غم تھا۔اس کی دانست میں تھا کہ وہ سیماں کے عوض ایک اچھی رقم بٹورنے میں کامیاب ہو جائے گا لیکن ایسا نہیں ہوا۔

روبی نے اس کی طرف دیکھا اور خوشگوار موڈ میں پوچھا۔''کیا بات ہے بڑے چپ چپ ہو۔''

''ہاں کچھ نہیں۔''اُس نے مرجھائے ہوئے کہا۔

''پھر بھی کچھ تو بتاؤ۔''روبی اس کے پاس ہی آ گئی۔

''کوئی بات نہیں ہے۔''نوازش نے اکھڑ کر کہا۔

''کاروباری پریشانی ہے کیا۔''روبی نے پھر پوچھا۔

''جاؤ اور اپنا کام کرو اور بند کرو اپنی یہ بک بک۔''نوازش نے غصے سے کہا کہ روبی حیرت سے اُسے دیکھنے لگی۔اچانک دروازہ بجا۔نوازش نے کہا۔''دیکھو کون ہے۔''

روبی اپنی جگہ سے اُٹھی اور دروازہ کھولنے کے لئے چلی گئی۔روبی نے جونہی دروازہ کھولا سامنے نصیر اپنے تین آدمیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔روبی اُنہیں دیکھ کر گھبرا گئی۔

''یہ نوازش کا گھر ہے۔''نصیر نے پوچھا۔

''ہاں۔''روبی نے اثبات میں گردن ہلائی۔

''کہاں ہے وہ؟''نصیر نے پوچھا۔

''آپ کون ہیں۔''روبی نے خوف سے پوچھا۔

''نوازش کہاں ہے اُسے سامنے کرو۔''وہ درشت لہجے میں بولا۔

''کون ہے۔''نوازش اُن کی آواز سن کر ادھر آ گیا۔نصیر کی جونہی نظر نوازش پر پڑی اس نے اُس سے پوچھا۔

''نوازش تم ہو۔''

''ہاں میں ہوں کیا بات ہے۔''نوازش نے جواب دیا۔

نصیر نے دروازہ ایک جھٹکے سے ایک طرف کیا اور اپنے آدمیوں کے ساتھ اندر چلا گیا۔اُس کا ایک آدمی دروازہ بند کر کے اسی جگہ کھڑا ہو گیا۔روبی اور نوازش ڈر اور خوف سے اُن کی طرف دیکھنے لگے۔نصیر نے نوازش کو گریبان سے پکڑ لیا اور غصے سے بولا۔''بول سیماں کہاں ہے؟''

سیماں کا نام سنتے ہی وہ یکدم گھبرا گیا۔جبکہ روبی بھی سیماں کا نام سن کر نوازش کی طرف دیکھنے لگی۔وہ ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''بول کہاں ہے سیماں؟''وہ گرجا۔

''کک......کون سیماں۔''نوازش نے ڈرتے ہوئے کہا۔

''بکواس کرتا ہے۔گولی دوں تیری کھوپڑی میں۔پھر بتائے گا سب کچھ۔''نصیر نے ریوالور نکال لیا۔نوازش اور بھی خوفزدہ ہو گیا اور ڈر کر بولا۔

''بتاتا ہوں......بتاتا ہوں۔وہ میرے پاس تھی لیکن پتہ نہیں وہ کہاں چلی گئی ہے۔''

''پھر جھوٹ......''نصیر نے ریوالور کی نوک اس کی گردن میں چبھوئی۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔وہ میرے ساتھ باہر گئی تھی لیکن پتہ نہیں کہاں چلی گئی۔میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔''نوازش نے ایک بار پھر کہا۔روبی یہ سنتے ہی حیرت زدہ رہ گئی تھی۔اُسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ وہی بات سن رہی ہے جو نوازش کہہ رہا ہے۔

''تیرا اس کے ساتھ کیا تعلق تھا؟''نصیر نے پوچھا۔

''کک......کوئی بھی نہیں۔وہ تو مجھے دربار کے باہر ملی تھی اور میں اُسے اپنے ساتھ لے آیا تھا۔''نوازش نے بتایا۔

نصیر نے اُس کی بات سنی اور پھر اُسے چھوڑتے ہوئے اپنا ریوالور اُس سے ہٹا لیا اور بولا۔''مجھے سب کچھ سچ سچ بتاؤ۔جھوٹ نہیں بولنا۔وہ تمہیں کہاں ملی،کون تھا اس کے ساتھ اور تم اُسے اپنے ساتھ کیوں لے کر گئے۔سب کچھ سچ سچ بتانا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ورنہ......'' نصیر کی ورنہ کے آگے ایک ایسی دھمکی پوشیدہ تھی کہ نوازش اور بھی گھبرا گیا۔

نوازش نے سیماں سے ملنے سے لے کر زرینہ کے گھر تک لے جانے اور پھر ہسپتال میں اُس کے گم ہو جانے تک کی ساری بات سچ سچ بتا دی۔ نصیر کے ساتھ روبی بھی سنتی رہی اور حیرت میں ڈوبتی رہی۔ جب نوازش چپ ہوا تو نصیر نے پوچھا۔

''تم فلک شیر کو جانتے ہو۔''

ہاں جانتا ہوں۔ لیکن زیادہ نہیں۔'' نوازش نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''تم فلک شیر کے ساتھ ملے ہوئے ہو۔'' نصیر نے ایک بار پھر ریوالور اُس پر تان لیا۔

''نن......نہیں ہرگز نہیں میرا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں......'' نوازش کہتے کہتے رک گیا اور اُس نے روبی کی طرف دیکھا۔ روبی اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''بولو کیا بولنا چاہتے ہو۔'' نصیر نے غصے سے کہا۔

''میں صرف اس کے عوض آپ لوگوں سے پیسے لینا چاہتا تھا۔'' نوازش نے کہہ ہی دیا۔ یہ سچ اُس نے نصیر کی آنکھوں میں اُترا ہوا خون دیکھ کر بولا تھا۔ وہ اندر سے کتنا بہادر تھا' اس کا کانپتا ہوا جسم اس کی غمازی کر رہا تھا۔

''تُو ہم سے پیسہ وصولے گا۔ پیسہ وصولے گا۔'' نصیر نے نوازش کے پیٹ میں دو مکے لگا دیئے کہ وہ تکلیف سے دہرا ہو گیا اور دیوار کے ساتھ لگ گیا۔ روبی خوف زدہ نگاہوں سے کبھی نصیر کی طرف دیکھ رہی تھی اور کبھی اُس کی نگاہیں نوازش کے اصل چہرے کی طرف چلی جاتی تھیں۔

نصیر کو یہ تو یقین آ گیا تھا کہ نوازش نے جو بھی بتایا ہے اُس میں جھوٹ کی آمیزش نہیں ہے۔ وہ سوچنے لگا کہ وہ اب کیا کرے۔ وہ یہ بھی سوچ رہا تھا کہ سیماں اسے دربار کے باہر ملی تھی۔ اور فرار ہونے سے پہلے تک وہ اس کے پاس تھی۔ اس کا مطلب ہے کہ فلک شیر اسے ملا ہی نہیں تھا۔ پھر وہ کہاں چلا گیا؟

نصیر نے اسی جگہ کھڑے ہو کر فرزند علی کو فون کر کے ساری تفصیل سے آگاہ کر دیا۔ جسے سن کر اُس نے کچھ کہا اور رابطہ منقطع کر کے نصیر نے قہر آلود نگاہیں نوازش کے چہرے پر جماتے ہوئے درشت لہجے میں کہا۔

''ہم جا رہے ہیں۔ لیکن اگر تجھے سیماں کا پتہ چلے اور تم نے مجھے اطلاع نہ کی تو یاد رکھنا تیرے سر میں گولی مار کر تیرا خاتمہ کر دوں گا۔''

''مم......میں بتاؤں گا لیکن کہاں اور کیسے بتاؤں۔'' نوازش نے کہا۔

''جہاں فلک شیر رہتا تھا اس جگہ کے بارے میں جانتے ہو۔'' نصیر نے پوچھا۔

نوازش نے روبی کی طرف ایک نظر دیکھ کر کہا۔ ''ہاں جانتا ہوں۔''

''ہم اسی جگہ ہیں۔ آ جانا۔ لیکن کوئی ہوشیاری کی تو انجام برا ہو گا۔ اور یہ بھی یاد رکھو تجھے اس لئے چھوڑ کر جا رہا ہوں کہ تم نے سچ بولا تھا۔'' نصیر نے کہا اور وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ اس جگہ سے چلا گیا۔

نوازش اسی جگہ اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھے بیٹھا رہا جبکہ روبی اُسے دیکھتی رہی۔ نوازش کے بارے میں اس حقیقت کو جان کر اُسے شدید صدمہ ہوا تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ وہ اسی لئے اس سے کبھی فلک شیر کے بارے میں پوچھتا تھا اور کبھی نیلم کے بارے میں کوئی سوال کر دیتا تھا۔ فلک شیر پر سیماں کے اغوا کا الزام تھا اور سیماں اس کے شوہر کے قبضے میں تھی۔ یہ ہی سوچتی ہوئی وہ اس جگہ سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

❋

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فضل نائی نے گاؤں کے ہر کونے اور کوچے میں میرتاج کے بیٹوں کی آپس میں لڑائی اور سیماں کے اغوا ہونے کی بات کرنے کے بعد جب آخر میں اپنے گھر اپنی بیوی کو بھی اس نے اس حقیقت سے آگاہ کیا تو بات ختم کرنے کے بعد بولا۔"بات سے بات نکلی تو میں نے یہ باتیں کیں ورنہ مجھے کیا ضرورت تھی کہ میں اُن کی باتیں کسی سے کرتا۔"

اَب کون تھا کہ جسے گاؤں میں یہ نہ پتہ چلا ہو کہ ان بھائیوں میں کیا کھچڑی پک رہی ہے اور فلک شیر نے خاموشی سے کیسا کام کر دکھایا ہے۔ہر کوئی اس پر تبصرہ کر رہا تھا۔جسے نہیں پتہ تھا دوسرا اُس کے علم میں بات لا رہا تھا۔فضل نائی کی بات پر سب کو ہی یقین تھا کیونکہ سب جانتے تھے کہ وہ منظور احمد کا مستقل نائی ہے۔پہلے یہ کام اس کا باپ کیا کرتا تھا۔اور پھر جو ہوا وہ اس کے سامنے ہوا تھا۔

علی گوہر کے علم میں بھی یہ بات آگئی تھی کہ پورے گاؤں میں یہ باتیں آگ کی طرح پھیل گئی ہیں۔ایسا ہونے میں خود بخود ہی راستہ بن گیا تھا۔جو اس کے حق میں بالکل ٹھیک ہوا تھا۔یہ کام وہ جگو سے کروانا چاہتا تھا لیکن یہ کام فضل نائی نے کر دیا۔

فرزند علی اور یاور حیات نے مل کر ایک زمین جو کہ منظور احمد کے نام پر تھی' وہاں قبضہ کرنے کی غرض سے اپنے ایک درجن کے قریب آدمی اسلحہ دے کر بٹھا دیئے تھے۔اس بات سے گاؤں والوں پر کوئی شک وشبہ رہا ہی نہیں تھا کہ ان بھائیوں کے بیچ دشمنی کھل کر سامنے آگئی ہے۔

اس صورتِ حال سے علی گوہر نے فائدہ اُٹھانے کا سوچا اور اس جگہ جا پہنچا جہاں

فرزند کے آدمیوں نے زمین پر قبضہ کیا تھا۔اور کچھ دیر پہلے ہی ناصر وہاں اپنے آدمیوں کے ساتھ آکر اُن سب کو للکار کر گیا تھا۔یاور حیات کا بیٹا نوید ایک طرف کھڑا تھا۔علی گوہر اس کے پاس ہی چلا گیا۔

"تُو کیا کر رہا ہے یہاں؟"نوید اُسے دیکھتے ہی غصے سے بولا۔

"قربانی دینے کے لئے آیا ہوں اپنی۔"علی گوہر نے جواب دیا۔

"کیا مطلب اوئے تیرا؟"نوید نے اُسے گھور کر کہا۔

"ہم کمی کمین لوگ اگر آپ جیسے لوگوں کے کام آجائیں تو یہ تو ہماری خوش قسمتی ہی ہوئی ناں۔"علی گوہر نے خوشامدانہ لہجے میں کہا کہ نوید کا غصہ اور سخت رویہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"کھل کر بات کر کیا کہنا چاہتا ہے۔"

"سارے گاؤں میں اَب یہ بات پھیل گئی ہے۔جب بات پھیل ہی جائے تو پھر اس طرف سے بندے کو بے فکر ہو جانا چاہئے۔میری تو شروع سے ہی ہمدردیاں چوہدری فرزند اور تیرے ابا کے ساتھ رہی ہیں۔پورے گاؤں کے وہ دانا لوگ ہیں۔لیکن چھوٹے بھائی ہونے کی وجہ سے مار کھا گئے ورنہ چوہدری بن کر جو بات وہ کر سکتے ہیں وہ ناصر کا باپ نہیں کرسکتا ہے۔"

نوید فخر سے مسکرایا۔"اَب وقت آگیا ہے کہ اصل بندے سامنے آجائیں۔فکر کرنے کی بات نہیں ہے۔"

"یہ ناصر کیا کہہ کر گیا ہے؟"اچانک علی گوہر نے پوچھا۔

"بڑھکیں مار کر گیا ہے۔"نوید کہہ کر ہنسا۔

"سیانے کہتے ہیں کہ سانپ کو مارنے سے بہتر ہے کہ اس کے جسم سے وہ حصہ ہی نکال دو جہاں زہر پیدا ہوتا ہے۔ساری زندگی وہ سانپ پچھتاوے کی زندگی گزارتے ہوئے روز مرے گا۔"علی گوہر نے کہا۔

"تیری بات کا کوئی گہرا مطلب ہے۔سمجھا کہنا کیا چاہتا ہے تو؟"نوید نے ایک بار پھر اُس کی طرف دیکھا۔دونوں چلتے ہوئے کچھ آگے آگئے تھے جہاں صرف وہ ہی دو کھڑے تھے۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"تیرے تایا کی ساری طاقت ناصر میں ہے۔یہ ختم تو سارا کھیل ختم۔"علی گوہر نے کہا۔

"وقت آیا تو اس پر بھی گولی چلانے سے ہاتھ نہیں کانپیں گے۔"نوید نے اکڑ کر کہا۔

"وقت آچکا ہے۔ریس میں دوڑنے والے گھوڑے کی اگر دو ٹانگوں پر گولیاں مار کر اسے زندگی بھر کر لئے ناکارہ بنادیا جائے تو وہ گھوڑا روز مرے گا۔اور اس گھوڑے کا مالک اسی دن مرجائے گا جب گولیاں وہ اپنی آنکھوں سے گھوڑے کی ٹانگوں میں دیکھے گا۔"علی گوہر نے پُراسرار لہجے میں کہا۔

نوید غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔وہ علی گوہر کی بات سمجھ گیا تھا۔وہ سوچنے لگا تو علی گوہر نے کہا۔

"حکم ہو تو یہ کام میں کردوں؟"

"تُو کر سکے گا۔"نوید متانت سے بولا۔

"آپ لوگوں کے لئے تو جان بھی حاضر ہے۔"علی گوہر نے کہا۔

"تو پھر جا اور یہ کام کر۔"نوید نے کہا۔

"ایک بات ہے۔"علی گوہر نے کہا۔

"وہ کیا ہے؟"نوید نے پوچھا۔

"یہ کام میں کر تو دیتا ہوں لیکن ذرا سوچیں دشمن پر گولی چلانے کا جو مزہ آتا ہے اُس سے آپ محروم نہیں رہ جائیں گے۔آپ کا تو نشانہ بھی ایسا ہے کہ اندھیرے میں چلائی ہوئی گولی بھی نشانے پر جا کر لگتی ہے۔ویسے جو آپ کا حکم میں تیار ہوں۔"علی گوہر نے ہوشیاری سے کہا۔

"تُو ٹھیک کہہ رہا ہے۔جس طرح سے وہ للکار کر گیا ہے۔اس للکار کی گونج سنتے ہوئے گولی چلانے کا جو مزہ آئے گا'اس کا بھی جواب نہیں ہوگا۔چل آج ریس کے اس گھوڑے کو تو زندگی کا روگ دے کر آئیں۔"نوید چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔اور علی گوہر نے بھی اپنی چھاتی پھیلا لی۔اور بولا۔

"ایک کام کریں گے آپ؟"

"وہ کیا۔"نوید نے پوچھا۔

"گولی آپ چلائیں گے اور پھر بندوق مجھے دے دیں گے۔آپ وہاں سے نکل جانا۔آپ لوگوں کے ساتھ میں اپنی وفاداری ثابت کرنا چاہتا ہوں۔"علی گوہر نے کہا۔

نوید ہنسا۔"میں تیری بات کا مطلب سمجھ گیا ہوں۔تُو دراصل گولی چلانے کی ہمت نہیں رکھتا۔اور نام اپنا کرنا چاہتا ہے۔"

علی گوہر کھسیانا سا ہو کر ہنسا۔"سچی بات تو یہ ہی ہے لیکن آپ چوہدری فرزند سے یہ ہی کہنا کہ یہ گولی علی گوہر نے چلائی ہے۔چھوٹے بندے کی قدر ہو جائے گی اُن کے سامنے۔"

"کہہ دوں گا۔چل پھر آج یہ شکار کھیلتے ہیں۔"نوید تو ایسے تیار ہو گیا تھا جیسے اُسے کوئی من پسند کام مل گیا ہو۔علی گوہر جانتا تھا کہ اس وقت ناصر سیدھا کہاں گیا ہوگا۔دونوں وہاں سے چل پڑے۔

✿✪✿

ضیا احمد اپنے بنگلے کے ڈرائینگ روم میں ہسپتال کے اُس ماڈل کو دیکھ رہا تھا جو اُس نے نیلم کے لئے بنانے کی منصوبہ بندی کی تھی۔اُس کا اردہ تھا کہ اس ہسپتال کو نیلم اور فلک شیر مل کر چلائیں گے۔وہ مسلسل اُسے ہی دیکھے جارہا تھا۔ضیا احمد اس ماڈل کو دیکھتے ہوئے اُداس سا دکھائی دے رہا تھا۔پاس ہی اس کی بیوی نجمہ بیگم بھی بیٹھی ہوئی تھی۔

"انسان جو سوچتا ہے اور جب وہ نہیں ہوتا تو بعض اوقات اُسے بہت تکلیف ہوتی ہے۔"ضیا احمد کی نگاہیں ماڈل پر مرکوز تھیں اور اُس نے پُرتاسف لہجے میں اچانک کہا۔"کاش فلک شیر ویسا ہی ہوتا جیسا ہم نے اس کے بارے میں سوچا تھا۔اور جو تکلیف مجھے ہوئی ہے وہ نہ ہوتی۔"

اسی اثنا میں نیلم بھی آگئی اور ایک طرف کھڑی ہوگئی۔نجمہ بیگم نے کہا۔"جو ہو چکا اُسے بھول جائیے اور آگے کی سوچیں کہ آگے کیا کرنا ہے۔"

"میری نگاہ میں ایک فیملی ہے۔اُن کا بیٹا بھی ڈاکٹر ہے......"ضیا احمد نے کہتے

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہوئے جیسے ہی نیلم کی طرف دیکھا وہ کہتا کہتا رک گیا اور نیلم سے بولا۔ ''ارے تم کب اندر آئی۔''

''ابھی آئی ہوں۔ ڈیڈی آپ کچھ کہہ رہے تھے۔'' نیلم چل کر ضیا احمد کے پاس چلی گئی۔

''ہاں...... ہم تمہارے بارے میں ہی بات کر رہے تھے۔'' ضیا احمد نے کہا۔

''سب کچھ بھول کر ہمیں اَب آگے تو چلنا ہی ہوگا۔''

''ڈیڈی میں بھی کچھ کہنا چاہتی ہوں۔'' نیلم نے فیصلہ کیا کہ وہ فلک شیر کی حقیقت اُن پر منکشف کردے تاکہ اُن کا اس کے بارے میں ابہام دور ہوسکے۔ اَب یہ ضروری ہوگیا ہے۔ اُسے لگا کہ اس کے ڈیڈی کا فیصلہ فلک شیر کو ہمیشہ کے لئے ماضی کا ایک حصہ بنادے گا۔

''ہاں کہو کیا کہنا چاہتی ہو۔'' ضیا احمد نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''فلک شیر ویسا نہیں ہے جیسا اس کے بارے میں ہم نے سنا اور سمجھ لیا تھا۔'' نیلم نے متانت سے کہا۔ ''ہم نے تصویر کا ایک رُخ دیکھ کر فلک شیر کے بارے میں فیصلہ کرلیا حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔''

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' ضیا احمد کے ساتھ ساتھ نجمہ بیگم بھی اپنی جگہ سے چونکی تھی۔

''سیماں سے فلک شیر کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اُسے اس بات کا علم بھی نہیں ہے کہ وہ اغوا بھی ہوئی ہے کہ نہیں۔'' نیلم نے بتایا۔

''یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔'' ضیا احمد کی حیرت میں دوچند اضافہ ہوگیا تھا۔

''کیونکہ میں ابھی فلک شیر سے مل کر آرہی ہوں۔'' نیلم نے مزید انکشاف کیا کہ دونوں اور بھی حیرت سے چونکے۔

''فلک شیر سے مل کر آرہی ہو؟ ...... کہاں ہے وہ؟'' ضیا احمد نے اپنی جگہ سے اُٹھ کر کہا۔

اس کے بعد نیلم نے فلک شیر سے اپنی ملاقات اور جو باتیں اُن کے درمیان ہوئی تھیں وہ سب اُن کے گوش گزار کردیں۔ ضیا احمد اور نجمہ بیگم اُس کی باتیں پورے

انہماک سے سن رہے تھے۔ جب نیلم چپ ہوئی تو ضیا احمد نے کہا۔

''تو یہ اصل معاملہ ہے۔''

''جی ہاں۔'' نیلم نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ''اصل بات تک پہنچنے سے پہلے ہی ہم نے اُس کے بارے میں سوچ کر وہ سب مان لیا جو ہمارے علم میں اُس وقت آیا تھا۔''

''منظور احمد نے فلک شیر کو بالکل ہی اپنے سے الگ کردیا ہے۔ تم ایک کام کرو۔'' ضیا احمد نے سوچتے ہوئے کہا۔

''کیا......؟'' نیلم نے ضیا احمد کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''تم فلک شیر کو یہاں بلالو۔ اُسے ابھی فون کرو۔'' ضیا احمد نے کہا۔

''وہ اس جگہ زیادہ محفوظ ہے۔'' نیلم نے بتایا۔

''وہ یہاں بھی محفوظ ہی رہے گا۔ ہم یہاں مل بیٹھ کر اس معاملے کا حل نکالتے ہیں۔ میں اپنے وکیل قیوم کو بھی بلالیتا ہوں۔ فلک شیر کو اس وقت ہماری مدد کی ضرورت ہے۔'' ضیا احمد نے اُسے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ اس کے لہجے سے لگتا تھا جیسے ایک بار پھر وہ فلک شیر کے لئے پُرجوش ہوگیا ہے۔

''ٹھیک ہے میں اُسے بلالیتی ہوں۔'' نیلم نے کہا اور اپنا موبائل فون نکال لیا۔

❀✪❀

سوٹ کیس پکڑے جیسے ہی روبی کمرے سے باہر نکلی نوازش نے چونک کر اُس کی طرف دیکھا۔ اور متحیر ہوکر پوچھا۔

''کہاں جارہی ہو کدھر کی تیاری ہے؟''

''پتہ نہیں۔'' روبی نے روکھے لہجے میں جواب دیا اور منہ دوسری طرف کرلیا۔

''پتہ نہیں تو پھر یہ سوٹ کیس کیوں پکڑا ہوا ہے؟'' نوازش نے اُس کے سوٹ کیس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''کہاں جارہی ہوں مجھے نہیں پتہ...... لیکن میں اس گھر سے جارہی ہوں۔ ہمیشہ کے لئے۔'' روبی نے اُس کی طرف دیکھا اور تیز لہجے میں بتایا۔

''کیوں؟'' نوازش نے کہا۔ ''کیوں جارہی ہو ہمیشہ کے لئے۔ کیا ہوا ہے۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیوں جا رہی ہوں اور کیا ہوا ہے؟" روبی نے گھور کر اُسے دیکھتے ہوئے غصے سے کہا۔ "جو شوہر اپنی بیوی سے جھوٹ بولتا ہو۔ ایک لڑکی کو اغوا کر کے اس لئے بیٹھا ہو کہ وہ اس کے عوض دولت کمائے گا' جس بیوی نے اُس سے شادی کرنے کے لئے اپنے گھر والوں سے ناراضگی مول لے لی' اُس کے لئے سب کچھ چھوڑ دیا وہ جھوٹ اور فریب کی اس چھت تلے کیسے رہ سکتی ہے۔"

"میں نے اُسے اغوا نہیں کیا تھا۔" نوازش نے کہا۔ "وہ مجھے ملی تھی۔"

"وہ ملی اور تم نے اس کا ناجائز فائدہ اُٹھانے کا سوچ لیا۔ تم نے کچھ بھی کیا ہو اَب مجھے تمہاری کسی بات پر کوئی یقین نہیں ہے۔" روبی نے دوٹوک کہا۔

"پاگل مت بنو اور اندر رکھو سوٹ کیس۔ کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔" نوازش نے ہاتھ مارتے ہوئے جیسے اُسے حکم دیا ہو۔

"میں جا رہی ہوں۔ تم مجھے نہیں روک سکتے ہو۔" روبی فیصلہ کر چکی تھی اس لئے وہ مصمم ارادے سے بولی۔

"اپنے ماں باپ کے گھر جاؤ گی؟ اُس گھر کے دروازے تمہارے لئے بند ہو چکے ہیں۔ اس شہر میں کوئی ایسی جگہ نہیں ہے جہاں تم جا سکو۔ اس لئے پاگل مت بنو۔" نوازش نے پُرسکون لہجے میں کہا۔

"اس دروازے سے نکل کر راستہ مجھے جہاں لے جائے گا میں چلی جاؤں گی۔ تمہیں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" روبی نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔

"مجھے تمہاری کوئی فکر نہیں ہے۔ تمہارے پاؤں میں ایک رسی بندھ چکی ہے۔ اس رسی کی لمبائی اتنی ہی ہے کہ تم اس دروازے سے باہر نکل کر پھر اندر آ سکو۔ اس لئے آرام سے بیٹھ جاؤ۔" نوازش نے کہا اور خود کرسی پر بیٹھ گیا۔ جیسے اُسے یقین ہو کہ روبی کہیں جا ہی نہیں سکتی۔

"میں نے سوچا ہی نہیں ہے بلکہ فیصلہ کر لیا ہے کہ اَب میں تمہارے ساتھ نہیں رہوں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔" روبی نے کہا اور دروازے کے پاس چلی گئی۔

"دیکھو جو بھی ہوا اُسے بھول جاؤ۔ میں آئندہ تمہیں شکایت کا موقعہ نہیں دوں گا

میں وعدہ کرتا ہوں۔" نوازش نے اسی جگہ بیٹھے بیٹھے کہا۔

"اسی لئے تو جا رہی ہوں کہ تم مجھے آئندہ شکایت کا موقعہ ہی نہ دو۔" روبی نے اس کی طرف ایک نظر دیکھ کر اُداس لہجے میں کہا۔

"میں نے کہا ناں کہ جو ہوا بھول جاؤ۔" نوازش نے جیسے ہی دیکھا کہ روبی نے دروازے کا ایک پٹ کھول لیا ہے اور پیر دہلیز سے باہر نکلنے والا ہے وہ فوراً بولا۔

"اَب نہیں۔" روبی نے اس بار اس کی طرف دیکھا بھی نہیں۔

"تو پھر چلی جاؤ۔ دیکھتا ہوں کہ تیرے لئے تیرے ماں باپ کے گھر کا دروازہ کھلتا ہے کہ نہیں۔ اور پھر تم اس گھر کے دروازے تک کس منہ سے جاؤ گی۔ تم نے اپنی مرضی اور زور سے مجھ سے شادی کی تھی۔ سب کی مخالفتیں لے کر اس گھر سے رخصت ہوئی تھی۔ تمہارے لئے وہ در نہیں کھلے گا۔" نوازش نے کہا۔

"وہ نہیں تو کوئی اور در کھل جائے گا۔" روبی نے کہا۔

"نیلم بھی تجھے اپنے بنگلے میں نہیں رکھے گی۔ کوئی کسی کے کام نہیں آتا جب یہ پتہ چل جائے کہ دوست ناکارہ ہو گیا ہے۔" نوازش نے کہا۔

"مجھے اپنے خدا پر یقین ہے لیکن تمہارے ساتھ اَب نہیں رہوں گی۔" روبی نے ایک پیر باہر رکھ دیا۔

"ٹھیک ہے چلی جا۔ ایک دو گھنٹے کے بعد جب بھی خاک چھان کر آؤ گی تو یہ دروازہ تجھے کھلا ہی ملے گا۔ بلکہ اس گھر کی دوسری چابی ساتھ ہی لے جاؤ شاید میں کسی کام سے چلا جاؤں۔" نوازش نے لاپروائی سے کہا۔ اُسے یقین تھا کہ روبی کے لئے اَب اس گھر کے علاوہ پناہ کی کوئی جگہ نہیں ہے۔

روبی نے اُس کی طرف دیکھا اور وہ غصے سے چلی گئی۔ نوازش کھڑا رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ پھر وہ غصے سے بولا۔ "یہ سب زرینہ بائی کا کیا ہوا ہے۔ دیکھ لوں گا اس کو بھی۔"

❁✪❁

رات کے اندھیرے میں نوید اور علی گوہر فصلوں کے بیچوں بیچ ہوتے ہوئے اس جگہ جا پہنچے تھے جہاں ناصر موجود تھا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ناصر اس وقت اپنے دوست کے ڈیرے پر تھا۔علی گوہر کے ذہن میں تین ایسی جگہیں تھیں جہاں ناصر مل سکتا تھا۔اُن کے راستے میں سب سے پہلے یہی جگہ آتی تھی اور اس جگہ کے احاطے میں اس کی کھڑی گاڑی اس کی موجودگی کا پتہ دے رہی تھی۔احاطے میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا۔وہ شاید اندر تھا۔نوید اور علی گوہر ایک ایسی جگہ درختوں کے جھنڈ میں بیٹھ گئے تھے کہ ڈیرے کا دروازہ اُن کے سامنے تھا۔نوید اپنی بندوق سے آسانی کے ساتھ نشانہ لے سکتا تھا۔علی گوہر اس کے عقب میں تھا اور وہ نوید کے کندھوں سے اُس سمت دیکھ رہا تھا۔

”اَب اس کا انتظار کریں کیا؟“ نوید نے کہا۔

”شکار کا انتظار بھی کرنا ہی پڑتا ہے۔“علی گوہر نے جواب دیا۔

”پتہ نہیں وہ اندر ہے بھی کہ نہیں۔“نوید نے بے یقینی کے انداز میں کہا۔

”اس کی کار کھڑی ہے۔اسی کار میں وہ اپنے آدمیوں کے ساتھ آیا تھا اور تم سب کو للکار کر چلا گیا تھا۔کیسے کیسے الفاظ کہے ہوں گے اس نے۔“علی گوہر نے گویا اُسے جوش دلانے کے لئے کہا۔

”الفاظ نہیں وہ زہر تھے جو میرے کانوں میں ڈال کر چلا گیا تھا۔“نوید نے غصے سے کہا۔

”تب ہی اس کا کام تمام کر دیتے۔“علی گوہر بولا۔

”چاہتے ہوئے بھی پتہ نہیں میں کیوں ایسا نہیں کر سکا۔ابا جی نے بھی کہا تھا کہ تب تک بندوق اور ہاتھ نہ اُٹھانا جب تک دوسری طرف سے ایسا نہ ہو۔اُس نے زبان چلائی ہم نے بھی زبان کا استعمال کر دیا۔“نوید نے کہتے کہتے رک کر علی گوہر کی طرف گردن موڑی اور کہا۔”یہ کام بھی میں اباجی کی مرضی کے بغیر ہی کر رہا ہوں۔“

”اس کی گندی زبان تم نے سنی۔ہے تمہارے اباجی نے نہیں۔اباجی سے اجازت لیتے رہو گے تو کبھی اپنے بے عزتی کا بدلہ نہیں لے پاؤ گے۔ویسے بھی تم صرف گولی چلا کر چلے جاؤ گے۔بندوق تو بعد میں میرے ہاتھ میں ہوگی۔اباجی اگر کہیں بھی کہ یہ کیا کیا تو کہہ دینا یہ تو علی گوہر نے اپنی دم ہلائی ہے۔“علی گوہر کہہ کر ہنسا تو اس کے ساتھ نوید بھی ہنس پڑا۔

اسی اثنا میں ناصر غصے سے باہر نکلا اس کے ساتھ اس کا وہ دوست بھی تھا۔ناصر کی بلند آواز وہاں تک آ رہی تھی۔

”میرے چاچے کے پتر کی جرأت کیسے ہوئی میری زمین پر پیر رکھنے کی۔کتے کے اس پلے کو اپنے پیر چاٹنے پر مجبور نہ کر دیا تو میرا نام بھی ناصر نہیں ہے۔“

”ہم دیکھ لیں گے لیکن پہلے تُو صبر تو کر۔“اُس کے دوست نے سمجھاتے ہوئے کہا۔”اور تُو غصے سے باہر کیوں آ گیا ہے۔اندر بیٹھ کر بات ہو رہی ہے ناں۔“

”مجھ سے برداشت نہیں ہو رہا ہے۔“ناصر نے کہا۔اُس کے سر پر غصہ سوار تھا۔

علی گوہر نے اپنا منہ نوید کے کان کے پاس لے جا کر سرگوشی کی۔”ویسے آپ وہ تو نہیں ہیں جو ناصر آپ کو کہہ رہا ہے۔اَب تو میرا دل چاہتا ہے کہ اسے گولی میں ہی ماروں۔کتے کا پلہ کہہ رہا ہے۔“

نوید کا غصہ اور بھی بڑھ گیا تھا۔اس نے اپنے ہونٹ بھینچ کر بندوق سیدھی کی اور نشانہ لے لیا۔ناصر وہاں کھڑا اور بھی ایسے الفاظ کہہ رہا تھا جو نوید کی برداشت سے باہر ہوتے جا رہے تھے۔جلتی پر تیل کا کام علی گوہر کی باتیں کر رہی تھیں۔وہ ناصر کی ہر بات پر ایک شعلہ پھینک دیتا تھا۔اُس کے کان میں ایک سرگوشی کر دیتا تھا۔

نوید نے نشانہ لیا اور قہر آلود نگاہوں اور دل کی نفرت سے گولی چلا دی۔گولی سیدھی ناصر کے پیٹ پر جا لگی۔ناصر کو جیسے ہی گولی لگی اُس نے تڑپ کر اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ لئے۔اس کے دوست نے فوراً چیخ کر آوازیں دیں۔

”باہر آؤ......ناصر کو گولی ماردی ہے۔“

یکدم اندر سے اسلحہ لئے آدمی باہر نکلے۔ناصر کے دوست نے چیخ کر کہا کہ وہ اُس طرف چلے جائیں گولی ادھر سے ہی کہیں آئی ہے۔اور پھر کار لانے کے لئے کہا۔ایک اودھم برپا ہو گیا۔

نوید نے گولی چلانے کے بعد بندوق اپنے پیچھے کھڑے علی گوہر کو دیتے ہوئے کہا۔”لے پکڑ بندوق اور میں جا رہا ہوں۔“جب کوئی جواب نہ آیا تو اُس نے پھر کہا۔”لے پکڑ بندوق۔“نوید یکدم چونکا۔اس کی بندوق کو علی گوہر نے نہیں پکڑا تھا اور نہ ہی اس کی آواز آئی تھی۔نوید نے گردن گھما کر پیچھے دیکھا‘علی گوہر وہاں موجود

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ہی نہیں تھا۔

نوید نے ششدر ہو کر اپنے پیچھے دائیں بائیں دیکھا' علی گوہر وہاں سے ایسے غائب تھا جیسے وہ اس کے ساتھ آیا ہی نہیں تھا۔اسی اثنا میں اُسے بھاگنے کی آوازیں آئیں' لگتا تھا کہ ناصر کے آدمی کہیں پاس ہی آ گئے ہیں۔نوید اپنی جگہ سے اُٹھا اور ایک طرف بھاگنے لگا۔بھاگنے سے پاس ہی موجود لوگوں کو پتہ چل گیا کہ کوئی اس طرف بھاگا ہے۔وہ بھی اسی سمت بھاگے۔نوید تیزی سے بھاگ رہا تھا۔تعاقب کرتے لوگوں کا فاصلہ کم ہوتا جا رہا تھا۔ہوائی فائرنگ بھی ہو رہی تھی کہ اچانک ایک اندھی گولی اس طرف آئی اور سیدھی بھاگتے ہوئے نوید کی ٹانگ پر لگی اور وہ لڑکھڑا کر گرا۔ایک طرف فصل کھڑی تھی وہ گھومتا ہوا اس میں چلا گیا۔

اس کے تعاقب میں بھاگتے ہوئے لوگ اُسے اندھیرے میں تلاش کرنے لگے اور اسی تلاش میں وہ آگے بڑھ گئے۔نوید اسی جگہ لیٹا ہوا تڑپ رہا تھا۔خون تیزی سے بہہ رہا تھا۔جب اس کے تعاقب میں آئے لوگ کہیں دور نکل گئے تو نوید بمشکل اس جگہ سے باہر نکلا اور دوسرے راستے سے تکلیف میں چُور بمشکل چلنے لگا۔اُسے اب کسی طرح سے اپنے ڈیرے تک تو جانا ہی تھا' ورنہ وہ اسی جگہ پڑا پڑا مر جاتا۔

علی گوہر اُسی جگہ ایک محفوظ جگہ پر موجود تھا اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہوئے ہولے سے مسکرا بھی رہا تھا۔

❁✪❁

منظور احمد کو ناصر کے گولی لگنے کی اطلاع اُس وقت ملی جب وہ حویلی سے نکل رہا تھا۔اطلاع دینے والا ڈیرے سے سیدھا بھاگتا ہوا اِدھر آ گیا تھا اور اُس نے بات کی پوری تصدیق بھی نہیں کی تھی کہ گولی لگی کہاں ہے۔ایسے لوگ وہ ہوتے ہیں جو خوشی اور غم کی خبر سب سے پہلے سنانے کے لئے بے چین رہتے ہیں۔اس نے جو جس سے سنا وہ اپنی گھبرائی اور پھولی ہوئی سانس میں کہہ دیا۔

''چوہدری صاحب...... چوہدری صاحب بہت برا ہو گیا۔''

''کیا ہو گیا۔''منظور احمد نے اپنی پجیرو کے پاس رک کر کہا۔

''ناصر باؤ کے گولی ماردی اُنہوں نے۔'' وہ آدمی ایک ہی سانس میں بولا۔

''گولی ماردی......کہاں ہے ناصر اور کہاں لگی ہے گولی۔'' یہ خبر خود منظور احمد کے دل میں گولی کی طرح لگی تھی۔وہ یکدم پریشان ہو کر پوچھنے لگا۔

اُس آدمی نے سانس ٹھیک کرنے کے بعد ایک ثانیئے کے لئے توقف کیا اور بولا۔''ناصر باؤ کے سر میں گولی لگی ہے۔''

''سر میں......''منظور احمد نے جیسے ہی یہ سنا کہ گولی ناصر کے سر میں لگی ہے اُس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا' دل ڈوب گیا' جسم بے جان سا ہو گیا' یکدم زمین گھومنے لگی' فوراً اُس کے آدمیوں نے منظور احمد کو سہارہ دیا لیکن منظور احمد کے لئے یہ شدید صدمہ برداشت نہیں ہوا اور اس کے لئے فالج کا باعث بن گیا۔

❁✪❁

نوید جیسے تیسے اپنی زمین تک پہنچ گیا تھا۔وہاں اس کے ملازم نے دیکھا اور یوں ایک شور برپا ہو گیا۔

اس کی خبر جب فرزند تک پہنچی تو وہ اپنے آدمیوں کو لے کر فوراً وہاں پہنچا۔یاور حیات بھی نثار اور اپنے آدمیوں کو لے کر وہاں چلا گیا تھا۔ایک کہرام برپا ہو گیا تھا۔فرزند نے اپنے پتر کی حالت دیکھ کر چیخ کر کہہ دیا تھا کہ وہ منظور احمد کو بھی نہیں چھوڑے گا۔

اس وقت سب سے اہم بات یہ تھی کہ نوید کو ہسپتال پہنچایا جائے۔نوید کا خون بہت سا بہہ گیا تھا اور وہ بے ہوش ہو گیا تھا۔چنانچہ نوید کو گاڑی میں ڈال کر جی ٹی روڈ پر موجود ہسپتال کی طرف لے گئے۔فرزند اور نثار ساتھ تھے۔

یاور حیات اپنے آدمیوں کے ساتھ اپنے ڈیرے میں چلا گیا۔اُس نے نصیر کو بھی فون کر دیا کہ حالات خراب ہو گئے ہیں وہ بھی اس ہسپتال میں پہنچیں۔

اِدھر ناصر اور منظور احمد کو دوسرے ہسپتال میں لے گئے تھے۔ناصر کی مضبوط قوتِ ارادی اُسے سنبھالے ہوئی تھی۔اور پھر گولی اُس کی پسلی کے نیچے گوشت والے حصے سے نکل گئی تھی۔اس لئے اُسے تو اسی ہسپتال میں داخل کرلیا گیا جبکہ منظور احمد کی حالت اچانک فالج کی وجہ سے خراب تھی۔ابتدائی علاج کے بعد منظور احمد کو شہر لے جانے کا مشورہ دے دیا گیا۔دیتو اپنے آدمیوں کی مدد سے منظور احمد کو شہر لے گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

منظور احمد اُس ہسپتال میں داخل ہو گیا تھا جہاں فلک شیر ڈیوٹی سرانجام دیتا تھا۔

⊛✪⊛

دروازے پر دستک ہوئی تو سکھاں نے دروازہ کھولا' سامنے روبی کھڑی تھی۔ روبی کے پیروں میں اس کا سوٹ کیس پڑا ہوا تھا۔ سکھاں نے پہلے روبی کو اور پھر سوٹ کیس کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھا۔

"السلام ...... علیکم۔" روبی نے کہا۔

"وعلیکم السلام ...... آؤ بیٹی اندر آجاؤ۔" سکھاں نے کہا۔

"کون ہے۔" صغراں پوچھتی ہوئی اس طرف آ گئی۔ اور جیسے اس کی نگاہ روبی پر پڑی وہ چونک پڑی۔ روبی نے اپنا سوٹ کیس ایک طرف رکھا اور صغراں کے گلے لگ کر کہا۔

"میں مجبور ہو گئی تھی کہ ایک رات کے لئے اس گھر میں آپ کے پاس آجاؤں۔"

"کیا ہوا ...... خیریت تو ہے۔" صغراں نے پریشان ہو کر پوچھا۔

"میں اپنا گھر چھوڑ آئی ہوں۔" روبی نے کہا۔

"کیوں۔ کس لئے؟" صغراں نے پوچھا۔

"جس کے لئے میں نے اپنے گھر والوں کی ناراضگی لے لی وہ میرے لئے اپنی بری عادتیں نہیں چھوڑ سکا۔ وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔ وہ ایک دھوکے باز ہے۔" روبی نے کہا۔

"ادھر بیٹھ جاؤ۔" صغراں نے روبی کو ایک طرف بٹھا دیا۔ اور پیار سے بولی۔

"اپنی اُولاد کے لئے ماں باپ جو بھی فیصلہ کرتے ہیں۔ اُس میں بہتری ہوتی ہے۔ یہ بھی تمہارا گھر ہے۔ جب تک چاہو یہاں رہو۔ لیکن یہ بھی یاد رکھو ماں باپ کبھی بھی اولاد سے ناراض نہیں ہوتے۔ اُن کے دلوں میں وہ جگہ ہی نہیں ہوتی جہاں ناراضگی کانٹے کی طرح سر اُٹھا سکے۔ وہ بس کہہ دیتے ہیں لیکن ناراض ہوتے نہیں ہیں۔ صبح میں تجھے تمہاری امی کی طرف لے کر جاؤں گی۔ اُن سے بڑھ کر ان حالات میں تمہارا کوئی بھی سہارہ نہیں ہو سکتا۔" صغراں کی بات سن کر روبی کو کچھ سہارہ ہوا تھا۔ اور حوصلہ

بھی ملا تھا۔

روبی کو دیکھ کر سیماں بھی کمرے سے باہر نکل آئی تھی اور اُسی جگہ کھڑی ہو گئی تھی۔ اچانک روبی کی نگاہ سیماں پر پڑی تو وہ اس کی طرف دیکھنے لگی۔ روبی صغراں کو ایک عرصے سے جانتی تھی۔ اُس کی بیٹیوں کو مل چکی تھی لیکن وہ سیماں کو پہلی بار دیکھ رہی تھی۔

"یہ بھی اپنے ایک غلط فیصلے کی ستائی ہوئی ہے۔" صغراں نے روبی کی توجہ اُس طرف دیکھ کر کہا۔

"کون ہے یہ؟" روبی نے پوچھا۔

"اس کا نام سیماں ہے اور ......" صغراں بتانے لگی۔

یکدم روبی چونک کر سیدھی کھڑی ہو گئی اور اُس نے صغراں کی اگلی بات سننے کی بجائے سیماں سے مخاطب ہو کر کہا۔ "کیا تم وہ سیماں ہو جو ...... جو فلک شیر کے گاؤں کی رہنے والی ہے۔"

"ہاں۔" سیماں نے فوراً اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تم یہاں ......" روبی حیرت سے بولی۔

صغراں نے اُٹھ کر اختصار سے روبی کو بتایا اور بولی۔ "تم کیا جانتی ہو؟"

"مجھے نیلم نے بتایا تھا۔ یہ کس کے کہنے سے یہاں شہر آئی تھی کیا نام بتایا تھا آپ نے ابھی آنٹی ......" روبی نے اچانک کہا۔

"علی گوہر۔" صغراں نے نام بتایا۔

"مجھے ابھی نیلم کو فون کرنا چاہئے۔ وہ لوگ بہت پریشان ہیں۔ میں اُنہیں یہاں آنے کے لئے کہتی ہوں۔" روبی اپنا غم بھول گئی تھی اور وہ پُر جوش ہو کر اپنے موبائل سے نیلم کا نمبر ملانے لگی۔

صغراں' سکھاں اور سیماں حیرت سے روبی کا چہرہ تک رہی تھیں۔

❋

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

علی گوہر تینوں بھائیوں میں خون کا کھیل رچا کر مضطرب ایسے پہلوان کی طرح کمرے میں ٹہل رہا تھا جو رنگ میں مدِ مقابل پہلوان کو زیر کرنے کے بعد طاقت کا آخری بھرپور وار کر کے کھیل کو ختم کرنے کا فیصلہ کر چکا ہو۔

میر تاج نے اپنے بیٹوں سے اُس کے باپ کی ایک ٹانگ تڑوائی تھی اور اُس کا باپ اسی زخم سے رفتہ رفتہ دنیا چھوڑ گیا تھا' علی گوہر نے اپنی چالوں سے اس خاندان کا شیرازہ بکھیر دیا تھا۔ وہ سلو پوائزن کی طرح اس خاندان کے جسم میں شامل ہوا تھا جو رفتہ رفتہ اثر انداز ہو کر ایک دن پورے جسم کو بے جان کر دیتا ہے۔

ناصر اور نوید کو گولی لگنے سے دونوں طرف مورچہ کھڑا ہو گیا تھا۔ پورا گاؤں اس لڑائی کی دہشت کے حصار کی لپیٹ میں آ گیا تھا۔ اس خبر نے اور بھی سنسنی پھیلا دی تھی کہ ناصر کو گولی لگنے کی خبر سن کر منظور احمد کو شدید فالج کا حملہ ہو گیا ہے۔ متضاد خبریں گردش کر رہی تھیں کہ ناصر کے سر پر گولی لگی ہے' کوئی کہتا کہ پیٹ میں لگی ہے۔ یہ خبر بھی گردش کر رہی تھی کہ نوید کی حالت خطرے میں ہے۔ اس کے جسم سے خون بڑی مقدار میں بہہ گیا ہے۔ جتنے منہ اتنی ہی باتیں ہو رہی تھیں۔

علی گوہر نے اپنا موبائل نکال کر گلزار کا فون ملایا اور کان سے لگا لیا۔ جونہی رابطہ ہوا وہ یکدم بدلے ہوئے اور اچھے مزاج سے بولا۔

''گلزار موقعہ آ گیا ہے کہ تم اُس حویلی کے مہمان بنو۔''

''لیکن ابھی ابھی میری بات راحیلہ سے ہوئی ہے۔ وہ تو مجھے کچھ اور ہی بتا رہی ہے۔'' گلزار کے لہجے میں پریشانی تھی۔

''ایسا تو ہونا ہی تھا۔ لیکن اصل خبر کا کسی کو بھی نہیں پتہ۔ جتنے منہ اُتنی ہی باتیں۔ معمولی جھڑپ ہوئی ہے۔ گولیاں چلی ہیں لیکن شدید بات نہیں ہوئی۔'' علی گوہر نے اس کا ذہن تبدیل کرنے کے لئے کہا۔

''ان حالات میں میں کیسے آ سکتا ہوں۔'' گلزار نے پوچھا۔

''ڈر گئے ہو۔'' علی گوہر مسکرایا۔

''ڈرتا نہیں ہوں۔'' گلزار نے فوراً کہا۔

''گھبرا گئے ہو کہ کہیں ایک آدھ گولی تجھے بھی نہ لگ جائے۔'' علی گوہر کی ہنسی اُس کی سماعت سے ٹکرائی۔

''یہ بات بھی نہیں ہے۔'' گلزار نے بلا تامل کہا۔

''تو پھر آؤ۔ مجھے پتہ تھا کہ ایسا ہو گا۔ اسی ہونے میں حویلی کے اندر جانے کا راستہ ہے۔ تم ان کے مہمان بھی بنو گے اور ایسے مددگار کے روپ میں سامنے آؤ گے کہ وہ تمہارے احسان کے نیچے دب جائیں گے۔ تیری اور راحیلہ کی بات وہ خود پکی کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔''

''مثلاً کیسے؟'' گلزار نے اشتیاق سے پوچھا۔

''اَب فون پر ہی پوچھ کر اس موقعے کو گنوا دو گے کہ آؤ گے بھی۔'' علی گوہر نے کہا۔

''مجھے کیا ہے میں آ جاتا ہوں۔ تم نے کچھ اچھا ہی سوچا ہو گا۔'' گلزار آنے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔

''بہت ہی اچھا۔ ایسا کہ جو صرف میں ہی سوچ سکتا ہوں۔'' علی گوہر نے معنی خیز لہجے میں کہا۔ اور پھر بولا۔ ''میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم نے کہاں آنا ہے۔ اپنی کار میں آؤ گے تو اسے دور کھڑی کر دینا۔ جہاں ہم پہلی بار ملے تھے اُسی جگہ آ جانا اور یاد رکھو منہ اندھیرے آنا۔ کہ فجر کی آذان اس گاؤں میں تجھے سنائی دے۔''

''کہو تو ابھی آ جاؤں۔ ویسے پلان کیا ہے۔'' گلزار کچھ بے چین بھی ہو رہا تھا۔

''ایسا کہ تم دنگ رہ جاؤ گے اور اُس خاندان کے اتنے قریب چلے جاؤ گے کہ اُسی خاندان کے ہو کر رہ جاؤ گے۔ اور وہ خاندان تمہارا ہو جائے گا۔'' علی گوہر نے کہہ

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

کر ایک ہنسی چھوڑی۔

"مجھے تو ابھی سے بے چینی ہونے لگی ہے۔"

"بس پھر ویسا ہی کرو جیسا میں نے کہا ہے۔" علی گوہر نے کہہ کر رابطہ منقطع کر دیا۔

⊛✪⊛

جونہی نیلم نے فلک شیر سے بات کی اور اُسے بتایا کہ اُس کے ڈیڈی کا کہنا ہے کہ وہ ابھی اُن کے بنگلے میں آجائے فلک شیر نے اُسی وقت رختِ سفر باندھا اور اُن کے بنگلے میں آگیا۔ جہاں ضیا احمد کے ساتھ تفصیلی بات ہوئی اور اُن سب نے مختلف معاملات پر غور وفکر کیا۔

ابھی یہ ساری باتیں جاری ہی تھیں کہ نیلم کو روبی کا فون آگیا۔ روبی نے کہا۔

"نیلم میں نے کہا تھا ناں کہ فلک شیر بے گناہ ہے۔ اُس کی بے گناہی کا ثبوت بھی مجھے مل گیا ہے۔"

"کیا ثبوت ملا ہے؟" نیلم نے چونک کر پوچھا۔

"اس وقت سیماں میرے پاس ہے۔" روبی نے بتایا۔

"تمہارے پاس ہے۔" نیلم حیرت سے چونکی۔

"ہاں...... میں ساری تفصیل فون پر نہیں بتا سکتی۔ تم فوراً آنٹی صغراں کے گھر آجاؤ۔ جانتی ہو ناں آنٹی صغراں......" روبی نے کہا۔

"میں جانتی ہوں۔ اور اس وقت فلک شیر بھی میرے پاس موجود ہے۔" نیلم نے بتایا۔

"فلک شیر بھی ہے تو اُسے بھی ساتھ لے کر جلدی آجاؤ ابھی......" روبی کی پُرجوش آواز گونجی اور رابطہ منقطع ہو گیا۔

"روبی کا فون تھا۔ سیماں اُس کے پاس ہے۔ ہمیں ابھی آنٹی صغراں کی طرف جانا ہوگا۔"

"یہ تو اور بھی اچھا ہوا۔ میں بھی تم لوگوں کے ساتھ چلتا ہوں۔" ضیا احمد نے کہا اور وہ تینوں اپنی اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔

⊛✪⊛

ناصر کا علاج ہو گیا تھا اور وہ کسی طرح کے بھی خطرے سے باہر تھا۔ آپریشن تھیٹر سے نکالنے کے بعد وہ ہسپتال کے کمرے میں منتقل ہو گیا تھا۔ ابھی چند دن اُسی جگہ رہنا تھا۔ ناصر کو یہ نہیں بتایا تھا کہ منظور احمد کے ساتھ کیا معاملہ ہو گیا ہے۔ نور بانو بھی اس جگہ موجود تھی۔ ناصر کی حالت کو خطرے سے باہر دیکھ کر اَب اُسے منظور احمد کی طرف جانا تھا۔

نوید ایمرجنسی وارڈ میں تھا۔ اس وارڈ کے باہر فرزند اُس کے بیٹے اور نصیر بھی موجود تھا۔ اُس کی حالت ابھی خطرے سے باہر نہیں تھی۔ گولی ٹانگ میں لگی تھی لیکن خون بہت زیادہ بہہ گیا تھا۔ خون کا انتظام ہو گیا تھا لیکن ابھی وہ ہوش میں نہیں تھا۔

فرزند علی، سکندر اور نصیر کے چہروں پر شدید غصے کے تاثرات تھے۔ وہ اس انتظار میں تھے کہ جیسے ہی نوید کو ہوش آتا ہے اور ڈاکٹر یہ کہتا ہے کہ اب اس کی حالت خطرے سے باہر ہے تو پھر وہ ناصر کو ہسپتال کے کمرے میں ہی گولی مار دیں گے۔ دونوں طرف پل پل کی خبر ایک دوسرے کو اُن کے مخبر دے رہے تھے۔ شدید قسم کا کھچاؤ پیدا ہو گیا تھا۔ گاؤں میں بھی دہشت چھائی ہوئی تھی۔ دونوں طرف کے آدمی ایک دوسرے سے لڑنے کے لئے تیار تھے۔

شہر کے ہسپتال میں منظور احمد بھی ایمرجنسی وارڈ میں تھا۔ اس کا علاج بھی شروع ہو چکا تھا۔ دیتو دوسرے آدمیوں کے ساتھ وہاں موجود تھا۔ وہ ایک طرف دیوار کے ساتھ لگ کر سوچ رہا تھا کہ یہ سب کیسے ہو گیا۔ سالوں کا بنا ہوا اتفاق ریت کی دیوار ثابت ہو گیا تھا۔ وہ ان ہی سوچوں میں مستغرق تھا۔ لیکن کسی سوچ کا کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔

⊛✪⊛

دروازہ روبی نے کھولا تھا۔

سکھاں کی عجیب حالت ہو گئی تھی۔ جب اُسے یہ پتہ چلا کہ فلک شیر بھی آرہا ہے۔ جو اس کا بیٹا تھا۔ جسے اُس نے جنم دیا تھا۔ جس سے اُسے بے خبر اور لاتعلق رکھا گیا تھا۔ جو اُس سے چھین لیا گیا تھا۔ اور قدرت نے اُس کے بیٹے کو ملانے کا ایسا

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

انتظام کیا تھا کہ اُسے پہچاننے کے لئے بھی اَب کسی سہارے کی ضرورت نہیں رہی تھی۔وہ جیسے ہی اَب سامنے آئے گا وہ ایک لمحے میں پہچان جائے گی کہ یہ ہی اس کا بیٹا ہے۔

صغراں بھی پُر جوش ہورہی تھی۔وہ بار بار سکھاں کو دیکھ رہی تھی۔جب سے سکھاں نے اُسے اپنی ساری کہانی بتائی تھی اُس وقت سے صغراں اس کے لئے دُعا گو تھی کہ خدا اس کے بیٹے کو جلد ملا دے۔شاید اس کی دعا کا اثر تھا کہ سکھاں کا صبر تھا جو رنگ لایا تھا۔

سیماں ایک طرف بیٹھی ہوئی اس لئے بے تاب تھی کہ وہ فلک شیر سے پوچھنا چاہتی تھی کہ کیا واقعی اُسے دھوکہ دیا تھا اُس نے؟

انتظار کے لمحات سب کے دلوں پر ایک ایک کانٹا پیوست کرتے ہوئے گزرے تو دروازے پر دستک ہوئی تھی اور روبی نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔پہلے نیلم اندر آئی پھر ضیا احمد اندر آیا۔سکھاں کی نگاہیں دھڑکتے دل کے ساتھ دروازے پر مرکوز تھیں اور جیسے ہی فلک شیر اندر آیا'سکھاں کی آنکھیں اُسے دیکھتے ہی بھیگ گئیں۔اور وہ ٹکٹکی باندھے اُسے ہی دیکھتی رہی۔روبی نے دروازہ بند کردیا تھا۔سکھاں بھی فلک شیر کو دیکھ کر اپنی جگہ سے اُٹھ کھڑی ہوئی۔

فلک شیر نے سیماں کو دیکھا اور اُس کے پاس جاکر بولا۔''سیماں یہ تم نے کیا کیا۔میرے پیچھے تم شہر آگئی؟''

''تم نے ہی تو بلایا تھا۔تمہارا پیغام لے کر علی گوہر آیا تھا۔''سیماں نے بتایا۔

''میں نے اُسے کب پیغام دیا تھا۔اُس نے تو مجھے شہر سے چلے جانے کے لئے کہا تھا کہ وہ سب میری جان کے دشمن ہوگئے ہیں جائیداد کے لئے۔''فلک شیر نے حیرت سے کہا۔

''مجھے کیا پتہ......میں تو پاگل تیرے پیچھے چلی آئی۔اور یہاں پہلے ایک ایسا آدمی مجھے اپنے ساتھ لے گیا جس نے مجھے اپنا نام سراج بتایا تھا۔اور جب میں اُس کے ساتھ ضد کرکے ہسپتال تمہارا پتہ کرنے کے لئے گئی تو وہاں سے پتہ چلا کہ اس کا نام نوازش ہے۔''سیماں کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔

''نوازش......؟''اس نام کو دہراتے ہوئے فلک شیر نے روبی کی طرف دیکھا۔روبی نے اپنی نگاہیں جھکالیں۔

وہ مزید بولی۔''مجھے یہ مل گئیں۔میں نے خدا کے بھروسے ان کو سب کچھ سچ سچ بتادیا۔چھپا کر کیا کرتی۔''

''فلک شیر ایک بات واضح ہے۔اس سارے کھیل کی ڈوری اُس علی گوہر کے ہاتھ میں ہے۔اس لڑکی کو اس نے کہا کہ فلک شیر تجھے شہر بلا رہا ہے اور تجھے اُس نے شہر سے چلے جانے کے لئے کہہ دیا۔اس کی یہ کوئی چال تھی۔''ضیا احمد نے سوچتے ہوئے کہا۔

''لیکن وہ مجھ سے چال کیوں کھیلے گا۔''فلک شیر بھی حیران تھا۔

''یہ تو تم اُسی سے پوچھ سکتے ہو۔''ضیا احمد نے کندھے اُچکا کر کہا۔

فلک شیر نے کچھ دیر سوچا اور پھر سیماں سے کہا۔''سیماں تم گھبراؤ نہیں۔میں تمہیں گاؤں چھوڑ کر آؤں گا اور ساری غلط فہمیاں بھی دور کرنے کی کوشش کروں گا۔سیماں اس سے ملو۔اس کا نام نیلم ہے۔یہ بھی ڈاکٹر ہیں۔اور ہم ایک ساتھ کام کرتے ہیں اور......''فلک شیر نے جان بوجھ کر فقرہ اُدھورا چھوڑ دیا۔وہ جانتا تھا کہ سیماں کے لئے یہ اشارہ بہت ہوگا۔

سیماں نے نیلم کی طرف دیکھا اور پھر اپنے آنسو روکنے لگی۔فلک شیر نے پھر کہا۔''زندگی میں بہت کچھ چاہا جاتا ہے۔بہت کچھ مل جاتا ہے اور بہت کچھ نہیں ملتا۔اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جو نہ ملے اُسے ہم اپنی زندگی کا روگ بنالیں۔شاید ہمارے حق میں اُس چیز کا نہ ملنا ہی بہتر ہوتا ہے۔''

''مجھے اب واپس گاؤں جانا ہے۔اپنی ماں کے پاس۔باپ اور بھائی کاٹ بھی دیں تو پروا نہیں۔''سیماں نے بضد ہوتے ہوئے کہا۔

''میں وعدہ کرتا ہوں کہ تیرے ساتھ میں ایسا نہیں ہونے دوں گا۔ہم کل گاؤں چلیں گے۔''فلک شیر نے کہا۔سکھاں کی برداشت اور صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جارہا تھا۔اُولاد کی محبت اُسے فلک شیر کی طرف دھیرے دھیرے قدم اُٹھانے پر مجبور کررہی تھی۔اتنے سال اُس نے محض اپنی ہونے والی اُولاد کے بارے میں سوچا ہی تھا۔آج

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

وہ ایک جوان بیٹے کے پاس کھڑی تھی۔فاصلے اُسے اذیت دینے لگے تھے۔اولاد کو سینے سے لگا کر اُس کا ماتھا چومنے کے لئے سکھاں بے تاب ہورہی تھی۔وہ فلک شیر کے عین پیچھے کھڑی ہوگئی۔صغراں کے سوا باقی سب ہی اُس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگے تھے۔

سکھاں نے اپنا کانپتا ہوا ہاتھ اُس کی طرف بڑھایا اور فلک شیر کے کندھے پر رکھ دیا۔فلک شیر نے گردن گھما کر اپنے عقب میں دیکھا۔سکھاں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور ہونٹ تھرتھرا رہے تھے۔فلک شیر کی آنکھوں میں حیرت تھی۔

اچانک صغراں نے آگے بڑھ کر فلک شیر سے کہا۔"بیٹا یہ سکھاں ہے تیری ماں۔"

صغراں کا یہ کہنا تھا کہ جیسے دونوں طرف سے بندھ ٹوٹ گیا ہو' فاصلے سمٹ کر معدوم ہوگئے' جدائی کا نام و نشان مٹ گیا' دوری قُربت میں بدل گئی' اور پہلی بار دونوں ماں بیٹا ایک دوسرے کے سینے سے لگ گئے۔

اندھیرے کی چادر ابھی آسمان نے اوڑھ رکھی تھی۔

گلزار اُس جگہ کھڑا تھا جہاں علی گوہر نے اُسے کہا تھا۔اپنے لاابالی پن کی وجہ سے وہ یہاں آنے کے لئے رات سے ہی بے چین تھا۔علی گوہر نے اُسے ایک درخت کی اوٹ سے اشارے کے ساتھ اپنی طرف بلایا۔گلزار نے اپنی کار ایک طرف کھڑی کی ہوئی تھی۔گلزار اُس کی طرف چل پڑا۔

"یہ تو مجھے پتہ چل گیا کہ تم سچے عاشق ہو۔"علی گوہر نے آگے چلتے ہوئے کہا۔

گلزار اُس کے پیچھے چل رہا تھا۔

"اُس کے عشق میں یہ سمندر پار کیا ہے۔"گلزار نے کہا۔"ورنہ کون اتنی سویرے نیند چھوڑ کر سفر کرتا ہے۔"

"ٹھیک کہہ رہے ہو تم۔"علی گوہر نے کہا اور وہ اُسے بیچوں بیچ نصیر کے اُس ڈیرے میں لے گیا جو اُس نے اپنے دوستوں کے ساتھ بیٹھنے کے لئے بنایا تھا۔اس وقت وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔اس جگہ ویسے بھی وہ تب ہی آتے تھے جب اُنہوں نے

محفل جمانی ہوتی تھی۔دور تک خاموشی اور اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

دروازہ بند تھا لیکن تالا نہیں لگا تھا۔علی گوہر پہلے ہی اس جگہ کو دیکھ چکا تھا اور تسلی کر چکا تھا کہ یہاں کوئی نہیں ہے۔وہ اُسے اندر لے گیا۔اندر اندھیرا تھا۔

"روشنی تو کرو۔"گلزار نے سرگوشی کی۔

"روشنی کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔"علی گوہر کی آواز آئی۔

"اچھا بھئی یہ عشق بھی کیسے کیسے امتحان لیتا ہے۔تمہارا جادو دیکھنے کے لئے آگیا ہوں کہ تم کیا کرنے والے ہو۔کیسے مجھے اُن کے قریب کرنے والے ہو۔"گلزار نے شوخی سے کہا۔"ایک تم ہو کہ اندھیرا کئے ہوئے ہو۔کیا اُسے اسی اندھیرے سے نکال کر میرے سامنے کھڑا کردو گے؟"

"اب دیکھو میرا جادو۔"علی گوہر نے کہا۔دونوں اندھیرے کا ایک حصہ بنے ہوئے تھے۔یکدم بجلی سی تیزی سے علی گوہر نے ہاتھ میں پکڑی رسی گلزار کی گردن کے اردگرد لپیٹ دی۔اس اچانک آفت پر پہلے تو گلزار چونکا اور گھبرایا پھر اُس نے بولنا چاہا لیکن علی گوہر کی گرفت اس قدر شدید تھی کہ اس کے حلق سے آواز نکلنا مشکل ہوگئی تھی۔

علی گوہر کی گرفت بڑھتی ہی جارہی تھی۔گلزار اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے مزاحمت کرنے لگا۔لیکن سب بے سود ہورہا تھا۔گلزار کی آنکھیں اُبل کر باہر نکل آئی تھیں سانسوں کی لڑی ٹوٹنے لگی اور پھر وہ ساکت ہوگیا۔اس کا جسم ڈھلک گیا۔

علی گوہر نے اُسے چھوڑ دیا۔گلزار کا بے جان جسم زمین پر پڑا ہوا تھا۔اُس نے اس کی گردن سے رسی الگ نہیں کی۔کچھ دیر وہاں کھڑا رہا' سانس ٹھیک کی اور بولا۔

"معاف کرنا دوست......میرا تاج کے بیٹوں کو پت جھڑ کے پتوں کی طرح مسلنا میرا مقصد ہے۔اس مقصد کو پانے کے لئے مجھے کسی کی بھی قربانی منظور ہے۔آج تم نے بھی میرے لئے قربانی دی ہے۔میں نے تم کو ان کے بہت قریب کردیا ہے۔اتنا کہ وہ خود بھی دیکھیں گے اور سارا گاؤں بھی دیکھے گا۔"

علی گوہر نے دروازہ کھولا اور باہر نکل گیا۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

دن چڑھ گیا تھا۔

اس ڈیرے کی طرف جب فرزند کا ایک ملازم کام سے آیا اور اُس نے جیسے ہی دروازہ کھولا چونک کر اُس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ گلے میں رسی پڑی ایک نوجوان کی لاش کو دیکھ کر وہ خوفزدہ ہوکر باہر کی طرف دوڑا اور دور کام کرنے والوں کو آوازیں دینے لگا۔ دیکھتے ہی دیکھتے سب وہاں جمع ہوگئے۔

اس واقعے کی اطلاع یاور حیات کو دی گئی وہ بھاگتا ہوا وہاں آگیا۔ نوجوان اجنبی تھا۔ سب حیران تھے کہ یہ کون ہے اور اسے کس نے قتل کیا ہے۔ پورے گاؤں میں یہ خبر آناً فاناً پھیل گئی تھی۔ دہشت کی ایک نئی لہر نے جنم لے لیا تھا۔

جب یاور حیات ابھی یہ سوچ ہی رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ علی گوہر دور گلزار کے باپ کو فون کر رہا تھا۔

''ہاں پہچان لیا تم کو اَب بھول سکتے ہیں علی گوہر۔'' جب علی گوہر نے اپنا بتایا تو گلزار کے باپ نے خوشگوار لہجے میں کہا۔

''ایک خبر دینی تھی آپ کو۔'' علی گوہر نے اُداس لہجے میں کہا۔

''ہاں بول کیا خبر دینی ہے۔'' گلزار کے باپ نے کہا۔

''گلزار نے آپ کو اپنے بارے میں کچھ بتایا تھا۔'' علی گوہر نے کہا۔

''کیا بتایا تھا؟'' اُس کے باپ نے پوچھا۔

''یہ ہی کہ اُس کے ہمارے گاؤں کے بااثر چوہدری یاور حیات کی بیٹی کے ساتھ تعلقات تھے۔ دونوں پاس پاس ہی کالج میں پڑھتے تھے۔'' علی گوہر نے رکتے ہوئے بتایا۔

''بتایا تو نہیں تھا۔'' وہ پریشان سا ہوکر بولا۔ ''بات کیا ہے؟''

''مجھے لگتا ہے کہ آج گلزار مجھے بھی بتائے بغیر اُس لڑکی سے ملنے کے لئے آگیا تھا۔ اور اُس لڑکی کے باپ' چاچا اور بھائیوں کو خبر لگ گئی تھی۔'' علی گوہر نے کہا۔ اس کے لہجے میں ابھی تک اُداسی تھی۔

''ہوا کیا ہے کھل کر بات کر۔'' گلزار کے باپ نے مضطرب ہوکر پوچھا۔

''اُن لوگوں نے گلزار کو مار دیا ہے۔'' علی گوہر نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

''کیا کہہ رہے ہو تم۔'' وہ یکدم چیخا۔

''میں اس کی لاش دیکھ کر آرہا ہوں۔ اُن کے ڈیرے میں پڑی ہوئی ہے۔ اور وہ سب اس کے اردگرد کھڑے ہیں۔ عجیب باتیں کر رہے ہیں۔ اس کے وارثوں کو للکار رہے ہیں۔''

''اگر ایسا ہے تو وہ میرے تعلقات اور میری پہنچ سے واقف نہیں ہیں۔ میں ان سب کو جیل کی چکی پینے پر مجبور کردوں گا، میرے گلزار کو اُنہوں نے مار دیا۔ ہم آرہے ہیں۔'' گلزار کے باپ نے چیخ کر کہا اور فون بند ہوگیا۔ علی گوہر نے آسمان کی طرف دیکھا اور بولا۔

''میرا خیال ہے کہ چند دنوں کے لئے مجھے یہاں سے کہیں نکل جانا چاہئے۔ کہیں اور جاکر چین کی بانسری بجانی چاہئے۔''

❀✪❀

فلک شیر نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ اُسے اس طرح سے اس کی کھوئی ہوئی ماں مل جائے گی۔ جب دونوں طرف آنسوؤں کی برسات رکی تو دونوں ایک ہی چارپائی پر ساتھ ساتھ بیٹھ گئے۔ فلک شیر نے اپنی ماں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے تھے۔ اور سکھاں کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا جبکہ سیماں بھی اپنی جگہ حیرت زدہ تھی۔ اور اس ملن پر خوش بھی تھی۔ ہر ایک کا چہرہ خوشی سے تمتما رہا تھا۔

''یہ تو کمال ہوگیا...... واقعی کمال ہوگیا۔'' ضیا احمد خوش ہوتا ہوا بولا۔

''یہ انکل ضیا ہیں امی۔ ان کی وجہ سے میں ڈاکٹر بنا ہوں اور یہ ان کی بیٹی نیلم ہے۔ ہم ایک ساتھ ہسپتال میں کام کرتے ہیں۔'' فلک شیر نے تعارف کرایا۔ نیلم آگے بڑھی تو سکھاں نے اُٹھ کر اُسے بھی اپنے گلے سے لگا لیا۔

طویل عرصے کے بعد سکھاں کے کانوں نے اپنے بیٹے کو ماں کہتے ہوئے سنا تھا تو اس کی خوشی اور بھی دو چند ہوگئی تھی۔ صغراں کے گھر میں تو جیسے خوشیوں کی قوس و قزح اُتر آئی ہو۔ ہر چہرہ کھلا ہوا تھا۔ سب ہی خوش تھے۔ اس خوشی میں روبی کا چہرہ جہاں مسکرا رہا تھا وہاں ایک اُداسی بھی تھی نیلم اس کے پاس آکر اُسے ایک طرف لے جاکر بولی۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

"کیا بات ہے۔" نیلم نے پوچھا۔

"اَب کوئی بات نہیں رہی ہے۔" روبی نے اُداس لہجے میں کہا۔

"کیا مطلب؟" نیلم نے پوچھا۔

"نوازش کا گھر چھوڑ آئی ہوں۔ آنٹی صغراں کا در ہی سمجھ میں آیا تو اس جگہ آ گئی۔ کل اپنی امی کی طرف جاؤں گی۔ اگر اُنہوں نے معاف کر دیا تو ٹھیک ہے ورنہ کچھ سوچ لوں گی۔ سب ٹھیک کہتے تھے کہ میں نوازش کی ضد چھوڑ دوں۔ میں پاگل تھی کہ کسی کی بھی نہیں سنی۔ تمہاری بھی نہیں۔"

"اچھا چھوڑو اَب جو ہونا تھا وہ ہو گیا ہے۔ بیٹھ کر بات کریں گے۔" نیلم نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

❀✪❀

گلزار کا باپ اپنے بھائیوں' پولیس کی گاڑیوں اور اعلیٰ افسران کے ساتھ وہاں پہنچ گیا۔ پورا گاؤں یہ سب دیکھ کر دنگ رہ گیا۔ آناً فاناً وہاں ایک ہلچل مچ گئی۔ گلزار کے خاندان کے تعلقات کہاں تک تھے اس کا اندازہ کسی کو بھی نہیں تھا۔ خود گلزار کے بھائی اچھے سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔

یاور حیات بھی یہ سب دیکھ کر حیران ہی رہ گیا تھا۔ گلزار کے باپ نے جیسے ہی گلزار کو بے جان دیکھا جس کے گلے میں ابھی تک رسی پڑی ہوئی تھی اور وہ سب کے سامنے کسی لاوارث کی طرح چارپائی پر پڑا ہوا تھا۔ گلزار کے باپ نے فوراً یاور حیات کو گرفتار کرنے کا حکم دیا۔ یاور حیات حیران اور پریشان رہ گیا کہ وہ کس جرم میں پکڑا جا رہا ہے۔ اُس کا بیٹا نثار جب آگے ہوا تو اُسے بھی پکڑ لیا گیا۔ اور بھی بہت سی گرفتاریاں عمل میں آ گئیں۔

یاور حیات نے بہت کوشش کی کہ وہ اپنی صفائی میں کچھ کہہ سکے لیکن گلزار کا باپ اپنے بیٹے کی لاش دیکھ کر آگ بگولہ ہو چکا تھا۔ وہ کچھ بھی سننے کے لئے تیار نہیں تھا۔

گلزار کے بڑے بھائی نے گلزار کی جیب سے اُس کا موبائل فون نکالا اور کنٹیکٹ بک دیکھنے لگا۔ وہاں راحیلہ کے نام کے ساتھ اس کا نمبر سیو تھا۔ راحیلہ کے فون سے کال آئی بھی تھی اور رات کو اس نمبر سے راحیلہ کو فون بھی کیا گیا تھا۔ اُس نے موبائل

فون محفوظ کر لیا۔

یاور حیات، اُس کا بیٹا اور اُس کے خاص آدمی گلزار کے قتل کے جرم میں گرفتار ہو چکے تھے۔ گلزار کا باپ کسی کو بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔ دو گھنٹے کے اندر ہسپتال سے فرزند اور نوید کو بھی پولیس کی نفری نے پکڑ لیا تھا جبکہ نصیر بھاگ جانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

میر تاج کے بیٹوں پر عجیب قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ کیا ہو رہا تھا' کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ ایک کے بعد ایک مسئلہ سر اُٹھا رہا تھا۔ اور وہ سب بے بس مسائل کے گڑھے میں گرتے جا رہے تھے۔

❀✪❀

دیتو کو جب پتہ چلا کہ گاؤں میں گلزار نام کے نوجوان کی موت سے ایک نئی آفت نے جنم لے کر یاور حیات' فرزند علی نثار اور سکندر کو حوالات کا دروازہ دکھا دیا ہے۔ اور گرفتار کرانے والے کوئی عام نہیں بلکہ بہت ہی بااثر لوگ ہیں تو دیتو یہ سب سن کر سوچتا ہی رہ گیا۔ دیتو میر تاج سے لے کر اُس کے بیٹوں اور آگے اُن کی اُولادوں تک بہت کچھ جانتا تھا۔ کیا ہوتا رہا ہے اور یہ لوگ کیا کرتے رہے ہیں۔ کس پر انہوں نے ظلم کیا اور کس ظالم کا ساتھ دیا' وہ سب دیتو کی نگاہوں کے سامنے تھا۔ اور پھر کیسے ان کا شیرازہ بکھر گیا' اس کا دیتو کو یقین نہیں آ رہا تھا۔ وہ بس سوچتا ہی رہا......

❀✪❀

فلک شیر اپنی ماں سکھاں کو لے کر نیلم کے بنگلے میں چلا گیا۔ فلک شیر کی تو خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ اور سکھاں کے لئے ہر لمحہ عید تھا۔ فلک شیر نے اپنی ماں کو اپنے ہاتھ سے کھانا کھلایا' ڈھیر ساری باتیں کیں اور ماضی کے ہر پل کو بھول جانے کے لئے کہا۔

دوسرے دن ہسپتال جانے کے لئے فلک شیر تیار ہوا تو اُس نے سکھاں کو بھی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

ساتھ ہی جانے کے لئے رضا مند کرلیا۔فلک شیر اپنی ماں کو اپنا ہسپتال دکھانا چاہتا تھا۔جہاں وہ کام کرتا تھا۔

فلک شیر' سکھاں اور نیلم ہسپتال چلے گئے۔ابھی فلک شیر اپنے کمرے کی طرف جا ہی رہا تھا کہ دیتو کی نگاہ پہلے سکھاں پر پڑی اور پھر فلک شیر کی طرف اُس نے دیکھا اور وہ بھاگ کر اُن کے سامنے آگیا۔

"فلک شیر یہ تو......" دیتو نے حیران ہوتے ہوئے سکھاں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"یہ میری ماں ہے۔" فلک شیر نے کہا۔"جس کا پتہ کبھی میں آپ سے پوچھا کرتا تھا۔یاد ہے۔"

"سب یاد ہے۔سب کچھ یاد ہے۔" دیتو کو یقین نہیں آرہا تھا۔اُس کی خود کی آنکھیں بھی نم ہوگئی تھیں۔

"آپ یہاں کیا کررہے ہو دیتو چاچا۔" اچانک فلک شیر نے پوچھا۔

"میں یہاں کیا کررہا ہوں۔کیا تمہیں کچھ نہیں پتہ۔" دیتو نے متحیر نگاہوں سے فلک شیر کی طرف دیکھا۔

"پتہ ہوتا تو تم سے یہ سوال نہ کرتا۔" فلک شیر بولا۔

"میرے ساتھ آؤ۔" دیتو نے کہا اور وہ تینوں کو اپنے ساتھ لے گیا۔ایمرجنسی وارڈ کے سامنے شیشے کے دروازے کے آگے کھڑے ہوکر دیتو نے سامنے اشارہ کیا۔تینوں نے بیک وقت اُس طرف دیکھا اور وہ چونک پڑے۔

بیڈ پر ٹیڑھے منہ کے ساتھ منظور احمد دراز تھا۔اُس کی آنکھیں بند تھیں اور ڈرپ لگی ہوئی تھی۔سکھاں بھی حیرانی سے منظور احمد کو دیکھ رہی تھی۔

"یہ کیا ہوا؟" فلک شیر نے حیران ہوکر پوچھا۔

دیتو نے ساری داستان سنا دی۔سارا خاندان کیسے اور کن مشکلات سے دوچار ہوگیا ہے یہ سن کر فلک شیر تو حیران تھا ہی سکھاں کو سن کر میر تاج کی یاد آگئی۔جس کی گردن اکڑی ہوئی ہوتی تھی اور وہ رعب دبدبے سے کہتا تھا۔

"یہ زمین یہ گاؤں اور اس میں بسنے والے لوگ میرے ہیں۔یہاں میرا حکم چلتا

ہے سب پر۔"

سکھاں نے سوچا کہ حکم تو خدا کا ہی چلتا ہے۔وہی ہر چیز کا مالک ہے۔اُسی کے قبضے میں سب کچھ ہے۔اُسے یہ پسند نہیں ہے کہ اس کا بندا زمین پر اترا کر چلے سرکشی کرے اور تکبر کی زبان بولے۔اس کی لاٹھی بے آواز ہے۔

سکھاں اس بارے میں سوچتی رہی اور فلک شیر حیرانی کے عالم میں اپنے باپ کو دیکھتے ہوئے دیتو سے اُن کی بربادی کی داستان بھی سنتا رہا۔

❋

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

فلک شیر اپنے باپ اور اُس کے بھائیوں کے بارے میں ہی سوچتا رہا۔اس وقت وہ گاڑی میں بیٹھا ہوا تھا۔اس کے برابر میں نیلم براجمان تھی جبکہ وہ دونوں سکھاں اور سیماں کے گھر سے نکلنے کا انتظار کر رہے تھے۔وہ سیماں کو گاؤں چھوڑنے کے لئے جا رہے تھے۔سکھاں اس گاؤں میں نہیں جانا چاہتی تھی لیکن فلک شیر نے کہا تھا کہ وہ اُسے گاؤں لے کر جائے گا اور پورے گاؤں کو بتائے گا یہ ہے وہ سکھاں جس کا وہ بیٹا ہے۔

''کیا سوچ رہے ہو۔''نیلم نے فلک شیر کو گہری سوچ میں دیکھ کر پوچھا۔

''سوچ رہا ہوں تکبر اور غرور کی زندگی کتنی مختصر ہوتی ہے۔''فلک شیر بولا۔''سب کچھ کیسے ختم ہو گیا۔کیا سے کیا ہو گیا۔''

''اَب آگے جانے کیا ہوگا۔''نیلم نے دھیرے سے کہا۔

''پتہ چلا ہے کہ وہ لوگ بہت ہی بااثر ہیں۔وہ کسی کو بھی نہیں چھوڑیں گے۔اُس لڑکے کی دوستی راحیلہ سے تھی۔پتہ چل جانے پر یاور حیات اور اُسے کے بیٹے نے گلزار کو جان سے مار دیا۔دیتو نے یہی بتایا تھا۔''فلک شیر نے کہا۔

اسی اثنا میں سکھاں اور سیماں بھی اندر سے نکل آئیں۔وہ گاڑی میں بیٹھیں اور فلک شیر نے گاڑی آگے بڑھا دی۔ایک بار پھر سکھاں کا سفر گاؤں کی طرف شروع ہو گیا تھا۔یہ وہی راستے تھے جن پر چل کر رات کے اندھیرے میں ڈری سہمی ہوئی سکھاں شہر آئی تھی۔اُسے سب یاد آنے لگا تھا۔وہ رات کس قدر خوفناک اور دکھ بھری تھی۔سکھاں کو سوچتے ہی جھرجھری سی آ گئی تھی۔

مسافت ختم ہوئی اور گاؤں کی وہی سڑک آ گئی جس پر کبھی میر تاج اپنے بیٹوں

کے ساتھ اتراتے ہوئے نکلتا تھا۔گاؤں کی فضا عجیب سی تھی۔ایسی بوجھل سی کہ فلک شیر کو بھی گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی۔ڈر اور خوف کا پہرہ ہر طرف محسوس ہو رہا تھا۔

فلک شیر نے کار فرزند علی کی حویلی کے سامنے کھڑی کر دی۔وہ سب باہر نکلے تو جس کی نگاہ بھی سکھاں پر پڑی وہ حیرت سے چونکا۔وہ سب حویلی کے اندر چلے گئے۔حویلی کے دروازے پر چوکیدار ضرور کھڑے تھے لیکن اُن میں اب وہ بات نہیں تھی۔حویلی کے اندر بھی سوگوار فضا تھی۔

وہ سب نشست گاہ کی طرف چلے گئے۔ملازمہ اُنہیں ایک کمرے میں لے گئی جہاں بختاں بستر پر نڈھال سی پڑی ہوئی تھی۔اُس کی ویران آنکھیں سوجی ہوئی تھیں اور چہرہ ایسا تھا جیسے اُس نے ہفتوں سے کچھ نہیں کھایا تھا۔آہٹ سن کر اُس نے گردن گھما کر دروازے کی طرف دیکھا۔سب سے آگے سیماں کھڑی تھی۔

بختاں اُسے دیکھتی ہی اپنی جگہ سے اُٹھی۔''سیماں تُو آ گئی ہے۔''

سیماں بھاگ کر ماں سے لپٹ گئی۔دونوں رونے لگیں۔الگ ہوئیں تو بختاں نے کہا۔''دیکھ کیا ہو گیا ہے ہم لوگوں کا۔سب کچھ مٹی میں مل گیا ہے۔زمینیں اپنی جگہ ہیں۔یہ حویلیاں اسی طرح اپنا سر اُٹھائے کھڑی ہیں۔لیکن ان کے مالک ٹوٹ کر پتہ نہیں کن کن حال میں ہیں۔''

فلک شیر اس کمرے سے باہر نکل آیا۔اُسے وحشت ہونے لگی تھی۔وہ حویلی کی دیواروں اور اس کی خاموشی کو دیکھنے لگا۔اسی طرح چلتے ہوئے وہ حویلی سے باہر نکل گیا۔یاور حیات کی حویلی کے باہر بھی سناہٹ تھی‘منظور احمد کی حویلی کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے یہاں کسی کا سایہ ہو گیا ہے۔ایسا سکوت تھا کہ خوف سا محسوس ہوتا تھا۔

فلک شیر وہاں سے آگے چلا گیا۔گاؤں میں تینوں بھائیوں کے آدمی چل پھر رہے تھے۔اچانک ایک بوڑھی عورت فلک شیر کے پاس آئی اور خوش ہوتے ہوئے بولی۔

''تم فلک شیر ہو؟''

''ہاں ماں جی میں فلک شیر ہوں۔''اُس نے رک کر کہا۔

''مجھے پتہ چلا ہے کہ تُو اپنی ماں سکھاں کے ساتھ آیا ہے۔کہاں ہے سکھاں۔''

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

بوڑھی عورت نے پوچھا۔وہ خوش تھی۔

"وہ چاچا فرزند کی حویلی میں ہے۔آپ مل سکتی ہے۔چلی جائیں۔میرا کہنا کوئی نہیں روکے گا۔" فلک شیر نے کہا۔

"اچھا میں جاتی ہوں۔" اُس نے کہا اور حویلی کی طرف چل پڑی۔

فلک شیر پھر آگے چل پڑا۔وہ چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔وہ سوچ رہا تھا کہ یہاں اس کے خاندان کا ایک رعب اور دبدبہ ہوتا تھا۔عجیب چہل پہل ہوتی تھی۔سب کچھ کہاں چلا گیا۔سامنے سے علی گوہر کا بھائی اسلم اور ہاجراں چلے آرہے تھے۔فلک شیر اُنہیں دیکھ کر رک گیا۔پاس آکر اُس نے بھی مصافحہ کیا۔رسمی بات چیت ہوئی تو فلک شیر نے پوچھا۔

"علی گوہر گھر میں ہے۔"

"اس کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔وہ کافی دیر پہلے گھر سے نکل گیا تھا۔چلا جاتا ہے اور آجاتا ہے۔" اسلم نے بتایا۔

"اچھا......گھر ہوتا تو میں مل لیتا۔" فلک شیر نے کہا۔

اسلم اجازت لے کر آگے بڑھ گیا جبکہ ہاجراں اسی جگہ کھڑی رہی۔وہ فلک شیر کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور بولی۔"میر تاج کے پتروں اور اُن کی اُولاد کا حال دیکھا کیا ہوگیا ہے۔تم اچھے تھے اس لئے تم مصیبت سے بچ گئے۔میر تاج نے اپنے پتروں سے میرے بھائی علی گوہر کے باپ کی ٹانگ تڑوا دی تھی۔" وہ کہہ کر چپ ہو گئی۔اسلم نے کچھ فاصلے پر رک کر ہاجراں کی طرف دیکھا اور بولا۔

"آ بھی جاؤ پھوپھی،بس نکل جائے گی۔"

ہاجراں نے ایک نظر اسلم کی طرف دیکھا اور پھر فلک شیر سے معنی خیز لہجے میں بولی۔"میر تاج اور اُس کے پتروں کے ظلم کو نہ میں بھولی تھی اور نہ علی گوہر......"

ہاجراں کہہ کر اسلم کے پیچھے چل پڑی اور فلک شیر اس جگہ ہکا بکا کھڑا سوچنے لگا کہ ہاجراں نے اُسے کچھ بتانے کی کوشش کی ہے؟

فلک شیر سوچنے لگا......علی گوہر کا رویہ......حویلی کے لوگوں کے ساتھ اس کے دوستانہ مراسم......سیماں کو یہ پیغام دینا کہ اُسے شہر میں بلا رہا ہوں......اور مجھے شہر

سے لے جانا کہ میری جان کو خطرہ ہے......اور سیماں کے اغوا کا مجھ پر الزام......اسی اغوا کی وجہ سے تینوں بھائیوں میں دراڑ......کیا علی گوہر اپنے انتقام کے لئے ہمیں مہروں کی طرح چلاتا رہا ہے......وہ باپ کا انتقام لے رہا تھا؟ کہ جیسے ہی اس خاندان کا شیرازہ بکھرا وہ غائب ہوگیا کیونکہ اس کا کام ختم ہو چکا ہے۔اُس نے اسے بھی استعمال کیا تھا۔

"او خدایا......" فلک شیر نے کہا۔لگتا تھا کہ جیسے وہ سب کچھ سمجھ گیا ہے۔اُس نے موبائل فون نکالا اور علی گوہر کا نمبر ملایا کچھ دیر کے بعد علی گوہر کی آواز آئی۔

"ہاں......بول فلک شیر۔"

"تم کہاں ہو۔" اُس نے پوچھا۔

"تجھے کوئی کام ہے؟" علی گوہر نے پوچھا۔

"ہاں میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ابھی اور اسی وقت۔" فلک شیر نے کہا۔

"ابھی اور اسی وقت ممکن نہیں ہے۔میں کہیں جا رہا ہوں۔" علی گوہر نے جواب دیا۔"ملاقات پھر کبھی رکھ لے۔"

"میں تم سے پوچھنا چاہتا ہوں کہ تم......تم نے اپنے اس دوست کو بھی نہیں بخشا اور ضرورت پڑی تو اپنے انتقام کا حصہ بنا لیا۔" یکدم فلک شیر نے کہا۔

"کیسا انتقام اور کس سے انتقام......میں سمجھا نہیں ہوں۔" علی گوہر نے لاپروائی سے کہا۔

"تم اتنے بھولے نہیں ہو۔تم ہم سب کو استعمال کرتے رہے ہو۔میں سمجھ گیا ہوں۔آج جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے تم ذمہ دار ہو۔تم نے ہی سب کے لئے ایک گڑھا کھودا اور پھر اُنہیں اس میں گرا دیا۔" فلک شیر نے کہا۔

"ہاں ہوں۔" علی گوہر یکدم بولا۔"میرے باپ کا کیا قصور تھا کہ میر تاج اور اُس کے پتروں نے اُس کی ٹانگ توڑ دی اور وہ اسی ٹانگ کی وجہ سے مر گیا۔کینسر ہوگیا تھا اس ٹانگ میں۔میرا باپ چھین لیا۔ماں غم سے مر گئی۔کیا مجھے باپ کی ضرورت نہیں تھی؟" علی گوہر کی آواز میں تڑپ تھی۔

"تم انتقام کی فصل اُگاتے رہے اور آج یہ خاندان کیا سے کیا ہوگیا۔" فلک شیر

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

نے کہا۔"اس کا قصوروار دو ہو سکتے ہیں سارا خاندان تو نہیں تھا۔"

"اس خاندان کو ریزہ ریزہ کرنا ہی میرا مقصد تھا۔کمزور کر دینا چاہتا تھا میں کہ یہ لوگ بھیک مانگیں اپنی جانوں کی۔میں نے بہت کچھ قربان کیا ہے اس کے لئے......اپنی دوستی بھی اور اپنی......چاہت بھی۔"علی گوہر کی آواز رندھ گئی تھی۔

"علی گوہر......"فلک شیر نے کچھ کہنا چاہا۔

"بس فلک شیر بس۔تجھے پتہ چل گیا ہے تو بھول جاؤ تم سب کچھ۔کوئی بھی یہ ثابت نہیں کر سکے گا کہ میر تاج کے خاندان کی بربادی کے پیچھے میرا ہاتھ ہے۔نہ کوئی اور اور نہ تم......"اچانک فون بند ہو گیا۔فلک شیر کچھ دیر تک موبائل فون کان سے لگائے کھڑا رہا۔اور علی گوہر کے ساتھ مزید بات کرنا چاہتا تھا' اُس نے پھر نمبر پش کیا' لیکن اُس کا موبائل بالکل بند ہو گیا تھا۔

علی گوہر جیپ نکال کر بنا سوچے سمجھے چل پڑا تھا۔اُسے خود نہیں پتہ تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے۔وہ کسی گاؤں کے آس پاس تھا کہ جب فلک شیر کا فون آیا تھا۔اور باتوں باتوں میں اس قدر جذباتی ہو گیا تھا کہ بات کرتے کرتے سامنے سے اچانک ایک بکری کا بچہ نکل کر اس کی جیپ کے سامنے آ گیا اور علی گوہر نے اُسے بچانے کے لئے اپنی تیز رفتار جیپ کو گھمایا' بکری کا بچہ تو بچ گیا لیکن اس کی جیپ بے قابو ہو گئی اور وہ سیدھی دائیں طرف ایک درخت سے جا ٹکرائی۔اس درخت کی ایک شاخ نیچے کی طرف جھکی ہوئی تھی۔وہ شاخ جیپ کی ونڈ اسکرین توڑتی ہوئی علی گوہر کے سینے میں تلوار کی طرح گھس گئی۔شاخ زیادہ اندر نہیں گئی تھی لیکن وہ بُری طرح سے زخمی ہو گیا تھا۔اس کے لئے نکلنا مشکل ہو گیا تھا۔خون بہنے لگا تھا۔

کچھ دیر کے بعد ایک کار وہاں آ کر رکی۔اس کے اندر سے ایک آدمی باہر نکلا۔اُس نے بھاگ کر اندر دیکھا۔علی گوہر زخمی حالت میں تھا۔اُس آدمی نے دائیں بائیں دیکھا کہ کسی کو مدد کے لئے بلا سکے۔لیکن اس گاؤں کے ساتھ ہی ہر سال ایک بہت بڑا میلہ لگتا تھا۔اُس کا آج آخری دن تھا۔گاؤں کے لوگ ہی کیا' نوکر چاکر بھی اس میلے میں گئے ہوئے تھے۔

"حوصلہ کرنا جوان میں نکالتا ہوں۔"اُس آدمی نے کہا۔اور پھر کوشش کرنے لگا۔علی گوہر بھی خود کو سنبھالے ہوئے تھا۔بڑی مشکل اور تکلیف سے علی گوہر کے سینے سے وہ شاخ باہر نکالی اور اُس آدمی نے علی گوہر کو اپنی کار میں پیچھے بیٹھا لیا۔

کچھ ہی فاصلے پر اس آدمی کا گھر تھا۔آدمی نے سوچا کہ وہ اسے اپنے گھر لیٹا کر پھر ڈاکٹر کی طرف جائے۔اس کے گھر میں موجود اس کا ملازم تب تک اس کی دیکھ بھال کرے گا۔اس گاؤں میں تین ڈاکٹر تھے جو الگ الگ جگہوں پر رہتے تھے۔اُس آدمی کی دانست میں تھا کہ شاید ان کی تلاش میں اُسے اِدھر سے اُدھر جانا پڑے اس لئے بہتر ہے کہ یہ ایک جگہ رہے۔

علی گوہر کو بہت شدید تکلیف ہو رہی تھی۔وہ آدمی کار سیدھی اپنے گھر لے گیا اور ملازم کی مدد سے علی گوہر کو کمرے میں چارپائی پر لیٹا کر ہدایت کی وہ اس کا خیال رکھے وہ ابھی کسی نہ کسی ڈاکٹر کو لے کر آئے گا۔اس وقت اس کے بڑے گھر میں ایک ہی ملازم تھا۔

علی گوہر کے سینے پر ایک کپڑا رکھ دیا گیا تھا۔وہ تکلیف سے بار بار اپنے ہونٹ بھینچ رہا تھا۔وہ ملازم پاس کھڑا تھا۔کچھ دیر کے بعد اس ملازم کو آواز پڑی اور گھر کی مالکن نے کہا وہ باڑے سے دودھ لے آئے۔خون بہہ جانے کی وجہ سے شاید اسے پلانا پڑ جائے۔گھر میں جو دودھ تھا وہ ختم ہو گیا ہے تب تک وہ اس کی دیکھ بھال کے لئے ملازمہ کو حکم دیتی ہے۔جب وہ ملازم چلا گیا تو جو اس گھر کی مالکن اس کمرے میں آئی وہ......رُخسانہ تھی۔

علی گوہر نے رخسانہ کی طرف متحیر نگاہوں سے دیکھا اور پوچھا۔"یہ......تیرا گھر ہے۔"

"گھر مت کہہ۔یہ پوچھ یہ تیرا در ہے کہ میں لاچار اور زخمی پڑا ہوا ہوں۔"رخسانہ کے لہجے میں تلخی تھی۔"پھر میں تجھے بتاؤں کہ ہاں یہ میرا در ہے جہاں تُو پڑا ہوا ہے۔"

"رخسانہ......مجھے معلوم نہیں تھا کہ میں کبھی تیرے سامنے اس طرح بھی آؤں گا۔"علی گوہر کے لئے بولنا مشکل ہو رہا تھا۔تکلیف سے اس کی جان نکل رہی

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

تھی۔"تقدیر مجھے تمہارے دروازے پر کس حال میں لے آئی۔میں نے سوچا تھا کہ تیرا کبھی سامنا نہیں کروں گا۔"

"تقدیر تجھے یہاں لے آئی۔تجھے میں نے دیکھا تو اپنے ملازم کو بھیج دیا۔جب سے میں بیاہ کر اس گھر میں آئی ہوں تُو میری یادوں سے نکلا ہی نہیں ہے۔میرے خیالوں میں بسا ہوا مجھے تنگ کرتا رہتا ہے۔ہزار بار تجھے بھول جانا چاہا لیکن نہیں بھولی۔سالوں سے بسا ہوا ہفتوں میں نہیں بھولتا۔اس لئے میں دعا کرتی کہ میں مر جاؤں یا پھر تُو زندہ نہ رہے۔میں اپنے شوہر کی ہو کر رہنا چاہتی ہوں۔صرف اُسی کی۔"رخسانہ نے اُس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔غصہ اس کے لفظوں کے ساتھ چنگاریوں کی طرح نکل رہا تھا۔

"میں تیرا جرم دار ہوں رخسانہ۔لیکن یہ سچ ہے کہ میں تجھے چاہتا تھا لیکن ضرورت پڑی تو میں نے تیرا بھی استعمال کرلیا۔ایک تُو ہی تو تھی جو ناصر کے منہ پر تھپڑ مار سکتی تھی۔"علی گوہر نے اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا تھا تم نے ایسا۔کیوں کیا تھا۔"وہ کرب سے بولی۔

"اپنے انتقام کے لئے۔"علی گوہر نے کہا۔

"تُو کسی سے انتقام لے رہا تھا کہ اپنے آپ کو اپنے ہی انتقام کے حوالے کر رہا تھا؟"رخسانہ نے فوراً کہا۔

"اس اُکھڑتی ہوئی سانس کے ساتھ آج پہلی بار احساس ہوا ہے کہ کاش میں باپ کا معاملہ خدا کے سپرد کر دیتا۔انتقام کی آگ میں جھلس کر میں تو اپنی زندگی بھی جینا بھول گیا تھا۔سب کچھ اس انتقام کی نذر کر کے آج تیرے سامنے اس حالت میں پڑا ہوں کہ جس کے لئے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔"

"اَب پچھتاؤ اور اپنی ہی آگ میں جلتے رہو۔"رخسانہ نے کہا۔

"رُخسانہ مجھے معاف کر دینا۔"علی گوہر نے کہا تو اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔وہ تاسف سے بولا۔"میں تو اپنے حصے کی زندگی بھی نہیں جی سکا۔"

"میں نے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ تجھے کبھی معاف نہیں کروں گی۔" رخسانہ نے جلدی سے کہا۔

علی گوہر نے شدید تکلف سے کہا۔"تو پھر مجھے سزا دو۔یہ تمہارا حق ہے۔میں تمہارے سامنے ہوں۔"

"تم نے اپنی ہی نہیں میری زندگی بھی برباد کی ہے علی گوہر۔میں نے کہا تھا ناں کہ جب بھی مجھے موقعہ ملا میں اپنا زہر تیرے جسم میں اتار کر رہوں گی۔"رخسانہ نے جنونی لہجے میں کہا اور اُس کے سر کے نیچے سے خون آلود سرہانہ نکال کر اس کے چہرے پر رکھ دیا اور ایک جوش اور غصے سے دبانے لگی۔علی گوہر نے کوئی مزاحمت نہیں کی۔وہ تڑپا'اُس نے اپنے دونوں ہاتھوں سے چارپائی پکڑ کر رکھی اور کچھ دیر کے بعد اس کا جسم ساکت ہو گیا۔

رخسانہ نے سرہانہ اس کے چہرے سے ہٹایا'اس کی طرف دیکھا اور سرہانہ پھر اس کے سر کے نیچے رکھ دیا۔رخسانہ کی آنکھیں بھیگی ہوئی تھیں۔اور وہ روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔علی گوہر کا بے جان جسم وہاں پڑا تھا۔

اسی اثنا میں ملازم آ گیا۔پھر رخسانہ کا شوہر ڈاکٹر کو بھی لے آیا۔ڈاکٹر نے دیکھا' چیک اَپ کیا اور بولا۔"یہ تو مر چکا ہے۔زخم گہرا تھا شاید اور خون بھی بہت بہہ چکا ہے۔"

رخسانہ کے شوہر نے افسوس سے علی گوہر کی طرف دیکھا۔اور کہا۔"اسے میں نے پہلے بھی کبھی دیکھا ہے۔مجھے لگتا ہے کہ یہ رخسانہ کے گاؤں کا ہے۔"وہ یاد کرنے لگا۔

دوسرے کمرے میں رخسانہ رو رہی تھی۔لیکن اُسے اَب یقین تھا کہ وہ اپنی باقی زندگی اس کی یادوں کے بغیر گزارنے میں کامیاب رہے گی۔اس کا وجود ختم ہو چکا ہے اور ساتھ ہی اس کی یادیں بھی رفتہ رفتہ دم توڑ دیں گی۔

جب کوئی انتقام کی فصل کو اپنے اندر کی سلگن سے تیار کرتا ہے'اور اس کوشش میں ہوتا ہے کہ وہ دوسروں کی زندگیوں میں پت جھڑ کا موسم لے آئے تو دراصل وہ اپنے آپ سے بھی انتقام لے رہا ہوتا ہے۔اپنی زندگی کو بھی اذیت کی آگ کا ایک حصہ بنا رہا ہوتا ہے۔اور اسی آگ میں وہ خود بھی لقمہ بن جاتا ہے۔وہ لوگ اچھے رہتے ہیں جو دلوں کی کدورت مٹا کر معاملات خدا پر چھوڑ دیتے ہیں اور اپنے حصے کی زندگی جیتے ہیں۔

Courtesy www.pdfbooksfree.pk

میر تاج کے گاؤں میں بہت کچھ بدل گیا تھا۔

گلزار کے خاندان نے فرزند علی، یاور حیات اور اور اُن کی اُولادوں کو قانوں کے شکنجے میں کس کر رکھا ہوا تھا۔ جیل کی سلاخوں میں قانونی جنگ لڑی جا رہی تھی۔ اور ایک کشمکش شروع ہو چکی تھی۔

نوید کی زندگی بچ گئی تھی لیکن اُسے علاج کے لئے ابھی کئی ہفتوں تک ہسپتال اور پھر گھر بستر پر رہنا تھا۔

منظور احمد حویلی میں آ گیا تھا۔ اس کا علاج فلک شیر نے کیا تھا اور پھر شہر کے ایک قابل ڈاکٹر کی طرف منتقل کر دیا تھا۔

منظور احمد دیکھتا تھا، لیکن اپنے مفلوج جسم کو حرکت نہیں دے سکتا تھا اور نہ ہی بول سکتا تھا۔ نور بانو نے اس کی دیکھ بھال کے لئے ملازم اس کے اردگرد جمع کر دیئے تھے۔ جبکہ ناصر اپنے آپ کو اکیلا محسوس کرنے لگا تھا۔ خاندانی طاقت کو کھو کر اُسے شدت سے احساس ہونے لگا تھا کہ یہ زمینیں، جائیداد، حویلیاں، گائیں، بھینیں، نوکروں اور وفاداروں کی فوج آج بھی اُسی جگہ ہے۔ لیکن ان چیزوں کی وجہ سے جو فخر کیا کرتے تھے وہ مسائل میں گھر کر ان سے بے نیاز ہو گئے ہیں۔ یہ چیزیں نہ تو ناصر سے اس کے دل کا حال جان سکتی ہیں، نہ مل کر ہنسی مذاق کر سکتی ہیں اور نہ ہی اس کے ساتھ چل کر کہیں جا سکتی ہیں اور نہ ہی رات گئے اس کے ساتھ محفل جما سکتی ہیں۔ ناصر کی سمجھ میں بہت کچھ آ گیا تھا۔ وہ بدل گیا تھا۔ پھر سے خاندان اکٹھا کرنا چاہتا تھا اور غلطیوں کو ٹھیک کرنا چاہتا تھا۔

روبی کے شوہر نوازش نے زرینہ کو غصے سے گولی مار دی اور وہ جیل چلا گیا۔ روبی کو اس کے ماں باپ نے معاف کر دیا تھا اور وہ اُن کے پاس چلی گئی۔

فلک شیر اور نیلم کی شادی ہو گئی تھی۔

سکھاں ان کے ساتھ نئے گھر میں منتقل ہو گئی تھی۔ تین افراد پر مشتمل یہ گھرانہ اپنی زندگی سے مطمئن اور خوش تھا۔ تینوں کی زندگی کا ایک نیا آغاز ہو چکا تھا۔

(تمت بالخیر)